عذرا کی واپسی

جسے

محمد ظاہر حسن صاحب بی۔ اے

نے ترجمہ کیا

سنہ ۱۹۲۹ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

Rs 2.0/-

قیمت

بار اول



عذرا کی واپسی

فطارت طیور بالعشاء وصاحوا	ومن مات وجدا ما علیہ جناح
اسر حدیث العشق ما امکن اللقا	وان غلبت الشوق الشدید یباح
سری طیف من یحکی بطلعۃ الضحی	ولیس للیلی فی الغرام صباح

جہاں تک سائنس اور بیرونی دنیا کا تعلق ہے۔ یہ قصہ ختم ہوتا ہے۔ لیکن ابھی یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ میرے اور ایبن کے متعلق اس کا اختتام کہاں ہوگا + اتنا ہمیں ضرور یقین ہے کہ ابھی تک اختتام کی کوئی صورت نہیں ہے ..... میں اکثر رات کو تنہائی میں دل کی آنکھوں سے زمانہ آئندہ کی اندھیری یا خیالی کوٹھری کا کونہ کونہ ڈھونڈا کرتا ہوں۔ مگر کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس عجیب و غریب ڈرامے کا کیا انجام ہوگا اور بالآخر کس مقام پر ہوگا + یہ ضرور ہے کہ ہم تک اس کا انجام نہیں ہوا۔ بلکہ کہیں اور کسی اور ایکٹروں کے ہاتھ اس کا انجام ہونے والا ہے + مقدرات نہیں بدلے

جا سکنے۔ اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ اس صورت میں دیکھئے
وہ ماہوش مصریہ شہزادی ایمینارٹس آئندہ کیا کرتی ہے۔ جس نے جوش
محبت میں فرعون جیسے بادشاہ کے تخت پر لات مار کر اور اپنے مقتدا قرطیس
کے مذہبی عہود و مواثیق کو توڑا۔ اور مجنوں بنا کر مصر سے نکلی۔ اور
مدتوں افریقہ کے میدانوں میں بادیہ گردی کر کے آخر گور کے کھنڈروں
میں ایسا سرگرداں چھوڑا کہ قیامت تک اس کی روح ڈھونڈتی رہے
گی ؎

جنوں گل کردن مجنوں۔ نگہ نا کردن لیلیٰ
زہر دیوانۂ در زیر لب افسانۂ دارم

عذرا مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس سنہ ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۶۴

تمہید

ناظرین! فی الحقیقت غیر مترقب واقعات کا نام ہی حادثات ہے غالباً اس افسانہ اور ایک اس سے پہلے افسانہ کے مؤلف کو دنیا میں اگر کسی شخص کے ساتھ پھر رابطہ پیدا ہونے سے ناامیدی ہو سکتی تھی۔ تو وہ حنیف تھے۔ اس ناامیدی کی اصلی وجہ یہ تھی کہ میں سمجھتا تھا کہ حنیف اس جہان فانی کو خیرباد کہہ چکے ہیں۔

سالہا سال گزرے جب پہلے مجھے ان کا رقعہ ملا تھا۔ تو اس کے ذریعہ سے مجھے "عذرا" کا مسودہ موصول ہؤا تھا۔ اور اس میں انہوں نے اپنے اور اپنے رفیق امین کے وسط ایشیا کی طرف سیاحت پر روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ جہاں میرا خیال ہے کہ امین کی دیوانی عذرا کا ان سے دوبارہ ملاقی ہونے کا وعدہ تھا۔

بیکاری کے اوقات میں میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ خدا جانے وسط ایشیا میں ان پر کیا گذری ہو۔ اب تک وہ داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہوں گے۔ یا کسی لامائے تبت کے بتکدے میں راہبانہ زندگی گزار رہے ہوں گے۔ یا کسی مشرقی تارک الدنیا استاد فن سے اس امید میں زہد و روحانیت کا سبق سیکھ رہے ہوں گے کہ شاید اسی وسیلہ سے وہ اس ملکۂ غیر فانی کے تقرب کا راستہ پا جائیں۔

اب جب کہ مدت سے میرا ذہن ان کی یاد سے خالی تھا۔ میرے ان تحیرات کا جواب بغیر کسی ظاہری یا باطنی علامت ما قبل کے وارد ہوا گویا

جا سکنے۔ اور جو کچھ ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا + اس صورت میں د
وہ ماہوش مصر یہ شہزادی ایمینارٹس آئندہ کیا کرتی ہے۔ جس نے ج
محبت میں فرعون جیسے بادشاہ کے تخت پر لات مار کر اور اپنے مقتدا
کے مذہبی عہود و مواثیق کو توڑا۔ اور مجنوں بنا کر مصر سے نکلی۔
مدتوں افریقہ کے میدانوں میں بادیہ گردی کر کے آخر گور کے کھنڈر
میں ایسا سرگرداں چھوڑا کہ قیامت تک اس کی روح ڈھونڈتی ر
گی +

جنوں گل کردن مجنوں۔ نگہ نا کردن لیلیٰ
زہر دیوانہ در زیر لب افسانہ دارم

عذرا مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس ۱۹۰۶ء صفحہ ۱۴

تمہید

ناظرین! فی الحقیقت غیر مترقب واقعات کا نام ہی حادثات ہے
غالباً اس افسانہ اور ایک اس سے پہلے افسانہ کے مؤلف کو دنیا میں اگر
کسی شخص کے ساتھ پھر رابطہ پیدا ہونے سے ناامیدی ہو سکتی تھی۔ تو وہ
حنیف تھے۔ اس ناامیدی کی اصلی وجہ یہ تھی کہ میں سمجھتا تھا کہ حنیف اس
جہان فانی کو خیر باد کہہ چکے ہیں۔

سالہا سال گزرے جب پہلے مجھے ان کا رقعہ ملا تھا۔ تو اس کے ذریعہ
سے مجھ سے "عذرا" کا مسودہ موصول ہوا تھا۔ اور اس میں انہوں نے اپنے اور
اپنے رفیق امین کے وسط ایشیا کی طرف سیاحت پر روانہ ہونے کا ارادہ ظاہر
کیا تھا۔ جہاں میرا خیال ہے کہ امین کی دیوانی عذرا کا ان سے دوبارہ ملاقی
ہونے کا وعدہ تھا۔

بیکاری کے اوقات میں میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ خدا جانے وسط ایشیا
میں ان پر کیا گذری ہو۔ اب تک وہ داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہوں گے
یا کسی لامائے تبت کے بتکدے میں راہبانہ زندگی گزار رہے ہوں گے - یا
کسی مشرقی تارک الدنیا استادوں سے اس امید میں زہد و روحانیت کا سبق
سیکھ رہے ہوں گے کہ شاید اسی وسیلہ سے وہ اس ملکۂ غیر فانی کے تقرب کا
راستہ پا جائیں۔

اب جب کہ مدت سے میرا ذہن ان کی یاد سے خالی تھا۔ میرے ان
تخیرات کا جواب بغیر کسی ظاہری یا باطنی علامت، ماقبل کے وارد ہوا گویا

عدم سے یکایک معرض وجود میں آیا +
کس قدر حیرت انگیز واقعہ ہے۔ کہ میں نے جسے اس داستان کی تالیف
حاصل ہے۔ کاغذات کے اس پولندہ کو جو میلے سے حنائی کاغذ میں
وا بغیر رجسٹری ہوئے وصول ہوا تھا۔ اس کی ظاہری صورت سے اسے
ن اشتہارات سمجھ کر ایک طرف ڈال دیا اور دو دن تک اس کا خیال بھی
+ یہ پولندہ شاید آج تک اسی حالت میں پڑا رہتا۔ اگر اتفاقاً میرے
دوست اسے کھول کر نہ دیکھتے + اس پولندہ میں سے ایک طویل مسودہ
دو خطوط میرے نام کے نکلے + مسودہ اختتام کی طرف بری طرح سے
ا تھا +

جس خط میں یہ مسودہ لکھا ہوا تھا۔ مجھے وہ خط دیکھے ہوئے برس گزر
تھے۔ اور موجودہ مسودہ کی تحریر میں لکھنے والے کے ہاتھ کا ارتعاش
اں تھا۔ جس سے حروف کی ہیأت بدل گئی تھی۔ لیکن میں نے پہلی نظر
بھانپ لیا کہ یہ حنیف کا لکھا ہوا ہے کیونکہ جیم اور حائے حطی کی نوک
سوائے حنیف کے میں نے کسی کو اس طرح گھنڈی سی بناتے نہیں دیکھا
ی اس مسودہ میں موجود تھی + میں نے پہلے سربمہر لفافے کو کھولا۔ اور
تاً سب سے پہلے میری نظر راقم کے دستخط پر پڑی اور بلاشبہ اس کے
نیف کے مخصوص خط میں ان کے دستخط موجود تھے + مدت مدید کے
مجھے اس انتہائی انہماک اور استعجاب کی ضرورت پیش آئی۔ جس سے
ں نے حنیف کے مندرجہ ذیل مراسلہ کو پڑھا:۔

"محب دلنواز! شکر للہ متحقق گشت کہ تا ایں دم زندہ و سلامت
تید۔ واز نوادر روزگار است کہ من ہم رمقے از حیات دارم برائے
ے +

چوں بار دیگر از بادیہ جہالت بجہان مہذب باز رسیدم۔ نسخۂ تصنیف
یا بہ الفاظ دیگر تصنیف خود مسمی بہ "عذرا" بدستم افتاد۔ آں را بخواندم +

میسر بانم کہ پیشوائے مذہبے بود وطبع رسا الا بے کیف داشت متحیر گشت کہ ایں چنیں افسانۂ بے سر و پا چگونہ ایں قدر جاذب توجہات من باشد + جوابش دادم کہ کسانیکہ تجربات از حوادثِ تلخ روزگار کشیدہ اند۔ گاہ گاہ از ایں چنیں افسانہا ہم ذوقے بردارند + اگر خبرے از "حوادث تلخ" کہ اشارت بآنہا کردہ بودم مے داشت ۔ نمے دانم کہ آں صاحبِ دانش چہ مے گفت ॰

مے بینم کہ شما کار خویش را بخوبی و دیانت تمام بہ انجام رسانیدہ آید۔ وجملہ ہدایات را بے کم و کاست بہ عمل آوردہ آید + بہمیں وجہ مے خواہم کہ ہم شما را انجام آں افسانہ بسپارم کہ بست سال پیش ازیں آغازش بشما سپردہ بودم + شما بودہ آید اولین کسانیکہ وقوف یافتند از ہستی ملکہ مطاع الکل کہ قرناً بعد قرنٍ در تقیہ ہائے کور محلی بہ حسن لا یزال تنہا زحمت انتظار کشیدہ بود۔ تا آنکہ محبوبِ گم شدہ اش دوبارہ از عدم بوجود آمد و تقدیر اورا بوے رسانید ॰

پس لازم است کہ شما باشید اولین کسانیکہ علمِ ہستیٔ عندما۔ آں ملکۂ جیدٔ۔ آں سلطانۂ روح الجبال۔ آں کاہنۂ ملہمہ کہ از زمانۂ اسکندر اعظم میان منار ہائے آتشین مکانِ مقدس حکمراں۔ و دریں جہاں آخریں وارثِ زمام مملکت آئسیس یا عزا بودہ است بیابند۔ ایں ہم مقدرِ حق باشد کہ از جہانیاں نخستیں شما را وقوف از انجام آں طراجیدیۂ محیر العقول بدہم کہ آغازش در کور شدہ بود۔ یا شاید مدتے قبل اناں در مصر یا بجائے دیگر ॰

حالا بہ بستر رنجوری افتادہ ام۔ بہ سعیِ تمام تا بہ کہنہ مسکن خود بیتہ جا لسپار ہی رسیدہ ام و مے دانم کہ انجامم بس نزدیک است + معالج خویش را استدعا نمودہ ام کہ چوں انجامم فرا رسد۔ مسودۂ مذکورہ را بصورتیکہ کہ پیش اناں رائے من بہ سوختنش متبدل نشود۔ بشما برساند + اگر چیزے از من بشما میرسد خلافے ہم خواہید کہ مسودۂ چند نقشہ جات کہ مفید شما باشد اندراں ملفوف است و نیز عصائے عبادت کہ مصریاں ہنگام عبادت ربات

فطرت اعنی آتھیس دعزا بہ کاری بروند + خواہید دید کہ این عصا چند ان کہ عتیق است رشیق است۔ این را بدو وجہ بہ شما می سپارم + یکے بہ اظہار تشکر و امتنان و دیگر بہ سبب آنکہ ہمیں است کہ بمنزلہ شہادت بحقائق واقعاتے کہ دراں مسودہ مرقوم گشت بہ قبضۂ من باقی است + بارہا اشارتے بجانب وے کردہ ام + باشد کہ شما ہم آنرا بہ نگاہ امتیاز بنگرید و قدر و قیمتش بدانید + بدیں خیال کہ نشانے ست باقی از یادگار ہستیٔ اعجب و اجمل کہ بودہ است یا شاید تا ایں زمان باقی است + ایں عصا نشان حکومت و سلطنتش بودہ است کہ بداں دیدہ ام کہ او در مکان مقدس اجابت سلام ارواح میکرد و آخرکار بمن ہدیہ نمود ٭

ایں عصا قوتہائے عجیب ہم وارد۔ دور نیست کہ ہنوز لختے از قوت عذرا دراں مکنون و مرکوز باشد کہ پیشش ارواح ہم سر نیاز بزمین آوردندے + چوں آں قوت را دریابید۔ بہ استعمال آں احتیاط کامل بعمل آورید + بیش ازیں نوشتن از حد طاقت و ارادۂ من بیروں است۔ مسودہ افسانۂ خویش را بزبان حال خواہد گفت۔ سزاوار است ہرچہ خواہید بدیں افسانہ بکنید۔ باور دارید یا دروغ انگارید۔ مرا کہ در صداقت ایں افسانہ اشتباہے ندارم۔ پروائے ایں و آں نیست ٭

عذرا چہ بود۔ کدام بود۔ بل چیست ؟ جوابش آنکہ جوہرے بود مجرد روح فطرت بود متجسم۔ غیر مآل اندیش۔ سراپا جمال ظالمہ و غیر فانی۔ حامل قوائے روحانیہ کہ محض انسان بعذبہ جان خود بداں رسد + بدانید کہ من از تخیلات گزشتہ ام۔ و میروم بجہان دیگر کہ اکتشاف ایں اسرار دریابم ٭

ایام بکام بادا۔ شما را و دیگراں را وداع مے گویم ٭

بندۂ مخلص حنیف

میں نے مراسلہ پڑھ کر رکھ دیا۔ اور ناقابل بیان وحل جذبات سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ دوسرا لفافہ کھولا اس کا ترجمہ غیر ضروری واقعات

کو چھوڑ کر ذیل میں درج کرتا ہوں۔ راقم کا نام بھی ان کی استدعا کے موجب میں نے چھوڑ دیا ہے ۔

اس مراسلت میں جو بحیرہ قلزم کے سواحل پر کسی غیر معروف جگہ سے لکھی گئی تھی۔ مندرجہ ذیل تحریر تھی ۔

جناب من۔ حنیف مرحوم کی آخری علالت میں۔ معالج ہونے کی حیثیت سے۔ ایک وعدہ کے سبب جو آخری وقت میں میں نے ان سے کیا تھا۔ مجھے اس عجیب و غریب معاملہ میں شریک ہونا پڑا ہے۔ لاریب مجھے اس کی اصلیت کا کچھ علم نہیں۔ تاہم مجھے کافی شغف پیدا ہو گیا ہے۔ اور میں اس وعدہ کی ایفا اس شرط پر کر رہا ہوں کہ اس معاملہ کے متعلق میرے نام اور جائے قیام کا تذکرہ مطلق نہ کیا جائے ۔

دس دن ہوئے مجھے ایک پرانے مکان میں حنیف صاحب کو دیکھنے کے لئے طلب کیا گیا + یہ مکان مدت سے غیر آباد تھا۔ سوائے اس کے کہ ایک محافظ اس کی نگرانی کیا کرتا تھا + یہ گھران کا جدی مکان تھا۔ ملازمہ نے جو مجھے بلا کر لائی تھی + مجھ سے کہا کہ میرے آقا ایشیا کے کسی حصے سے حال میں ہی واپس آئے ہیں اور کسی قلبی مرض میں مبتلا ہیں اور شاید زندگی کی امید نہیں + آئندہ واقعات سے معلوم ہو گیا کہ اس کے دونوں قیاسات صحیح تھے ۔

جب میں پہنچا تو مریض دل کو قرار دینے کی غرض سے چارپائی پر بیٹھا تھا + اس کی صورت عجیب تھی۔ اس کی آنکھیں سیاہ تھیں لیکن ادراک اور تجربہ کا نور ان میں چمک رہا تھا۔ اس کے تمام بال ڈاڑھی اور مونچھیں سفید تھیں۔ ڈاڑھی سینہ پر پھیلی ہوئی تھی اور سر کے بال بڑھ کر دونوں طرف شانوں پر گرے ہوئے تھے + بازوؤں کی لمبائی اور قوت نمایاں تھی + ایک بازو مجروح تھا۔ جیسے کسی جانور نے نوچ لیا ہو۔ اس نے بتایا کہ اس پر کسی کتے نے حملہ کیا تھا۔ لیکن تعجب ہے۔ کہ اس قدر طاقتور کون سا کتا ہوگا

جس نے اس کے بازو کو اس قدر زخمی کیا + اس کی بدصورتی میں طاقتوری کا
حسن جھلکتا تھا + اس کی صورت کی تشریح اس سے بہتر الفاظ میں نہیں ہو
سکتی کہ میں نے آج تک اس ہیأت کا انسان کبھی نہیں دیکھا + اگر میں مصور
ہوتا اور ادراک اور حکومت کی سنجیدہ تصویر بنانا چاہتا تو حنیف کو اپنا نمونہ
بنا لیتا +

حنیف، میرے بلائے جانے پر کچھ پریشان سے ہو گئے۔ کیونکہ ملازمہ
بلا اطلاع مجھے لے آئی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہی ہم میں موانست پیدا
ہو گئی اور جو راحت بھی میں انہیں پہنچا سکا۔ اس سے وہ مشکور ہوئے +
مجھے زیادہ نفع کی امید بھی نہ تھی + متفرق اوقات میں انہوں نے اکثر ممالک
کا تذکرہ کیا۔ جن میں وہ کسی عجیب جستجو میں مدتوں سیاحت کرتے رہے
تھے۔ لیکن حقیقت سے کبھی پردہ نہیں اٹھایا + دوران علالت میں دو
دفعہ ان کے دماغ کا توازن مختل ہو گیا اور ہذیان میں ایسی زبانوں میں
گفتگو کی۔ جنہیں میں نے غور کر کے معلوم کیا کہ عبرانی اور یونانی ہیں + کبھی
کبھی ہندوستانی زبان میں بھی کچھ کہہ جاتے تھے + ایسی حالت میں معلوم
ہوتا تھا کہ وہ کسی واجب الاحترام ہستی سے مصروف گفتگو ہیں یعنی واجب العبادت
کہتا کہتا رک گیا ہوں + وہ گفتگو کیا تھی۔ اسے میں پردۂ اخفا میں رکھنا
ہی مناسب سمجھتا ہوں۔ کیونکہ یہ سب کچھ میں نے بحیثیت طبیب معالج
سنا تھا +

ایک دن انہوں نے ایک بکس کی طرف اشارہ کیا۔ جو کسی ایشیائی
لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ (اور جو میں آپ کے نام روانہ کر چکا ہوں) اور
آپ کا نام اور پتہ بتا کر مجھ سے کہا کہ میرے مرتے ہی بلا پس و پیش یہ بکس
ان کے نام پر روانہ کر دیجئے۔ پھر ایک مسودہ دیا کہ اسے بھی لپیٹ کر
آپ کے پاس بھیج دوں +

میں مسودے کے آخری اوراق کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ

وہ چلے ہوئے تھے کہ انہوں نے مجھ سے کہا (میں ان کے اصلی الفاظ دہرائے دیتا ہوں):-

"آہ! اب اس کا کچھ مداوا نہیں ہوسکتا۔ جس حالت میں ہے اسی طرح بھیج دیجئے۔ دیکھ لیجئے۔ میں نے آخر کار اس کے اتلاف کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ اور شعلے اسے نیست و نابود کرنے ہی کو تھے کہ حکم صادر ہوا۔ ایسا صاف اور صریح حکم کہ میں نے جھپٹ کر آگ پر سے اُسے اُٹھا لیا"۔

واللہ اعلم حنیف کا اس "حکم" سے کیا مدعا تھا۔ اس کے بعد اسکے متعلق انہوں نے پھر ایک لفظ بھی نہ کہا۔

اب میں آخری نظارے کی طرف آتا ہوں۔ میں جانتا تھا کہ مریض کا آخری وقت آ پہنچا ہے۔ رات کے گیارہ بجے میں اس ارادے سے ان کے پاس گیا کہ قلب کی حرکت کو کچھ دیر اور قائم رکھنے کی غرض سے ایک مقوی قلب دوا ان کے زیر جلد داخل کردوں۔ مکان پر پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں مجھے ملازمہ ملی۔ جس کے چہرے سے دہشت کے آثار ہویدا تھے۔ میں نے پوچھا خیر تو ہے۔ اس نے کہا خیر کیسی! آقا غائب ہیں۔ میرے پوتے نے انہیں ان درختوں میں ننگے پاؤں جاتے دیکھا ہے۔ اور پھر پتہ نہیں کہاں گئے۔ لڑکے نے انہیں بھوت سمجھا اور خوف کے مارے دوڑا ہوا میرے پاس آیا اور یہ واقعہ سُنایا۔

وہ رات شب بدر تھی۔ میں پیدل اس طرف گیا تھا۔ اس لئے میں نے درختوں میں تلاش شروع کردی۔ یہاں تک کہ میں نے ریت پر ننگے پاؤں کے نشانات دیکھے۔ میں ان نشانات پر روانہ ہوا اور ملازمہ سے کہہ گیا کہ وہ اپنے خاوند کو جگا لائے۔ کیونکہ اس وقت وہاں کسی اور انسان کا میسر آنا محال تھا۔ ریت پر پاؤں کے نشانات ایسے صاف تھے کہ ان کے ذریعہ سے سراغ پر چلنا بہت آسان تھا۔ یہ نشانات مکان کے پیچھے ایک ٹیلے کے اوپر تک چلے گئے تھے۔

اس ٹیلے کی چوٹی پر قدیم زمانے کی ایک یادگار بنی ہوئی ہے۔ جو سیدھی سنگین چٹانوں سے تعمیر کی ہوئی ہے اور عوام میں اس کا نام "خانۂ شیطان" مشہور ہے۔ میں نے اسے بارہا دیکھا تھا اور اتفاقاً ایک انجمن آثارالقدیمہ کی صحبت بھی حاصل تھی۔ جس میں اس اثر قدیم کی ابتدا اور مقصد پر بحث ہوئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ ایک عالم آدمی نے ایک مضمون پڑھا تھا۔ جو اس مہیب نقاب پوش بت کے متعلق تھا۔ جو اکیلا اس عمارت کے وسط میں نصب تھا۔

اس مضمون میں اس نے یہ ظاہر کیا تھا کہ بت مصری دیوی آئسس کی تصویر ہے اور یہ جگہ اس کا قدیم عبادت کدہ ہے۔ یا کم از کم کسی اور نظرت کی دیوی کا مندر ہے۔ جس میں مقدم الذکر دیوی کے اوصاف موجود ہوں گے۔ دوسرے عالم نے اس کی تردید کی تھی۔ خیر مجھے اس بحث سے کیا غرض ہے۔ میں خود تو ان معاملات سے بالکل نابلد ہوں۔ مجھے یہ بھی یاد آیا کہ حنیف اس جگہ سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے تھے۔ کیونکہ ایک دن پہلے انہوں نے اس کا تذکرہ کیا تھا۔ اور مجھ سے پوچھا تھا کہ آیا اس کے پتھر اب تک اسی حالت میں ہیں یا نہیں۔ جیسے کہ ان کے بچپن میں ہوا کرتے تھے۔ پھر یہ خواہش ظاہر کی کہ اس جگہ وہ اپنی روح داعی اجل کو سپرد کریں تو اچھا ہو۔ اس خواہش پر مجھے بہت تعجب ہوا۔ اور جب میں نے کہا کہ اتنی دور تک چل کر جانا ان کے لئے خطرناک ہے تو وہ مسکرا دیئے۔

اس گفتگو کی یاد نے عقدہ حل کر دیا اور میں نے پاؤں کے نشانات کا پیچھا چھوڑ کر تیزی سے اس طرف قدم بڑھایا۔ کوئی نصف میل کا فاصلہ ہوگا۔ جب میں وہاں پہنچا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ میاں حنیف ننگے سر ننگے پاؤں۔ صرف کرتا پاجامہ پہنے۔ ٹھنڈی ریت میں کھڑے ہیں۔ کیا عجیب صورت تھی۔ اللہ اللہ۔

بالیقین اس وحشت آفرین نظارہ کو میں کبھی نہیں بھول سکتا +
ے ناتراشیدہ پتھروں کا حلقہ غایت خلوت اور انتہائے عظمت کیساتھ
ں بھرے آسمان سے سرگوشی کر رہا تھا + وسط میں ان پتھروں سے
بالا بت اپنا پُروقار سیاہ سا یہ سفید ریت پر ڈال رہا تھا اور اس سائے
ایک طرف چاندنی میں عُریاں تن ہنیف کھڑے تھے۔ جن کی ہر حرکت
ان کے قریب المرگ چہرے کی وجدانی کیفیات تک صاف نظر آ رہی
ں + معلوم ہوتا تھا کہ شاید عبرانی زبان میں وہ کچھ دعائیں پڑھ رہے
۔ کیونکہ کافی فاصلے پر سے ان کی حرکات اور منتّوم آواز محسوس ہوتی
ں + ان کے دائیں ہاتھ میں یہ چھلے دار عصا تھا۔ جو ان کی مرضی کے موافق
آپ کی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں + مجھے تاروں پر جڑے ہوئے
ہرات کی چمک دور سے دکھائی دے رہی تھی۔ اور طلائی گھنگرووں
آواز سنائی دیتی تھی +

تھوڑی دیر میں مجھے محسوس ہوا کہ وہاں ان کے علاوہ کوئی اور ہستی
ہے + اس راز کے انکشاف سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ کیوں میں
اپنے نام اور نشان کو مخفی رکھنے کی تاکید کی ہے + فطرتاً میں نہیں چاہتا
ر اوجود ایک وہمی افسانہ سے متعلق کر دیا جائے۔ جس کو بادی النظر میں
ناممکن الوقوع اور محال سمجھتا ہوں۔ لیکن بہ ایں ہمہ مناسب وقت
کہ آپ کو میں سب کچھ بتا دوں + میں نے دیکھا یا یوں سمجھئے کہ خیال کرتا
ں کہ میں نے دیکھا کہ وسطی بت کے سائے میں کچھ غبار سا جمع ہوا۔ یا یہ
س کے کسی پوشیدہ جوف میں سے برآمد ہوا۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کون
بات صحیح ہے ——— غرض ایک شاندار درخشاں غبار جمع ہوا اور رفتہ
اس نے ایک عورت کی صورت اختیار کی۔ جس کی پیشانی پر ستارے کی
ح ایک نور چمک رہا تھا +

وہ صورت وہمیہ تھی یا عکس خیالی تھا۔ یا جو کچھ بھی تھا۔ میں اس سے ایسا

خائف ہوا کہ پتھروں کی دیوار کے ایک طرف ٹھہر گیا اور اس وحشت زدہ بیمار کو پکارنے کے بھی قابل نہ رہا۔ وہاں سے میں نے صاف طور پر دیکھا کہ حنیف کو بھی کچھ نظر آیا ہے۔ کم از کم وہ اس مجسمۂ نورانی کی طرف پھرے۔ ایک چیخ ماری۔ ایک قدم بڑھایا اور معلوم ہوا کہ اس جسم نور میں سے ہوتے ہوا منہ کے بل زمین پر گر گئے۔ اس چیخ میں مسرت اور وحشت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔

میں دوڑ کر قریب پہنچا۔ تو وہ روشنی غائب ہو چکی تھی۔ اور وہاں سوائے حنیف کی لاش کے جو بت کے سائے میں بازو پھیلائے ہاتھ میں وہ عصائے جواہر نگار مضبوطی سے پکڑے پڑی تھی اور کچھ نہ تھا۔"

طبیب مذکور کا باقی خط غیر ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں انہوں نے اس مجسمۂ نورانی کے ظہور کی توضیحاتِ لاطائل پیش کی ہیں اور حنیف کی تجہیز و تکفین کے واقعات بیان کئے ہیں۔

بکس جس کا ذکر انہوں نے کیا ہے۔ میرے پاس پہنچ گیا۔ نقشوں کے متعلق تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس عصائے مستدیر کا ذکر چند الفاظ میں کئے دیتا ہوں۔ یہ عصا بلور کا بنا ہوا تھا اور اس کی صورت "آیۃ حیات" یا قدیم مصریوں کے نشان زندگی کی وضع پر بنی ہوئی تھی۔ یعنی عصا صلیب اور ایک دائرہ کو یکجا کئے ہوئے تھا۔ دائرہ سب سے اوپر تھا اور اس دائرے میں ایک طرف سے دوسری طرف کو سونے کے تار پروے ہوئے تھے اور ان تاروں میں تین رنگ کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ چمکدار ہیرے فیروزی رنگ کے نیلم اور نیز سُرخ رنگ کے لعل اور چوٹی کے چوتھی تار میں چار چھوٹے چھوٹے سونے کے گھنگرو بندھے ہوئے تھے۔

جب میں نے پہلے پہل اسے ہاتھ میں لیا۔ تو میرے ہاتھ میں ہلکا سا رعشہ محسوس ہوا۔ جس سے گھنگرو چھنکنے لگے۔ ان کی آواز میں ایسا شیریں ترنم تھا۔ جیسے کبھی خاموش رات میں سمندر کے کنارے پر سنائی دیا کرتا ہے۔

مجھے یہ بھی محسوس ہُوا ــــــ یا یہ صرف میرا خیال تھا ــــــ کہ اس عصا میں سے ایک مسرت آفرین وجدانی رو میرے تمام جسم میں دوڑ گئی ؛

اس افسانہ پر اسرار پر جیسا کہ مسودہ میں ثبت ہے۔ میں کوئی حاشیہ آرائی نہیں کرتا۔ اس کے اندرونی معنے پر ناظرین خود اپنی رائے قایم کر لیں ۔ اس قیاس کو صحیح مان کر کہ حنیف نے جو کچھ اپنے اور ایمن کے مشاہدات بیان کئے ہیں درست ہیں۔ جیسا کہ میں انہیں سچ سمجھتا ہوں تو میرے نزدیک صرف ایک امر مبرہن ہے۔ کہ عذرا اور دوسروں نے ان اسرار کی عام فہم تاویلات پیش کرنے کی جو کوشش کی ہے ان سب میں سے ایک بھی قابل اطمینان نہیں ہے ؛

بلاشبہ حنیف کی متابعت میں میں عذرا کی پیش کردہ توضیح کو قبول کرنے کی طرف مائل ہوں کہ ربّاتِ فطرت کے مبہم فسانے۔ اور کوہ آتشین کے محیر العقول مصور قصے دراصل اس حقیقت کو چھپانے والے پردے تھے۔ جسے عذرا اپنے آخری راگ میں عریاں کرنا چاہتی تھی لیکن نہ کر سکی ؛

مؤلف

عذرا کی واپسی

باب اوّل

دو نشانیاں

چہ گویم آہ کہ دلشب چو مست خواب بُدم
سروش عالم غیبم چہ مژدہا داد ست

اس کو پورے بیس سال گذر چکے —— ایسے خوفناک بیس سال کہ شاید اس سے پہلے کسی انسانی ہستی نے ایسا کڑا زمانہ نہ جھیلا ہوگا —— کہ رات کے وقت ایمن کو وہ رویائے عجیب نظر آیا تھا۔ جس کے بعد بیس سال تک جستجو اور محنت شاقہ برداشت کرنے پر نتیجہ روح فرسا عجائب و نوادر روزگار کا مشاہدہ نکلا ⁂

میرا آخری وقت قریب ہے۔ اور میں اس پر مسرور ہوں کیوں کہ میری آرزو ہے کہ میں اپنے تجسس کو دوسرے عالم میں جاری کروں جیسا کہ مجھ سے وعدہ ہوا ہے۔ مجھے اشتیاق ہے کہ میں اس روحانی ڈرامے کا آغاز اور انجام دریافت کروں۔ جس کے چند صفحات کا مطالعہ کرنا میری تقدیر میں اس تختۂ زمین پر لکھا ہوا تھا۔ میں نحیف عرصہ سے بیماری کی شدائد برداشت کر رہا ہوں۔ میں یہ داستان ہندوستان کی شمالی سرحد میں لکھ رہا ہوں۔ جب میں اس پہاڑ پر سے آیا ہوں۔ جس کا دامن میرے دریچہ کے سامنے ہے۔ تو لوگ مجھے مردہ بدست زندہ کی حالت میں لائے تھے۔ یقیناً کوئی دوسرا ہوتا تو کبھی کا مر گیا ہوتا۔ لیکن قضا و قدر نے ابھی کچھ عرصہ کے لئے میری زندگی کو طویل کر دیا ہے۔ شاید اس سے یہ مدعا ہے کہ ان واقعات کی داستان صفحہ دہر پر باقی رہ جائے۔ جب تک مجھ میں سفر کی قابلیت پیدا نہ ہو مجھے ایک دو مہینے کے لئے یہیں رہنا پڑے گا پھر میں گھر جاؤں گا۔ کیونکہ میرے دل میں یہ خیال مدت سے جا گزیں ہے کہ میں اسی سرزمین میں جام فنا پیوں۔ جہاں پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ جب تک دم میں دم ہے۔ میں اس داستان کو لکھتا رہوں گا۔ یا کم از کم کل کہانی کا ضروری حصہ لکھ دوں گا۔ اس لئے کہ اصل واقعات میں سے اکثر واقعات کا ترک کر دینا ناگزیر ہے۔ اور وہ ترک بھی کئے جا سکتے ہیں۔ میں ضرورت سے زیادہ طویل کتاب لکھنے سے احتراز کروں گا۔ اگرچہ میری یادداشت اور لکھے ہوئے اشارات کئی جلدوں کا مواد بہم پہنچا سکتے ہیں؛

میں ایمن کے رویا سے ابتدا کرتا ہوں۔ جب ایمن اور میں ۱۸۸۵ء میں وسط افریقہ سے اس غرض سے واپس آئے کہ ان صدمات کے بعد کچھ عرصہ راحت و آرام کا گزاریں۔ جن کا مشاہدہ ہمیں کور میں ہوا تھا۔ اور یہ کہ ہمیں گذشتہ واقعات پر تفکر کا موقعہ مل جائے۔ تو ہم سواحل قلزم پر ایک پرانے مکان میں آکر قیام گزیں ہوئے۔ جو کئی پشتوں سے میرا جاری

ورثہ چلا آتا تھا۔ اگر کسی نے مجھے مردہ سمجھ کر اس مکان پر قبضہ نہ کر لیا ہوگا
تو اب تک وہ میری ملکیت میں ہے۔ اور میں وہاں اپنے آخری دن پورے
کرنے کے لئے جا رہا ہوں ۔

ممکن ہے اس افسانے کے پڑھنے والے اگر مقدر نے اسے پڑھے جانے
کی توفیق دی۔ یہ سوال کریں کہ وہ صدمہ کیا تھا؟ مختصراً یہ کہ میں حنیف
ہوں اور میرا محبوب دوست۔ میرا روحانی بیٹا جسے میں نے بچپن سے پال
پوس کر بڑا کیا تھا امین تھا۔ بلکہ ہے ۔

ہم دونوں وہ ہیں۔ جو ایک قدیم سراغ پر سیاحت کرتے ہوئے وسط
افریقہ میں کور کی غاروں تک پہنچے اور وہاں ہم نے ملکہ حسینہ مطاع الکل کو پا
لیا۔ جس کی تلاش میں ہم گئے تھے۔ امین کی ہستی میں اُسے اپنا محبوب
نظر آیا۔ جو دیوی آئسیس کا یونانی پجاری قرطیس نئی زندگی لے کر پیدا ہوا
تھا۔ اور جسے قریباً دو ہزار سال پہلے جوشِ رقابت میں اس نے قتل کر دیا
تھا اور اس طرح اس پر مغلوب الغضب دیوی کے فیصلہ کا اجرا کیا تھا۔
اس کی ہستی میں مَیں نے وہ تجلیاتِ الٰہی دیکھی تھیں۔ جن کی پرستش میری
تقدیر میں لکھی تھی۔ اگرچہ یہ پرستش غائبانہ نہ تھی۔ جسد خاکی کو جو فانی ہے
س سے تعلق نہ تھا۔ بلکہ اس سے زیادہ تلخ تر عبادت روحانی وارادی کا جوا
یری گردن پر رکھا گیا تھا۔ جو انسان کے بدلتے ہوئے غیر متعدد قالبوں میں
میشہ ہمیشہ باعث حرکت رہتی ہے۔ جسد فنا ہو جاتا ہے۔ یا کم از کم قلب
ہیت اختیار کر لیتا ہے اور اس کے ساتھ اس کی خواہشات بھی غائب ہو
اتی ہیں۔ لیکن وہ دوسری غرض روحانی یعنی ہوائے یکتائی بہ نفس خود
بر فانی ہے ۔

الٰہی! مجھ سے کون سی خطا سرزد ہو گئی ہے کہ ایسی روح فرسا سزا میرے
لئے منتخب ہوئی ہے۔ کیا واقعی یہ سزا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ سب کچھ اس
ریک اور خوفناک دروازے کی جلوہ آرائی کا پیش خیمہ ہو۔ جس سے گزر

کر نوزالکبیر کے مسرت آفریں محل میں داخلہ نصیب ہوتا ہے؟ اس نے قسم کھائی تھی کہ میں تا ابد اس کا اور امین کا دوست رہوں گا اور ابدالآباد تک ان کے ساتھ رہوں گا۔ اور مجھے اس کے الفاظ پر ایمان ہے ٭

سالوں ہم صحراؤں اور برفانی پہاڑوں میں سرگردان رہے + آخر کار اس کا ایلچی آیا اور ہمیں پہاڑ پر لے گیا + پہاڑ پر ہمیں وہ مندر ملا اور مندر میں وہ روح نظر آگئی + کیا یہ ممکن نہیں کہ یہ سب کچھ ہماری ہدایت کے لئے ایک رمز ہو؟ میں تو اسی خیال سے تسلی کئے لیتا ہوں + مجھے امید ہے کہ حقیقت یہی ہے۔ بلکہ میرا تو اسی پر ایمان ہے ٭

یہ خیال رہے کہ کور میں ہمیں غیر فانی عورت ملی تھی + وہاں مینارِ حیات کے چمکدار شعلوں اور آتشین بخارات کے سامنے اس نے اپنی پُر اسرار محبت کا اعتراف کیا تھا۔ اور پھر ہماری دیکھتی آنکھوں وہ ایسے خوفناک انجام کو پہنچی۔ کہ اب بھی تمام حوادث گزشتہ کے باوجود اس وقت کو یاد کر کے میں کانپ اُٹھتا ہوں۔ با ایں ہمہ عذرا کے آخری الفاظ کیا تھے؟

"قرطیس دیکھنا۔ مجھے بھول نہ جانا۔ میری تقصیروں کو معافی کی نظر سے دیکھنا۔ میں مرتی نہیں۔ میں ایک دفعہ پھر آؤں گی اور اپنے اس حسن کو لئے ہوئے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

خیر میں اس داستان کو نئے سرے سے بیان کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہ پہلے لکھی جا چکی ہے + میں نے جن صاحب کو وہ امانت سپرد کی تھی انہوں نے مجھے دھوکا نہیں دیا۔ بلکہ ان کی تصنیف[1] ایک عالم میں شہرت پا چکی ہے۔ جنہیں استعجاب ہو وہ اسے دیکھ لیں ٭

× × × × × × × × × ×

ہم نے ساحل قلزم پر اس ویران کدہ میں ایک سال گذارا ہم کھوئی ہوئی دولت کا ماتم کرتے رہے اور ایسے راستے سوچتے رہے۔ جن سے پھر انہیں

[1] "عذرا" مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس ملنے کا پتہ دفتر تہذیب النسواں لاہور۔ (مولف)

ہی چیز ہاتھ آسکے۔ لیکن بے سود۔ اس جگہ ہماری سلب شدہ قوت ہمیں پھر
حاصل ہوگئی اور امین کے بال جو کور کی غاروں کے پیاپے صدمات سے سفید
ہو چلے تھے۔ پھر نکھر کر اپنے اصلی رنگ پر آگئے۔ اس کا حسن بھی واپس آگیا او
اس کا چہرہ پھر وہی نظر آنے لگا۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ فرق اتنا تھا کہ اس میں
پاکیزگی اور تاسف کی جھلک دکھائی دینے لگی۔

مجھے وہ رات اور صبح صادق کا وقت خوب یاد ہے۔ ہم پژمردہ سے
ہو گئے تھے۔ امید جا چکی تھی۔ ہم کسی نشان کے متلاشی تھے لیکن کوئی نشان
نہ ملتا تھا۔ عدم ہمارے لئے عدم ہی رہا اور ہماری دعائیں بے اثر ثابت
ہوئیں۔

اگست کی خاموش شام تھی۔ کھانا کھانے کے بعد ہم سمندر کے کنارے
ٹہلتے ہوئے چلے گئے۔ ہلکی ہلکی لہروں کی دلکش آواز کانوں میں آرہی تھی
اور افق بعیدہ میں ایک سیاہ بادل کے سینے پر کبھی کبھی برق تپاں کھیل جاتی
تھی۔ چہل قدمی کرتے ہوئے ہم دور تک نکل گئے۔ یکایک امین نے ایک آہ
سرد بھری اور میرے بازو کو پکڑ لیا۔ اور بجائے عمو کے میرا نام لے کر کہا:
"حنیف! اب مجھ سے یہ زندگی برداشت نہیں ہوتی۔ میں ایک کرب
کی حالت میں ہوں۔ عذرا کے دیدار کی آرزو میرے دل و دماغ کو مختل کر
رہی ہے۔ اس طرح بغیر امید زندگی محال ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں پاگل
ہو جاؤں۔ میرا جسد خاکی مضبوط ہے۔ ممکن ہے کہ پچاس سال تک اور
اسی آفت میں گزارنے پڑیں"۔

میں: "پھر تم کر بھی کیا سکتے ہو؟"

امین (متانت سے): "میں حصول علم یا راحت ابدی کا آسان ترین راستہ
جانتا ہوں۔ میں مر سکتا ہوں۔ اور میں آج ہی رات کو اس گرانبار ہستی کا
خاتمہ کر دوں گا"۔

میرے دل میں اس کی بات سے خوف طاری ہوا اور میں نے خفگی سے

اس کی طرف دیکھ کر کہا:-
"امین! تم بزدل ہو ــــ کیا تم اپنی تقدیر کے لکھے کو اس طرح برداشت نہیں کر سکتے جیسے کہ ــــ دوسرے کرتے ہیں؟"
امین (زہر خند ہنسی سے) "آپ کی مراد ہے کہ جیسے آپ برداشت کرتے ہیں؟ کیونکہ یہ مصیبت آپ پر بھی نازل ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ ایسی مضبوط نہیں۔ بات یہ ہے کہ آپ مجھ سے زیادہ توانا اور مضبوط ہیں۔ جس کی وجہ شاید یہ ہے کہ آپ مجھ سے زیادہ گرم و سرد روزگار چشیدہ ہیں۔ نہیں میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا مداوا صرف موت ہے۔"
میں "یہ ایک گناہ کبیرہ ہے۔ اس قوت عظیم کی شان میں جس نے تمہیں پیدا کیا ہے۔ یہ سب سے بڑی گستاخی ہے کہ اس کے بخشے ہوئے تحفۂ حیات کو حقیر و ذلیل سمجھ کر ٹھکرا دیا جائے۔ یہ وہ گناہ ہے کہ اس کی سزا ایسی شدید ہوگی۔ جو خواب و خیال میں بھی نہ آسکے۔ شاید انجام ابدی فراق ہو۔"
امین "حنیف! سچ کہئے۔ کیا کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اگر وہ کسی دار العقوبت کی سختیوں سے گھبرا کر اپنے ہاتھوں سینے میں خنجر مار لے۔ ممکن ہے یہ گناہ ہو۔ لیکن یقیناً یہ گناہ قابل معافی ثابت ہوگا۔ جب اس کا پرزے پرزے جسم اور لرزاں اعصاب بارگاہ ایزدی میں رحم کے ملتجی ہوں گے۔ میری بعینہ یہی حالت ہے اور میں ضرور خنجر کی مدد سے اس عذاب سے پیچھا چھڑاؤں گا۔ پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ وہ مر چکی ہے اور صرف موت ہی اس کے قرب کا بہترین وسیلہ ہے۔"
میں "امین! یہ خیال کہاں سے پیدا ہوا؟ تمہیں کیا خبر ہے کہ ابھی وہ زندہ ہی ہو۔"
امین "نہیں نہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتی۔ تو اپنا نشان بھیجتی۔ میں عزم مصمم کر چکا ہوں۔ اب اس گفتگو کو چھوڑیئے۔"
اس کے بعد میں نے دیر تک اس سے بحث کی۔ لیکن نتیجہ معلوم۔ میں

جس وقت سے ڈرتا تھا۔ آخر وہ آپہنچا۔ امین پر دیوانگی مسلط ہو چکی تھی۔ صدمہ اور رنج نے اس کی عقل کھو دی۔ کیونکہ اگر وہ مخبوط الحواس نہ ہو گیا ہوتا تو ناممکن تھا کہ عقاید دینیہ کا اس قدر پابند انسان جس کے خیالات ایسے معاملات میں ہدایات مذہب کے مطابق صحیح راستہ اختیار کر چکے ہوں اس طرح ایسے گناہ کبیرہ کے ارتکاب کا ارادہ کر لیتا۔ میں نے کہا:۔

"امین! کیا تم ایسے سنگ دل ہو گئے ہو کہ مجھے یہاں اکیلا چھوڑ جاؤ گے؟ کیا یہی میری تمام محبت اور شفقت کا بدلہ ہے کہ مجھے اس طرح موت کے گھاٹ اُتارتے ہو؟ تم خودکشی کر لو مگر یاد رکھنا میرا خون تمہاری گردن پر رہے گا۔"

امین: "آپ کا خون! ...... آپ کا خون کس طرح؟"

میں: "اس طرح کہ راہ فنا فراخ ہے۔ میں نے اور تم نے بہت سال اکٹھے زندگی گذاری ہے اور اکٹھے ہی بہت کچھ برداشت کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہماری جدائی کا زمانہ طویل نہ ہو گا۔"

اسی بات نے اثر دکھایا اور بات نے رخ بدلا۔ امین کے دل پر میری وجہ سے خوف طاری ہوا۔ میں نے پھر کہا:۔

"اگر تم مر گئے۔ تو کہے دیتا ہوں کہ میں بھی مر جاؤں گا۔ تمہاری جدائی مجھے مار ڈالے گی۔"

امین نے ہار مان لی اور یکایک کہا "اچھا! میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آج رات یہ نہیں کروں گا۔ آپ کے کہنے کے مطابق میں زندگی کو ایک موقعہ اور دیتا ہوں۔"

میں نے کہا "خدا کا شکر ہے" لیکن جب میں سونے کے لئے لیٹا تو میرا دل خوف سے لرزاں تھا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ فنا کا اشتیاق ایک دفعہ دل میں پیدا ہو کر دن بدن ترقی پذیر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ مقاومت محال ہو جاتی ہے۔ پھر کیا ہو گا؟ ......

میں اسی غم میں گھل گھل کر مر جاؤں گا۔ تنہا زندگی بسر کرنا ناممکن ہے۔
اس حالت مایوسی میں مَیں نے اپنی روح کو اس جانے والی کی طرف متوجہ کیا اور یوں فریاد کی کہ:-
"عذرا۔ اگر تجھ میں کوئی قوت ہے اگر قضا و قدر کو یہ منظور ہے تو خدارا اپنی ہستی کا ثبوت دے۔ اپنے عاشق کو گناہ عظیم سے اور مجھے شکستہ دلی سے بچالے۔ اس کے غموم پر رحم کر اور اس کی روح میں امید کی گرمی پیدا کر۔ ناامیدی میں ایمن زندہ نہ بچے گا اور اس کے بغیر میرا جینا محال ہے"
پھر تکان سے عاجز ہو کر میں سو گیا۔

x x x x

سونے سوتے اندھیرے میں ایمن کی آہستہ اور لرزتی ہوئی آواز سے میری آنکھ کھلی + ایمن کہہ رہا تھا:-
"حنیف! حنیف!! میرے دوست! میرے والد!! سنئے"
میری آنکھ کھل گئی۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ میرے رگ و ریشے میں رعشہ تھا۔ کیونکہ ایمن کے لہجے سے ظاہر ہوتا تھا کہ کوئی واقعہ پیش آیا ہے۔ جس سے ہماری تقدیر نیا پلٹا لے گی +
میں نے کہا "بیٹھو میں پہلے شمع روشن کر لوں"
ایمن "شمع کو رہنے دیجئے۔ میں اندھیرے میں ہی باتیں کرنا چاہتا ہوں + سنئے میں سو گیا تھا۔ مجھے عالم رویا میں ایسا صاف خواب نظر آیا کہ کبھی عمر بھر میں نہ دیکھا تھا + میں نے دیکھا کہ میں قبۃ السما میں کھڑا ہوں۔ چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ ستارے کا نام نہ تھا اور تنہائی کا احساس زور پر تھا۔ اتنے میں اس قبہ کی انتہائی بلندی پر میلوں دور مجھے ایک ننھی سی روشنی نظر آئی۔ میں نے جانا کہ کوئی سیارہ میری تنہائی کو دور کرنے کے لئے آیا ہے + یہ روشنی بہتے ہوئے نور کی قندیل کی طرح نازل ہونی شروع ہوئی۔ اترتے اترتے یہ نور اتنا قریب آ گیا کہ گویا عین میرے سر کے اوپر

ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی صورت زبان شعلہ کی طرح ہے۔ میرے سر کے قریب پہنچ کر یہ روشنی ساکت ہوگئی اور اس کی دھندلی تنویر میں مجھے ایک حسینہ کی شبیہ سی نظر آئی۔ جس کی پیشانی پر یہ نور چمک رہا تھا۔ اس نور کی روشنی یکایک تیز ہوئی اور مجھے اس حسینہ کا چہرہ دکھائی دیا۔

"حنیف! یہ حسینہ بہ نفس نفیس خود عذرا تھی۔ اس کی آنکھیں اس کا جمیل چہرہ اور اس کے گیسوئے دراز میری آنکھوں کے سامنے تھے۔ اس نے افسوس اور ملامت سے بھری ہوئی نگاہ مجھ پر ڈالی۔ گویا زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ تم نے کیوں شبہ کیا۔ میں نے بولنے کی کوشش کی۔ لیکن میرے لبوں پر مہر لگ گئی۔ میں نے کوشش کی کہ آگے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لوں۔ لیکن میرے بازو حرکت سے قاصر تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ ہمارے درمیان کچھ حائل ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ اُٹھایا اور اپنے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ آگے کو بڑھی۔ اور حنیف! مجھے معلوم ہوا کہ میری روح جسم سے آزاد ہو کر اس کے پیچھے جا رہی ہے۔ ہم تیزی سے جنوب کی طرف سمندروں اور پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے بڑھے۔ اتنے میں ایک سڑک نظر آئی جسے میں نے پہچان لیا۔ ایک جگہ وہ رکی اور میں نے نیچے کو نظر دوڑائی۔ چاند کی شفاف روشنی میں کور کے ویران محلات چمک رہے تھے۔ اور قریب ہی وہ خلیج تھی جسے میں نے اور آپ نے اکٹھے عبور کیا تھا۔

ہم آگے بڑھے۔ دلدلوں کو عبور کر کے حبش کی چوٹی کے اوپر آگئے۔ اس کے گرد وہ عرب جمع تھے۔ جو سمندر میں ڈوب مرے تھے اور منہ اُٹھا اُٹھا کر ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ ایوب بھی ان میں موجود تھا۔ اس نے مسکرا کر اس انداز سے سر ہلایا۔ گویا وہ آ کر ہمارے ساتھ چلنا چاہتا ہے لیکن مجبور ہے۔ پھر ہم مشرق کی طرف بڑھے۔

سمندر۔ ریگستان۔ پھر سمندر عبور کر کے ہمیں سواحل ہند دکھائی دیئے۔ پھر ہم شمال کی طرف کو چلے۔ نیچے کا میدان گزر کر ایک کوہستانی علاقہ آیا۔ جن پر بھدی برف جمی ہوئی تھی۔ ان سے گزر کر ایک لمحہ کے لئے ہم ایک مکان کے اوپر رُکے۔ جو ایک سطح مرتفع کے کنارے پر تعمیر ہے۔ یہ مکان ایک دیر مغاں تھا۔ کیونکہ بہت سے راہب اس کے دالانوں میں بیٹھے دعائیں پڑھ رہے تھے۔ اگر میں اس عمارت کو کبھی دیکھوں۔ تو پہچان سکتا ہوں۔ کیونکہ یہ ہلالی شکل میں بنی ہوئی ہے۔ اور اس کے سامنے ایک مہیب بت نصب ہے۔ جو ہمیشہ ہمیشہ سے ریگستانِ ملحق پر نظر جمائے ہوئے ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس طرح مجھے یہ معلوم ہوا۔ کہ ہم تبت کے منتہائے شمال کو عبور کر چکے ہیں اور اس کے آگے مقامات مجہول واقع ہیں۔ پھر اس صحرا سے پرے ایک اور سلسلۂ کوہ واقع تھا۔ جو دور سے ایک برف کا دریا معلوم ہوتا تھا۔ جس میں ہزاروں برفانی چوٹیاں ایک دوسرے کے بعد مسلسل دکھائی دیتی تھیں۔

اس دیر کے قریب میدان کے وسط میں اکیلا پہاڑ پچھلے تمام پہاڑوں سے بلند قامت کھڑا تھا۔ ہم اس پہاڑ کی برفانی چوٹی پر ٹھہرے اور تھوڑی دیر تک منتظر رہے۔ اتنے میں یکایک ریگستان اور پہاڑوں کے اوپر روشنی کا ایک مینار بلند ہوا۔ جس کی شعاع ہم پر اس طرح پڑی جیسے کسی جہاز کا اشارہ چمکتا ہے۔ ہم اس شعاع میں تیرتے ہوئے آگے بڑھے۔ پہاڑوں صحراؤں اور میدانوں کو عبور کرتے ہوئے ایک آباد میدان پر سے گزر کر ایک اور بلند چوٹی پر رُکے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا۔ کہ یہ چوٹی ایک چھلے کی شکل میں بنی ہوئی ہے۔ جیسے کہ مصریوں کے نشانِ زندگی "آیت حیات" کی صورت ہے۔ یہ چھلا مادہ آتشیں کے ہزاروں فٹ بلند پائے پر قایم تھا۔ میں نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ جو روشنی ہمیں نظر آئی۔ وہ اس سے پرلی طرف ایک کوہ آتش کے دہانے سے نکلتی تھی۔ اس چھلے کی چوٹی پر تھوڑی دیر تک

ہم متمکن رہے۔ پھر عذرا کے اس مجسمہ نے نیچے کو اشارہ کیا مسکرایا اور غائب ہو گیا۔ میری آنکھ کھل گئی ؛

حنیف! میں کہتا ہوں کہ ہم پر یہ نشان نازل ہوا ہے ؛

امین چپ ہو گیا اور میں نے جو کچھ سنا تھا۔ اس پر غور کرتا ہوا خاموش بیٹھا رہا + امین اندھیرے میں ٹٹولتا ہوا مجھ تک پہنچا اور میرا شانہ ہلا کر کہا:-

"آپ سو گئے ؟ بولئے حضرت کچھ تو کہئے "؛

میں "میں بالکل ہوشیار ہوں لیکن سوچ رہا ہوں۔ کچھ دیر غور کرنے دو "؛

یہ کہہ کر میں اُٹھا اور کھڑکی کا پردہ اُٹھا کر میں نے اسے کھول دیا + آسمان صبح کاذب کے ہلکے نور میں سیپ کی مثل نظر آ رہا تھا۔ امین بھی میرے قریب آ کر کھڑکی کی چوکھٹ پر کہنی لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے تمام جسم میں لرزہ سا تھا۔ یقیناً وہ اپنے خواب سے بہت متاثر تھا ؛

میں "تم نے نشان یا آیت کا ذکر کیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک وہ خواب پریشان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا "؛

امین "یہ خواب نہیں تھا۔ بلکہ رویا تھا "؛

میں "رویا سہی۔ لیکن رویا بھی صادق و کاذب ہوتے ہیں۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ رویائے صادق تھا۔ تمہاری رام کہانی میں کیا رکھا ہے۔ یہ سب تمہارے قوائے متخیلہ کی ایجاد ہے۔ جنہیں تمہارے ہجوم رنج والم نے مختل کر کے جادہ اعتدال سے ہٹا کر دیوانگی کی سرحد تک پہنچا دیا ہے + تم نے دیکھا کہ جوف ارض و سما میں تم اکیلے ہو۔ کیا تمام ذی حیات اسی طرح اکیلے نہیں ہیں ؟ تم نے دیکھا کہ عذرا کا خیالی مجسمہ تمہارے پاس آیا۔ کیا اس نے کبھی تمہارا ساتھ چھوڑا ہے۔ تم نے دیکھا کہ وہ تمہیں بحر و بر پر سے لے گئی۔ تمہیں وہ مقامات دکھائے۔ جن کی یاد تمہارے ذہن میں موجود ہے۔ اور انجام کار پُراسرار کوہستان سے گزار کر ایک مجہول چوٹی پر پہنچا دیا۔ کیا زندگی

میں" وہ تمہاری رہنما بن کر تمہیں اس طرح باب عدم کی طرف نہیں لے جا رہی ہے۔ تم نے دیکھا......"

امین (چلا کر) :- بس بس۔ میں نے جو کچھ دیکھا ہے۔ وہ دیکھ لیا ہے۔ اور میں اس کی جستجو میں جاؤں گا۔ حنیف! آپ جو چاہیں سمجھیں اور جو چاہیں کریں کل میں ہندوستان کی طرف روانہ ہو جاؤں گا۔ آپ کے دل میں آئے تو میرا ساتھ دیں ورنہ میں اکیلا ہی جاؤں گا"۔

میں :- امین تم بے پروائی سے کام لیتے ہو۔ تم نے یہ نہیں سوچا کہ مجھ پر اب تک کوئی نشان وارد نہیں ہوا۔ ایسے آدمی کے خواب پریشان پر جو دیوانگی کے اس قدر قریب ہو کہ ایک رات پہلے خودکشی پر آمادہ تھا! اعتبار کر کے پچھتانا پڑے گا۔ بالخصوص اس وقت جب کہ ہم وسط ایشیا کے پہاڑوں پر برف کے تودوں میں سانس توڑ رہے ہوں گے۔ تمہاری رویا خواب پریشان سے کم نہیں۔ جس میں پہاڑی چوٹی "آیت حیات" کی صورت میں نظر آئی تھی۔ کیا تمہارا منشا یہ ہے کہ عذرا وسط ایشیا میں حیات تازہ لے کر پھر وارد ہو چکی ہے۔ اور وہاں راہبۂ کبریٰ یا کاہنۂ عظمیٰ کی حیثیت میں موجود ہے"؟

امین :- میں ابھی تک اس پہلو پر نہیں آیا تھا۔ کیا بعید ہے کہ ایسا ہی ہو۔ آپ کو کور کی غاروں کا وہ نظارہ یاد ہے جب کہ زندہ ہستی مردہ جسد کو دیکھ رہی تھی۔ حالانکہ وہ دونوں ایک ہی تھے۔ آپ کو یاد ہے۔ عذرا نے کیا قسم کھائی تھی۔ کہ میں پھر آؤں گی۔ اور اسی دنیا میں آؤں گی۔ بغیر حیات مکرر کے ایسا ہونا محال ہے۔ یا دوسرے معنوں میں تناسخ ارواح اس کا حل ہے"۔

"میں نے امین کی اس دلیل کا کوئی جواب نہ دیا۔ میں کشمکش میں مبتلا تھا۔ آخر میں نے کہا:-

"مجھ پر کوئی نشان وارد نہیں ہوا۔ ابتدائی واقعات میں میرا قدم

کافی عرصے تک رہا ہے۔ خواہ میری شرکت کی نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اب بھی مجھے یقین ہے کہ میرا حصہ اس مہم میں باقی ہے"۔

امین "بیشک اب تک آپ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی۔ کاش ایسا ہوتا۔ حنیف! آہ میری تمنا ہے کہ تمہیں بھی اس نشان پر ایسا ہی اعتبار حاصل ہو جاتا جیسا مجھے ہے"۔

پھر ہم آسمان پر نظریں جمائے اپنے اپنے خیالات میں مستغرق دیر تک خاموش کھڑے رہے۔

یہ صبح ایک طوفانی صبح تھی۔ بڑے بڑے ابر کے ٹکڑے آسمان پر عجیب و غریب صورتوں میں تیر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کی صورت بالکل پہاڑ کی طرح کی تھی۔ اور ہم اچٹتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں اس کی صورت میں تبدیلی واقع ہونی شروع ہوئی۔ اس کی چوٹی نے خالی ہو کر دہانہ کی صورت اختیار کر لی۔ یکایک اس دہانہ میں سے ایک مینار سا نکل کر اوپر گیا۔ جس کے اوپر کے سرے پر ایک گنبد سا بنا ہوا تھا۔ اتنے میں سورج نکل آیا اور اس کی شعاعوں میں وہ کوہ پیکر بادل اور اس کا مینار والا حصہ چاندی کے رنگ میں رنگ گیا۔ پھر ایسا معلوم ہوا کہ اس گنبد کا درمیانی حصہ سورج کی آتشین کرنوں سے پگھلتے پگھلتے غائب ہو گیا۔ جس سے وہ بڑا بھاری گنبد تکمہ کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ جس کے گرد کا حلقہ سیاہ رنگ کے بادل کا تھا۔

امین نے ہلکی اور خوف زدہ آواز میں کہا "دیکھئے دیکھئے۔ جو پہاڑ مجھے رویا میں دکھائی دیا تھا۔ اس کی صورت بعینہ ایسی تھی۔ وہ اس کے اوپر ویسا ہی سیاہ حلقہ یا تکمہ ہے جس کے پیچھے سے روشنی آ رہی ہے"۔

حنیف! یقیناً یہ نشان ہم دونوں کے لئے ہے"۔

میں متواتر اسی طرف دیکھتا رہا۔ حتےٰ کہ وہ عظیم الشان تکمہ رفتہ رفتہ سٹ مٹا کر غائب ہو گیا اور نیلے آسمان کے رنگ میں مل گیا۔ میں نے امین

کی طرف دیکھا اور کہا ؛
"ایمن! میں تمہارے ساتھ وسط ایشیا کو جاؤں گا"

باب دوم

دیر لاما

در بیابان فنا گم شدن آخر تا چند
رہ بپرسیم مگر پے بہ مہمات بریم

ساحل قلزم کی اس رات کو گزرے سولہ برس ہو چکے تھے اور ابھی تک ہم دونوں ایمن اور میں - مصروف سیاحت تھے۔ ہماری تلاش اپنے گوہر مقصود "آیت حیات" نما چٹان کے لئے برابر جاری تھی۔ لیکن کبھی کہیں اس کا دیدار نہ نصیب ہوا ؛

جو واقعات اس زمانے میں پیش آئے ان کے بیان کیلئے دفتر چاہئیں - لیکن ان کا قلمبند کرنا بے سود ہے۔ اس قسم کے ہزاروں فسانے کتابوں میں موجود ہیں + علاوہ بریں جو واردات ہم پر گزریں - وہ ان سے کہیں زیادہ طویل ہیں + ہم نے پانچ سال تبت میں گزارے - جن میں زیادہ عرصہ عبادت کدوں میں بحیثیت مہمان گزرا + وہاں ہم نے لامایانِ تبت کے قوانین اور روایات کا مطالعہ کیا۔ اسی جگہ ایک دفعہ ایک مقام ممنوع میں داخل ہونے کی سزا میں ہمارے لئے موت کا فتویٰ بھی صادر ہوا۔ لیکن ایک رحم دل سردار کی اعانت سے بچ نکلے ؛

تبت سے نکل کر ہم چین کی اکثر قوموں میں ہزاروں میلوں تک شمال مغرب اور مشرق کی طرف بہت سی زبانیں سیکھتے اور صعوبات اُٹھاتے سرگرداں پھرتے رہے + بعض جگہ ہم کسی سینکڑوں میل پرے کے مقام کا قصہ سنتے تھے اور مرکھپ کر دو ڈیڑھ سال میں پہنچتے تھے۔ تو وہاں کچھ بھی نہ ملتا تھا +

اس طرح زمانہ گذرتا گیا۔ ہمارے دل میں ترک جستجو کرکے واپس لوٹنے کا خیال بھی پیدا نہ ہوا۔ کیوں کہ بوقت روانگی ہم نے عہد واثق کیا تھا کہ اس تلاش میں یا تو کامیاب ہوں گے۔ یا جان دے دیں گے + فی الحقیقت بیسیوں دفعہ ہم مرتے مرتے بچے۔ گویا ہماری نجات میں کسی خفیہ قوت کا دخل ہوتا تھا +

اب ہم ایسے خطے میں پہنچ گئے تھے۔ جہاں کسی موجودہ زمانے کے تہذیب یافتہ انسان کا قدم نہیں آیا تھا + سرزمین ترکستان میں بحیرۂ بالکش کے سواحل تک پہنچ کر مغرب کی طرف دو سو میل کے فاصلے پر ایک عظیم الشان سلسلہ کوہ ہے۔ جو نقشوں میں الطائی کے نام سے دکھایا گیا ہے۔ اس کی سیاحت میں ہم نے ایک سال صرف کیا + پھر ہم آخر کار مشرق کی طرف کوہستان شرغلہ کو گئے۔ جہاں پہنچنے کے لئے ہمیں کوہ الطائی کے تین سلسلے عبور کرنے پڑے۔ یہاں سے ہماری اصل مہم شروع ہوتی ہے +

اس خوفناک کوہستان شرغلہ کے ایک دامن پر بلا خوراک ہم مرنے سے بچے + اس سلسلہ کوہستان کا نام کسی نقشہ پر نہیں دکھایا گیا ہے + موسم سرما سر پر آ گیا تھا۔ اور کوئی شکار ہاتھ نہ آیا تھا + آخری مسافر نے جو ہمیں سینکڑوں میل جنوب کی طرف ملا تھا ہمیں بتایا تھا۔ کہ اس کوہستان پر ایک آباد دیر ہے۔ جس میں اعلےٰ درجہ کے صاحب باطن لاما رہتے ہیں اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ اس غیر آباد سرزمین میں جہاں نہ کسی کی حکومت ہے۔ نہ کوئی قوم آباد ہے۔ نہ روحانیت کے اعلےٰ مدارج حاصل کرنے کے واسطے اشغال مراقبہ و مراقبہ میں منہمک زندگی بسر کرتے ہیں + ہمیں اس دیر کی

موجودگی کا یقین نہ تھا۔ تاہم مقدرات کی زبردست زنجیروں میں جکڑے ہوئے جو ابتدا سے ہماری راہبرا ہی تھی۔ ہم اس دیر کی تلاش میں آگے بڑھتے گئے۔ فاقہ کی انتہائی تکلیف میں جب آگ جلانے کا ایندھن بھی میسر نہ آیا۔ تو ہم تمام رات چاند کی روشنی میں اپنی باربرداری کے پہاڑی بکرے کو ساتھ لئے ہوئے سفر کرتے چلے گئے۔ ہمارے ساتھ کوئی نوکر نہ تھا۔ کیونکہ آخری نوکر ایک سال پہلے مر چکا تھا۔

یہ بکرا بڑا اصیل تھا اور میں نے آج تک کسی جانور میں اتنی مضبوطی نہیں پائی۔ اگرچہ ہماری طرح فاقوں کے مارے اُس کا انجام بھی قریب تھا اُس پر صرف مندرجہ ذیل سامان بار تھا۔ قریباً ڈیڑھ سو کارتوس جو اتفاقاً ہمارے اس ذخیرہ میں سے بچ رہے تھے۔ جو دو سال ہوئے ہم نے ایک کارواں سے خریدا تھا۔ کچھ زر نقد تھا۔ تھوڑی سی چاء تھی اور ایک گٹھری میں دو ہرن کی کھال کی جانمازیں اور کچھ بھیڑ کی کھال کے کپڑے تھے۔ ہم برفانی سطح مرتفع پر آگے بڑھتے گئے۔ جس کے دائیں جانب بلند سلسلہ کوہ تھا۔ یہاں تک کہ بکرے نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ٹھہر گیا۔ ہمیں بھی مجبوراً ٹھہرنا پڑا۔ ہم نے کھالیں نکال کر اپنے اوپر لپیٹ لیں اور صبح کے انتظار میں برف پر بیٹھ گئے۔

میں نے بکرے کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ہمیں اس غریب کو بھی ذبح کر کے اس کا کچا گوشت کھانا پڑے گا۔"

ایمین :- "ممکن ہے صبح کو ہمیں کوئی شکار مل جائے۔"

میں :- "اگر نہ ملا تو موت یقینی ہے۔"

ایمین :- "بہت خوب! مرنے سے کیا ڈرنا۔ ناکامی کا آخری نتیجہ یہی ہے۔ ہم نے کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔"

میں :- "یقیناً ایمین! ہماری کوشش میں کوئی کمی نہیں۔ اگر ایک واہمہ کی جستجو میں ۱۶ سال تک پہاڑوں اور دوامی برفستانوں میں آوارہ پھرنا بہترین

کوشش کہلانے کا مستحق ہے" ۔

امین نے جل کر جواب دیا "آپ کو علم ہے کہ میرا عقیدہ کیا ہے" ۔

اس کے بعد خاموشی طاری ہو گئی۔ کیونکہ دلایل بے سود تھیں حقیقت یہ ہے کہ اس وقت میرے دل میں خود یہ خیال تھا کہ ہماری محنت اور صعوبت رائیگاں نہ جائے گی ۔

آخر صبح نمودار ہوئی اور اس کی روشنی میں ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا کہ دیکھیں ہم دونوں میں کتنی جان باقی ہے + مہذب لوگوں کی نظر میں ہماری صورتیں وحشیانہ تھیں + امین کی عمر اس وقت چالیس سال سے متجاوز تھی۔ یقیناً اس کی بلوغت اس کے شباب کا معراج تھی۔ کیوں کہ موجودہ حالت میں بھی اس سے زیادہ شاندار ہستی میری نظر سے نہ گزری تھی + اگرچہ تفکرات نے اسے لاغر کر دیا تھا۔ تاہم اس کے قامت طویل پر اس کے سینہ کی کشادگی موزوں تھی۔ اور اس صحرائی زندگی کے طویل زمانے نے اس کے اعضا کو فولاد سے زیادہ مضبوط بنا دیا تھا۔ میرے بالوں کی طرح اس کے بال بھی بڑھ گئے تھے۔ دھوپ اور سردی سے ان کی وجہ سے بہت بچاؤ ہوتا تھا۔ اس کے سنہرے گھنگریالے بالوں کے گردے نے اس کی گردن پر عجب زیبایش پیدا کر دی تھی اور اس کی سنہری ڈاڑھی بڑھ کر شانوں تک سینے پر پھیلی ہوئی تھی + اس کا چہرہ جس قدر بھی نظر آتا تھا اگرچہ دھوپ اور سردی سے گندمی رنگ اختیار کر چکا تھا پھر بھی اپنے شاندار حسن میں یکتائی کا دم بھرتا تھا۔ متانت اور دانش کی تجلیات اس پر درخشاں تھیں۔ اور اس میں اس کی بلور ایسی شفاف اور منور آنکھیں چمکتی تھیں ۔

میں جو پہلے تھا وہی اب بھی تھا + وہی بدنمائی اور بھداپن مجھ میں موجود تھا۔ بجز اس کے کہ میرے چہرے کے رنگ میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا + حیرت اس بات کی تھی کہ باوجود شصت سالہ عمر کے میری جسمانی قوت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ میرے قویٰ

زیادہ مضبوط ہوتے جاتے تھے۔ اور میری صحت روز افزوں ترقی کر رہی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ اس تمام زمانۂ صعوبت میں ہمیں یاد نہیں کہ ایک دن بھی ہم بیمار رہے ہوں۔ اگرچہ بعض حادثات کی وجہ سے ہمیں کئی دن پڑے رہنا پڑا۔ محنت شاقہ نے ہمارے جسموں کو فولاد میں تبدیل کر دیا تھا اور انسانی بیماریوں کا دخل ناممکن تھا۔ یا شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ زندہ انسانوں میں سے صرف ہم دو نے کور کے غاروں میں جو ہر حیات کے ابخرات سانس سے کھینچے تھے۔

اگرچہ رات فاقے میں کاٹی تھی۔ تاہم ہم دونوں پر خاص تکان کے آثار موجود نہ تھے۔ ہم اٹھے اور اپنے گرد و نواح کا جائزہ لینے لگے۔ سامنے پہاڑ کے دامن کے نیچے ایک صحرائے بسیط واقع تھا۔ ہم نے ایسے صحرا پہلے بھی بہت دیکھے تھے۔ ریتلے۔ شورہ خیز اور خشک جس میں نہ پانی کی نمود تھی نہ سبزی کا نشان۔ البتہ کہیں کہیں ابتدائی سرما کی برف ضرور چمک رہی تھی۔ اس سے اسّی یا سو میل پرے پھر پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ جن کی برف سے ڈھکی ہوئی سفید چوٹیاں مسلسل منتہائے نگاہ تک چمکتی نظر آتی تھیں۔

جب نکلتے ہوئے سورج کی کرنیں ان چمکدار چوٹیوں پر پڑیں۔ تو میں نے ایبن کی نگاہوں میں ہراس کے آثار دیکھے۔ اس نے تیزی سے گردن پھرا کر صحرا کے کنارے نگاہ دوڑائی اور ایک دھندلی مگر عظیم الشان چیز کی طرف اشارہ کر کے کہا "وہ دیکھئے!"

اب اس پر بھی سورج کی شعاعیں کھیل رہی تھیں۔ یہ ایک بلند اور عالی شان پہاڑی تھی۔ جو زیادہ سے زیادہ دس میل کے فاصلے پر ریتلے میدان میں تنہا کھڑی تھی۔ اس کے بعد ایبن نے صحرا کی طرف پیٹھ کر لی اور اس پہاڑ کی چڑھائی پر نگہ دوڑائی۔ جس کے دامن میں ہم سفر کر رہے تھے۔ ابھی تک پہاڑ کے اس حصہ پر اندھیرا تھا۔ لیکن تھوڑی دیر میں روشنی کی لہریں

اس پر بھی دوڑنی شروع ہوئیں۔ رفتہ رفتہ روشنی بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ ہم سے تین سوگز اوپر کی طرف ایک سطح مرتفع تک آ پہنچی + اس کے ایک کنارے پر ایک عظیم الشان بدھ کا بت نصب تھا۔ اس کے بعض حصے کہیں کہیں سے منہدم ہو گئے تھے۔ اس کے پیچھے ایک ہلالی عمارت جلوہ گر تھی ٭

ایبن نے چلا کر کہا "انجام کار ۔۔۔۔ الٰہی تیرا شکر ہے" اور یہ کہہ کر دوزانو ہو کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا۔ گویا وہ مجھ سے جذبات کے اثر کو پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ جو اس کے خوب صورت چہرے پر پیدا ہو رہا تھا + میں نے اس کے دلی جذبات کا احترام کرتے ہوئے تھوڑی دیر تک اسی حالت میں رہنے دیا + خود میرے دل میں بلا کا ہیجان تھا + پھر میں نے اس غریب بکرے کی کمر پر ہاتھ پھیرا۔ جسے ہمارے احساسات کی کچھ خبر نہ تھی اور سردی کے مارے کانپ رہا تھا۔ اور اس کی کمر پر کھالوں کے کپڑے اور باقی سامان لاد کر ایبن کا شانہ ہلایا اور معمولی لہجہ میں کہا:-

"ایبن اُٹھو۔ اگر وہ مکان غیر آباد نہیں ہے۔ تو وہاں ہمیں کھانا اور آرام میسر آ سکتا ہے + طوفان برف پھر شروع ہونے والا ہے" ٭

ایبن خاموشی سے اُٹھا اور اپنے بالوں اور کپڑوں پر سے برف جھاڑ کر بکرے کو جو سردی سے ٹھٹھر گیا تھا۔ اُٹھانے میں دست تعاون پیش کرنے کو میرے پاس آیا + اس کے چہرے پر ایک نظر ڈالنے سے مجھے محسوس ہوا کہ ایبن کے دل میں مسرت اور اطمینان کا دریا جوش مار رہا ہے ٭

ہم بکرے کو ساتھ کھینچتے ہوئے برف آلود ڈھلوان پر چڑھتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ اس دیر کے دالان تک جا پہنچے۔ بظاہر نہ وہاں کوئی متنفس نظر آتا تھا۔ نہ کہیں انسانی نقش قدم تھے + کیا یہ عمارت بھی اُن عمارتوں کی طرح ویران اور غیر آباد تھی۔ جو بیسیوں دفعہ پہلے ہمیں راستے میں ملی تھیں + اس کہنہ سرزمین میں سینکڑوں عمارتیں ایسی موجود ہیں۔ جن میں زمانہ حال کی تہذیب سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس پہلے عارف اور صاف

باطن لوگ اپنی زندگیاں گزار کر فنا ہو چکے تھے ۔

میرا دل بیٹھا جا رہا تھا اور بھوک کے مارے جان لبوں پر آ گئی تھی۔ اس خیال سے قریب تھا کہ میں غش کھا کر گر پڑوں کہ مجھے ایک دودکش میں سے دھوئیں کی پتلی سی رَو نکلتی نظر آئی ۔ اُف کیسا دلکش منظر تھا۔ مجھے عمر بھر میں شاید ہی کبھی اتنی مسرت ہوئی ہو۔ اس عمارت کے وسط میں ایک بلند قبہ تھا جو شاید اصلی مندر تھا۔ اور اس سے درلی طرف ایک کوٹھری کا دروازہ تھا جس کے عین اوپر سے وہ دھواں نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ میں نے اس دروازے پر دستک دی اور چلا چلا کر کہا:۔

"مقدس لاما! دروازہ کھولئے۔ اجنبی مسافر آپ سے بھیک مانگنے آئے ہیں۔"

چند لمحہ بعد اندر سے پاؤں کی آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھولا اور اس میں سے ایک بوڑھا ضعیف آدمی زرد رنگ کے پھٹے ہوئے کپڑے پہنے باہر نکلا۔ اور اپنی سینگ کی عینک میں سے بغور دیکھتے ہوئے کہنے لگا:۔

"کون ہے؟ کون ہے؟ کون ہم مقدس لامایانِ کوہی کے تخلیہ میں خلل ڈالنے کو آ گیا؟"

میں اس کی تبتی زبان سمجھتا تھا۔ اس لئے میں نے اسی زبان میں جواب دیا "اے مقدس ہستی! ہم مسافر ہیں مسافر جو بھوک سے قریب المرگ ہیں ہم آپ سے کھانے کو مانگتے ہیں اور اس سے آپ قواعدِ فطرت کی رو سے انکار نہیں کر سکتے۔" اس نے غور سے ہماری صورت کو دیکھا۔ اس سے کچھ حاصل ہوتا نہ پا کر ہمارے پھٹے ہوئے کپڑوں پر نظر دوڑائی۔ ہمارے کپڑے اپنی کہنگی اور وضع قطع میں اُس کے کپڑوں سے بہت مشابہ تھے۔ درحقیقت یہ کپڑے تبتی کاہنوں سے لئے ہوئے تھے۔ کیونکہ دورانِ سفر میں ہمارا لباس پھٹ چٹ گیا تھا اور مجبوراً ہمیں یہ لباس اختیار کرنا پڑا تھا۔ اس لباس سے ایک تو موسم کے شدائد سے بچا رہتا تھا۔ دوسرے

اس ملک کے لوگ اعتراض نہیں کرتے تھے۔

اس نے پوچھا "کیا تم لاما ہو؟ اگر ہو تو کس دیر سے تعلق رکھتے ہو؟"

میں نے جواب دیا "بلاشبہ ہم لاما ہیں اور دیر عالم کے لاما ہیں۔ جہاں افسوس ہے کہ بھوک کی سختی ضرور محسوس ہوتی ہے۔" میرے جواب سے بڈھا خوش ہوا۔ پھر مسکرا کر سر ہلایا اور کہا "کسی اجنبی کو اس دیر میں داخل ہونے کی اجازت دینا ہمارے دستور کے خلاف ہے۔ جب تک کہ اجنبی ہماری طریقت سے تعلق نہ رکھتا ہو اور مجھے یقین ہے کہ تم ہمارے مسلک سے بیگانہ ہو۔"

میں "اور اے بزرگ لاما یہ بات آپ کے ہاں اس سے بھی زیادہ ممنوع ہے کہ کسی مسافر کو بھوکا مرنے دیا جائے۔"

اس کے بعد میں نے بدھ کا ایک مقولہ پڑھا جو بہت ہی برمحل تھا۔

بڈھے کے زرد جھریوں والے چہرے پر تحیر کے آثار پیدا ہوئے اور اس نے کہا "او ہو! تم کتابوں کا درس حاصل کر چکے ہو۔ ایسے عالموں کے لئے ہمارا دروازہ کھلا ہوا ہے آؤ۔ اے برادران دیر عالم! اندر آجاؤ۔ ذرا ٹھیرو۔ یہ بکرا بھی ہماری مہمان داری کا مستحق ہے۔" یہ کہہ کر اس نے ایک گھنٹی بجائی۔ جو دروازے کے اندر لٹک رہی تھی۔ اس گھنٹی کی آواز پر ایک اور شخص اندر سے نکلا جو بظاہر اس بڈھے سے زیادہ مسن اور ضعیف معلوم ہوتا تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ بھی ششدر سا رہ گیا۔ پہلے بڈھے نے کہا:۔

"برادر! اپنا کھلا ہوا منہ بند کر لو۔ کہیں کوئی خبیث روح اس میں سے تمہارے جسم میں داخل نہ ہو جائے اور دیکھو اس بیچارے بکرے کو اندر لے جا کر باندھ دو اور دوسرے مویشیوں کے ساتھ اسے بھی چارہ ڈالو۔"

چنانچہ ہم نے بکرے کی کمر پر سے بوجھ اُتار لیا اور دوسرا بڈھا جس کا عجیب و غریب لقب "صاحب القطیع" یعنی مویشیوں کے گلوں کا نگہبان تھا اسے ہانک کر لے گیا۔ بیچارہ بکرا ہم سے الگ ہوتا ہوا گھبراتا تھا۔

اس کے جانے کے بعد پہلے بڈھے نے جو رئیس الرہبان تھا۔ اور جس کا نام کاہن تھا۔ ہمیں اپنے ساتھ لیا اور دیر کے حجرے میں لے گیا۔ جو باورچی خانے کا کام بھی دیتا تھا۔ یہاں اس دیر کے باقی سب راہب بھی بیٹھے تھے جن کی تعداد اندازاً بارہ ہوگی + ان میں سے ایک صبح کا ناشتہ تیار کر رہا تھا۔ اور باقی اس آگ کے گرد بیٹھے تاپ رہے تھے۔ جس کا دھواں ہمیں نظر آیا تھا + یہ سب بوڑھے تھے۔ سب میں چھوٹا شاید پینسٹھ سال سے کم کا نہ تھا۔ ان سے ہمارا تعارف اس طرح کرایا گیا کہ "یہ برادران دیر عالم ہیں جہاں لوگوں کو بھوک لگتی ہے"۔ معلوم ہوتا تھا کہ رئیس الرہبان کاہن کو یہ مذاق بہت ہی پسند آیا تھا ۔

ان راہبوں نے ہمیں غور سے دیکھا + سب نے اپنے ہاتھ ملا کر ہمیں سلام کیا اور دعا دی۔ اور ہمارے ورود پر مسرت کا اظہار کیا + یہ کوئی عجیب بات نہیں تھی۔ کیونکہ چار سال سے انہیں اپنے سوا کوئی انسانی چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ اُن کے خلوص کا اظہار صرف لفظی نہیں تھا۔ بلکہ عملی بھی تھا۔ انہوں نے ہمارے غسل کے لئے پانی گرم کیا + دو نے ہمارے سونے کے لئے ایک حجرہ درست کیا۔ اور باقیوں نے ہمارے کپڑے اور جوتے اُتروا کر ہمیں پہننے کو کھڑاویں دیں + پھر وہ ہمیں اسی حجرہ میں لے گئے اور ہمیں بتایا کہ یہ حجرہ بڑا متبرک ہے۔ کیونکہ کسی زمانہ میں ایک بڑا بزرگ اس میں سویا کرتا تھا۔ حجرہ میں آگ روشن کر دی گئی اور ہمیں یہ دیکھ کر بہت ہی تعجب ہوا کہ ہمارے واسطے وہاں صاف ستھرے کپڑے جن میں کرتے پاجامے بھی شامل تھے موجود تھے ۔

ہم نے نہا دھو کر کپڑے بدلے۔ پھر ایک گھنٹی جو کمرے میں لٹک رہی تھی بجائی۔ جس کی آواز پر ایک راہب ہمیں باورچی خانہ میں لے گیا + کھانا چنا جا چکا تھا اس میں دلیہ۔ دودھ۔ کچھ خشک مچھلیاں اور چائے شامل تھی + آخری دو چیزیں بطور دعوت ہمارے لئے تیار کی گئی تھیں۔ جب میں

عا چکا تو میں نے دیکھا کہ امین ابھی کھا رہا ہے۔ اور راہب اس کی طرف حیرت
لی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ بلکہ بوڑھے کاہن نے زیر لب کہا "ادھواویر
الم کے رہنے والے! جہاں واقعی بھوک لگتی ہے"۔ اور اس کا جواب ایک
ہب نے جسے صاحب طعام کہتے تھے یوں دیا۔ اگر یہی حال رہا تو بہت
لدی ذخائر طعام ختم ہوجائیں گے۔ میں نے مجبوراً امین کو روکا اور ابھی بھوک
قی تھی کہ اس نے ہاتھ کھینچ لیا اور اس بات کو ٹالنے کے لئے راہبوں کو بدھ
کا ایک طویل مقولہ سنایا۔ انہوں نے حیرت سے کہا "یہ واقعی صحیح راستہ پر
ہیں"۔

مین "ہاں ہم ۱۲ سال سے صحیح راستہ پر ہیں۔ لیکن اے متبرک ہستیو تمہارے
مقابلہ میں ہم طفل دبستان ہیں۔ کیونکہ تمہیں علم ہے کہ یہ راستہ ستاروں سے
زیادہ بلند۔ سمندر سے زیادہ فراخ اور صحرا سے زیادہ وسیع ہے۔ اس راستہ
کا اصلی راز آپ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اور ہمیں الہامی طور پر ایک رویائے
صادقہ کے ذریعہ سے ہدایت ہوئی ہے کہ ہم آپ سے جن کا نیکی، بزرگی اور معرفت
میں اس خطۂ زمین پر کوئی لا ثانی نظیر نہیں ہے۔ اس راستہ کا علم حاصل کریں۔
رئیس الرہبان کاہن نے جواب دیا "ہاں واقعی ہم ایسے ہی ہیں۔ کیونکہ یہاں
سے پانچ مہینہ کے راستہ تک کوئی ایسا دیر موجود نہیں ہے۔ لیکن افسوس
ہماری تعداد دن بدن گھٹ رہی ہے"۔

اس کے بعد ہم نے اُن سے آرام کی اجازت چاہی۔ حجرہ میں جاکر گھاس
کے بستروں پر ایسے سوئے کہ ۲۴ گھنٹہ تک آنکھ نہ کھلی۔ جب اُٹھے۔ تو
تکان کا نام و نشان نہ تھا۔

اس کوہستانی دیر میں جس کا کوئی نام نہیں تھا اور جس میں چھ مہینہ
تک ہمارے لئے ٹھہرنا مقدر ہوچکا تھا۔ اس طرح ہمارا داخلہ ہوا۔ راہب
چند روز میں ہی بے تکلف ہوگئے اور ان سادہ لوح نیک دل بوڑھوں نے
اپنی ساری رام کہانی سنا دی۔

یہ معلوم ہُوا کہ یہ ایک دیر رہبان تھا۔ جس میں کئی سو راہب رہتے تھے+ یہ سچ بھی معلوم ہوتا تھا کیونکہ عمارت بہت وسیع اور فراخ تھی۔ اگرچہ اس کا بہت سا حصہ منہدم ہو چکا تھا+ اس کی قدامت بھی ظاہر تھی۔ جیسا کہ بدھ کے شکستہ بت سے ثابت ہوتا تھا۔ بقول کاہن دو صدیاں گزریں کہ کوہستان کے پرلی جانب کی ایک خوفناک قوم نے جو بدعتی اور آتش پرست تھی۔ اس دیر کے سب راہبوں کو مار ڈالا تھا۔ ان میں سے چند ایک بچ کر نکل بھاگے اور انہوں نے ملکوں ملکوں یہ خبر مشہور کر دی۔ پانچ پشتوں تک پھر کسی نے ادھر کا رُخ نہ کیا÷

آخر کار ہمارے دوست کاہن پر ایام جوانی میں انکشاف ہوا۔ کہ وہ اس دیر کے ایک مشہور راہب کی روح لے کر پیدا ہوا ہے اور یہ اس کا فرض ہے کہ اس دیر کو پھر آباد کرے۔ جس سے حصول مراتب کے علاوہ اس پر کشف کے دروازے کھل جائیں گے+ چنانچہ اس نے بہت سے مرید جمع کئے اور اپنے مرشدوں سے برکات حاصل کر کے عازم دیر ہُوا اور بہت سے مصائب اور صعوبات اُٹھا کر یہاں آ پہنچا۔ اور ضرورت کے مطابق مکان کی مرمت کر لی۔ اور اقامت پذیر ہوا+ اس واقعہ کو پچاس سال ہو چکے تھے اور یہ لوگ مسلسل یہاں مقیم رہے۔ کبھی کبھی بیرونی دنیا کا کوئی باشندہ ادھر آ نکلتا تھا۔ اور ابتدا میں نئے راہب آ آ کر شامل ہوتے رہتے تھے۔ آخر نئے لوگ آنے بند ہو گئے اور ان کی تعداد میں کمی شروع ہوئی÷

میں نے پوچھا "اب پھر کیا ہوگا"÷

رئیس الرہبان "پھر کچھ بھی نہیں۔ ہم مدارج اعلےٰ حاصل کر چکے ہیں۔ ہمیں الہام وارد ہونے کا شرف بھی حاصل ہو چکا ہے+ اس جنم میں استغراق تام کے بعد ہماری آئندہ زندگیاں بسہولت طے ہو جائیں گی+ اب دنیا کے تعلقات سے مکمل علیحدگی کے بعد ان مدارج سے بڑھ کر ہمیں اور کس چیز کی خواہش ہو سکتی ہے"÷

اُن کی زندگی کے اس پہلو سے قطع نظر کر کے لامتناہی ریاضت نفسانی اور بے انتہا مراقبہ سے بچے ہوئے اوقات میں زراعت کا کام ان کا مشغلہ تھا + اس طرح وہ اپنی پاک وصاف زندگی بسر کر کے داعی اجل کو لبیک کہہ دیتے تھے اور ان کے اعتقاد کے مطابق نیا دور کسی اور جگہ شروع ہوتا تھا ❊

اس دور دراز دنیا دیر میں ہمارے پہنچنے سے اگلے دن ہی موسم سرما پورے عروج پر آگیا + سردی کی شدت اور برف باری کی اتنی کثرت تھی کہ سامنے سے تمام صحرا پر گزوں برف چڑھ گئی + اس حالت سے ہمیں یقین ہو گیا۔ کہ آغاز موسم بہار تک ہمیں یہیں قیام کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس موسم میں سفر کرنا گویا دیدہ و دانستہ موت کے مُنہ میں جانا تھا + ہم نے کاہن سے کہا کہ ہمارا ارادہ موسم بہار تک یہیں ٹھہرنے کا ہے اس لئے ہمیں کوئی جدا حجرہ دے دیا جائے۔ ہم شکار وغیرہ سے اپنی قوتِ لایموت حاصل کرتے رہیں گے لیکن کاہن نہ مانا اور کہنے لگا۔ "آپ ہمارے مہمان بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ہم پر آپ کی مہمانداری واجب ہے۔ اس سے احتراز کر کے ہم گنہگار بننا نہیں چاہتے" پھر اپنے مخصوص انداز میں کہا ❊

"ہم اپنی تارک الدنیا زندگی میں اس عظیم دیر عالم کے حالات سننے کے شائق ہی رہتے ہیں۔ جہاں راہبوں پر وہ احساناتِ الٰہی وارد نہیں ہوتے جو ہم پر ہمیشہ نازل ہوتے رہتے ہیں اور جہاں لوگوں کا نہ صرف جسم بھوکا رہتا ہے بلکہ روح بھی تشنہ رہتی ہے"

اصل میں اس مخلص بوڑھے کا منشا یہ تھا کہ ہمیں راہ راست پر چلا کر حقیقت تک پہنچا دے اور ہمیں بھی اپنی طرح خدا رسیدہ لاما بنا لے + چنانچہ ان لوگوں کا دل رکھنے کو ہم نے ان کی عباوات میں شرکت شروع کر دی۔ جیسا کہ اپنے سفروں میں اکثر پہلے بھی کرنا پڑا تھا۔ اور بدھ کے اقوال کا ترجمہ ایک شاستر کی صورت میں مطالعہ کیا + ہمارے اس استغراق سے

انہوں نے بارہا اعتراف کیا کہ ہم بڑے فراخ دل رکھتے ہیں + ہم نے ان کے سامنے اسلام کی بہت سی خوبیاں بھی بیان کیں اور اصول اور فروع کے مسائل بیان کئے + تصوف اور اپنے طریق میں بعض باتوں کے یکساں ہونے پر انہیں بہت مسرت ہوئی + مجھے تو یقین تھا کہ اگر ہم دس پانچ سال تک ان کے پاس رہتے تو اکثر کو اپنا ہم مذہب بنا لیتے + آیات کلام پاک سن کر اور ان کا ترجمہ سمجھ کر ان پر بڑی کیفیت طاری ہوتی تھی + اس کے علاوہ بعض اوقات مہذب اقوام کی معاشرت اور تمدن کے افسانے سن کر وہ بہت حیران ہوتے تھے۔ اور کہتے تھے۔ " ہمیں ان واقعات کا علم ضرور حاصل کرنا چاہئیے۔ ممکن ہے کہ آئندہ ان ممالک میں سے کہیں جنم لیں "+

اگرچہ ہمارا وقت اس طرح آرام میں کٹ رہا تھا اور بلاشبہ گذشتہ واقعات کے مقابلہ میں اس وقت بہت راحت میسر تھی۔ مگر سینہ میں ہمارے دل مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہے تھے اور تلاش گوہر مقصود کی آتش بھڑک رہی تھی + ہم جانتے تھے کہ ہم منزل مقصود کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ لیکن افسوس ہماری جسمانی کمزوری راستے میں حائل تھی + سامنے صحرا میں برف باری کی کثرت تھی۔ اس کے پہلو بہ پہلو کبھی کبھی ایسی تند ہوائیں چلتی تھیں کہ برف ریت کی طرح اُڑ کر بڑے بڑے ٹیلوں کی صورت میں جمع ہو جاتی تھی اور یہ ٹیلے ہوا کے زور سے ایک جگہ سے دوسری جگہ اُڑتے پھرتے تھے + کسی ایک ٹیلے کے نیچے انسان کا دب جانا اور فنا ہو جانا بڑی بات نہ تھی۔ مجبوراً ہمیں بھی فیصلہ کرنا پڑا کہ ہم بہار تک اسی دیر لاما میں اقامت گزیں رہیں +

اس جگہ ہمارے لئے صرف ایک چیز تسلی دینے والی تھی۔ جس سے بسر اوقات کی صورت پیدا ہو گئی + ایک منہدم حجرے میں بہت سی کتابیں پڑی تھیں۔ جنہیں شاید زمانۂ سلف کے راہبوں نے جمع کیا ہوگا۔ اور اب موجودہ راہبوں نے انہیں جھاڑ پونچھ کر ترتیب سے رکھ لیا تھا + ہمیں ان

کتابوں کے مطالعہ کرنے کی فراخ دلی سے اجازت دے دی گئی + یہ کتب خانہ عجیب و غریب کتابوں کا مجموعہ تھا۔ اور میرا اندازہ ہے کہ یہ بہت ہی بیش قیمت ذخیرہ تھا۔ کیونکہ اس میں بدھ۔ سیوا ئیستی اور شامانی تحریریں شامل تھیں + ایسی ایسی کتابیں ان میں موجود تھیں۔ جن کا ہم نے نام تک نہ سُنا تھا۔ مقدس بزرگوں کی سوانح عمریاں تھیں۔ جن میں سے بعض ایسی زبانوں میں لکھی ہوئی تھیں۔ جو ہم نہیں سمجھ سکتے تھے +

ان تمام کتابوں میں سب سے زیادہ دلکش ایک روزنامچہ تھا۔ جو کئی جلدوں میں تھا + اس میں ہر زمانے کے رئیس الرہبان نے اپنے اپنے وقت کے ضروری اور تاریخی واقعات مفصل ثبت کئے تھے + آخری روزنامچہ کے چند صفحات اُلٹ کر دیکھنے سے ایک واقعہ پیش نظر آیا۔ جو اس دیر کی تباہی سے کچھ ہی پہلے کا لکھا ہوا تھا + میں اس کا تھوڑا سا اقتباس درج کرتا ہوں کیونکہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں۔ اپنی یادداشت سے لکھتا ہوں +

"اس سال کے موسم گرما میں ہم میں سے ایک راہب نے ریگستان میں ایک بہت بڑی آندھی کے بعد ایک شخص کو پایا جو کوہستان بعید کے پرلی طرف کا رہنے والا تھا + ان لوگوں کے متعلق ہم نے بہت افواہیں سنی تھیں + یہ شخص زندہ تھا لیکن اس کے دو ساتھی شدائد طوفان سے عاجز آ کر مرے پڑے تھے + اس شخص کا چہرہ ہیبت ناک تھا + اس نے ریگستان میں پہنچنے کی ترکیب بتانے سے قطعی انکار کر دیا۔ صرف یہ کہہ دیا کہ میں اسی راستہ سے آیا ہوں۔ جس سے زمانہ سلف میں اس جگہ اور ہمارے ملک میں آمد و رفت ہوتی تھی۔ اور اب وہ راستہ بند ہے + ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شخص کے ساتھیوں نے کوئی ایسا جرم کیا تھا جسکی سزا موت تھی چنانچہ وہ بھگا کر لے آئے۔ اور یہ ان کے ساتھ بھاگ نکلا + اس کے بیان کے مطابق وہ کوہستان کے پرلی طرف ایسے علاقہ کا رہنے والا تھا۔ جہاں قحط اور زلزلوں کی مصیبت اکثر طاری رہتی ہے + وہاں کے لوگ بہت ہی جنگجو

ہیں اور ان کی تعداد بھی بہت ہے۔ لیکن سب زراعت پیشہ ہیں + یہ لوگ ہمیشہ سے یہیں آباد ہیں۔ اگرچہ ان پر سکندرِ اعظم کے خاندان کے لوگ جنہیں خاں کہتے ہیں۔ حکومت کرتے رہے ہیں + سکندر نے اس طرف کا بہت علاقہ فتح کر لیا تھا + اس کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کیونکہ ہمارے روزنامچوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک زمانہ میں سکندر کا ایک عظیم الشان لشکر ان علاقوں کی طرف ضرور آیا تھا۔ اگرچہ سکندر کا ان کے ساتھ ہونا ثابت نہیں + اس اجنبی نے یہ بھی کہا کہ ہم لوگ ایک دیوی یا کاہنہ کی جس کا نام ہیس یا عزا ہے اور جو نسلاً بعد نسلٍ حکومت کرتی ہے۔ عبادت کرتے ہیں + یہ کاہنہ ایک علیحدہ پہاڑ پہ اکیلی اقامت رکھتی ہے۔ سب لوگ اس کی پرستش کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ لیکن زمام سلطنت سے اس کا کوئی تعلق نہیں نہ وہ وہاں کی سیاسیات میں کبھی دخیل ہوتی ہے۔ تاہم اس کے نام پر قربانیاں چڑھائی جاتی ہیں۔ جس شخص پر اس کا غصہ نازل ہو جائے۔ اس کی سزا موت ہے۔ اس لئے اس مملکت کے حکمران بھی اُس سے خوف کھاتے ہیں۔ تاہم عزا کے پرستاروں اور ان کی رعایا میں اکثر خانہ جنگی ہوتی رہتی ہے۔ کیونکہ ان میں آپس میں سخت عداوت ہے + جب اس نے یہ کہا کہ یہ کاہنہ عزا غیر فانی ہے تو ہم نے اسے جھٹلایا کیونکہ دنیا میں کوئی شے غیر فانی نہیں + اس کی قوتوں کے ذکر کا بھی ہم نے مذاق اُڑایا جس سے اُسے بہت غصہ آ گیا۔ اور کہنے لگا۔ "تمہارا بدھ اس قدر قوی نہیں ہے جتنی وہ ہے اور تم سے بدلہ لے کر وہ اپنی قوت آشکارا کر دے گی" اس کے بعد ہم نے اسے کھانا دے کر دیر سے نکال دیا۔ جاتے جاتے اس نے کہا کہ "جب میں واپس آؤں گا تو تم پر حقیقت کھل جائے گی۔ کہ کون جھوٹا تھا"۔ پھر ہمیں معلوم نہیں کہ اس پر کیا گزری۔ اس نے ہمیں وہ راستہ نہ بتایا + ہمارا خیال ہے کہ وہ کوئی خبیث روح تھی جو ہمیں ڈرانے آئی تھی۔ لیکن ناکام واپس گئی"۔

یہ ہے اس عجیب و غریب تحریر کا خلاصہ۔ اس کی دریافت نے باوجود
عدم تفصیل ہمارے دلوں میں امیدوں کا ہیجان برپا کر دیا۔ روزنامچہ میں
پھر کہیں اس اجنبی یا اس کے وطن کا تذکرہ نہیں تھا۔ لیکن اس تاریخ سے
ایک سال کے بعد روزنامچہ یکایک ختم ہو گیا تھا۔ نہ اس میں کسی غیر معمولی
حادثہ کا ذکر تھا۔ نہ ایسی کسی توقع کا اظہار۔ بلکہ آخری بات جو تھی وہ یہ
تھی کہ نئے غلہ کی کاشت کے لئے نئی زمین اوقافِ دیر میں شامل کرنے کی
تجویز در پیش تھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت راہبوں کو کسی خطرہ
کی توقع نہ تھی۔ ہم متحیر تھے کہ شاید اس ماورائے جبال کے باشندے نے
اپنے قول کی تصدیق میں ان لوگوں پر جنہوں نے اسے پناہ دی تھی۔ اس
کاہنہ کا غصہ نازل کرا دیا ہوگا۔ جس کو عزا کے نام سے موسوم کیا گیا تھا۔
ہمیں یہ ہی حیرت تھی کہ یہ عزا کون ہے اور کیسی ہے۔

اس دریافت کے اگلے دن ہم بوڑھے کاہن کو منت کر کے کتب خانہ
میں لے گئے اور مندرجہ بالا واقعات پڑھ کر سنائے اور دریافت کیا کہ آیا اسے
کچھ اس کے متعلق علم ہے؟ اس نے اپنے بڑے سر کو جس میں مجھے ہمیشہ
بھوسے کی شباہت معلوم ہوتی تھی۔ ہلا ہلا کر کہا:۔

"بہت کم۔ بہت کم اور وہ بھی صرف اس یونانی لشکر کے متعلق جس کا
اس تحریر میں ذکر ہے"۔

ہم نے پوچھا "وہ کیا" تو بوڑھے نے کہا۔

"مقدس بدھ کے مت کا آغاز تھا تو میں ایک ادنٰے راہب کی حیثیت
سے اسی دیر میں آباد تھا۔ یہ دیر اسی زمانے میں سب سے پہلے تعمیر ہوا تھا۔
میں نے لشکر کو گذرتے دیکھا ہے اور بس۔ اس جگ میں وہ میرا پچاسواں
جنم تھا۔ نہیں نہیں میں بھول گیا۔ مجھے ایک اور لشکر کا خیال رہا۔ یہ جنم میرا
تہتروان جنم تھا[1]۔

[1] بدھ مت کے پیرووں کی سوانح عمریوں اور ان کے ادبیات کے طلبا جانتے ہیں کہ یہ لوگ

اس بکواس پر ایبن کو ہنسی آنی شروع ہوئی۔ لیکن میں نے میز کے نیچے سے اس کے پاؤں میں ٹھوکر دی۔ جس پر اس نے ہنسی کو مصنوعی چھینک میں بدل دیا۔ اور یہ بہت خوب ہوا۔ ورنہ اس طرح کی تضحیک سے بوڑھے میزبان کے جذبات کو سخت صدمہ پہنچتا۔ علاوہ بریں ایسے حالات میں ہمیں مسئلۂ تناسخ پر مذاق اُڑانا ہرگز واجب نہ تھا۔ اس پر دنیا کی ایک چوتھائی آبادی کا ایمان ہے۔ یہ سب لوگ گو بت پرست ہیں تاہم بالکل گئے گذرے نہیں۔ میں نے کہا:۔

"اے عارف پاک باطن! میں حصول علم کے لئے پوچھتا ہوں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جب کہ موت کے ساتھ حافظہ ختم ہو جاتا ہے"؟

کاہن "آہ برادر حنیف! حافظہ فنا ہوتا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اکثر اوقات پھر واپس بھی آجاتا ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کے ذہن میں جو منازل طریقت میں بہت کافی جادہ پیمائی کر چکے ہوں۔ مثلاً میرے ذہن سے یہ واقعہ بالکل محو ہو چکا تھا۔ مگر جب تم نے یہ حصہ پڑھ کر سنایا تو سارا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ گویا لشکر گزر رہا ہے۔ اور میں دوسرے راہبوں کے ہمدوش بدھ کے بت کے سائے میں اس سطح مرتفع کے کنارے پر کھڑا ان کا تماشا دیکھ رہا ہوں۔ یہ لشکر بہت بڑا نہیں تھا کیونکہ اکثر لوگ فاقوں سے مر گئے تھے۔ یا راستے دشمنوں نے مار ڈالے تھے۔ اور ان کے تعاقب میں وہ وحشی قوم تھی۔ جو ہمارے جنوب کی طرف آباد تھی۔ بیچارے جان بچانے کے لئے بھاگے جا رہے تھے۔ فوج کا سردار قوی الجثہ آدمی تھا۔ اس کا نام یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر یاد نہیں آتا .... خیر۔ یہ سردار ہمارے دیر میں آیا اور اس نے اپنی بیوی اور بچوں کے لئے قیام۔ خوراک۔ ادویات اور صحرا کے لئے راہبر مانگے۔ اس زمانے کے رئیس الرہبان نے کہا کہ دیر میں عورت کے داخلہ کی ممانعت ہے۔ اس نے کہا کہ اگر عورت کو داخل نہ ہونے دو گے۔ تو میں اس عمارت کو تہ و بالا کر دوں گا اور تلوار سے اس میں رہنے والوں کو نیست و نابود

کر دوں گا + آپ جانتے ہیں کہ قتل ہونے کے بعد نیا جنم کم درجے میں ہوتا ہے
اور جانوروں کے قالب میں آنا پڑتا ہے ۔ اس لئے ہم نے اس خوف ناک
تقدیر کے بدلے میں اس گناہ کو ترجیح دی + بعد میں الامائے اعظم کے سامنے
اس گناہ کا کفارہ ادا کیا ۔ میں نے اس ملکہ کو بچشم خود نہیں دیکھا ۔ البتہ ان
کی کاہنہ معبودہ کو ضرور دیکھا تھا + ہائے ہائے ..... " اور یہ کہہ کر اس نے
سینہ کوبی شروع کر دی ۔

مجھے اس قصہ میں خاص لطف حاصل ہوا اور اس کی اس حالت پر کہا
"خیر باشد ؟"

کاہن : "خیر باشد کیا ۔ میں لشکر کو تو بھول گیا ہوں ۔ لیکن اس کاہنہ کو کبھی
نہیں بھولا + میرے بے شمار قالبوں میں نجات کے حصول میں اس عورت
کا وجود حائل رہا ہے + میں ادنے راہب کی حیثیت سے اس کاہنہ کے لئے حجرہ
صاف کر رہا تھا کہ اس نے داخل ہو کر اپنا نقاب الٹ دیا ۔ اور مجھے نوجوان دیکھ
کر مجھ سے باتیں کرنے لگی + مجھ سے بیسیوں سوال کئے جن میں سے ایک یہ بھی
تھا کہ آیا مجھے کسی حسینہ پر دو دفعہ نظر ڈالنا اچھا معلوم ہوتا ہے یا نہیں"۔

امین نے بیتابی سے پوچھا "اس کی صورت کیسی تھی ؟"

کاہن : "اس کی صورت ؟ اوہو ! وہ حسن مجسم تھی ۔ اس کا جمال رشک صبح
صادق تھا ۔ اس کا نورانی چہرہ بدر کو شرمندہ کرنے والا تھا اور اس کا پیکر
روکش یاسمن تھا + برادرِ من مجھ سے اس کی صورت کا حال نہ پوچھو ۔ میری
زبان میں یارائے توصیف نہیں + استغفر اللہ ! میں اپنے کئے پر محجوب ہوں
اور تم مجھے اپنے گناہ فاش کرنے پر مجبور کرتے ہو + نہیں نہیں ! میں اپنی
خطا کاری کا اعتراف کرتا ہوں ۔ تاکہ تمہیں یہ پتہ لگ جائے کہ تمہاری
طرح میں بھی جسے شاید تم پاکیزہ خیال کرتے ہو ۔ آلودہ دامن ہوں + اس
عورت نے اگر وہ عورت تھی ۔ میرے سینے میں آگ مشتعل کر دی ۔ بلکہ اس
سے بھی زیادہ + اور یہ کہہ کر کاہن جھومنے لگا اور اس کی آنکھوں سے

آنسو رواں ہو گئے) اس نے مجھے اپنی پرستش پر مجبور کر دیا + وہ اس طرح کہ
پہلے اس نے مجھ سے میرے اعتقاد کے متعلق سوال کیا + میں نے کمال اشتیاق
سے اس امید میں تمام مسائل بیان کئے کہ شاید اس کے دل پر اثر پیدا ہو
جائے پھر اس نے کہا " خوب تمہارا طریقہ ترکِ دنیا ہے اور تمہاری نجات
محض توہم لاشے ہے۔ جس کے حصول کے لئے کوئی دانشمند اتنی صعوبات
برداشت کرنا مناسب نہیں سمجھ سکتا۔ اب میں تمہیں زیادہ مسرت آفرین
مسلک بتاتی ہوں اور زیادہ بہتر معبودہ دکھاتی ہوں "۔ میں نے پوچھا وہ کیا"۔
اس نے کہا۔ " وہ مسلک عشق و حیات ہے جو کل کائنات کی ہستی کا اصلی سبب
ہے اور جس کی وجہ سے۔ اے نجات کے متلاشی! تیری ہستی وجود میں آئی۔
اور اس معبودہ کا نام فطرت ہے" پھر میں نے پوچھا کہ وہ معبودہ کہاں ہے
تو اس نے اپنی قامت دراز کو شاہانہ انداز سے تان کر اور اپنے سینہ سیمیں
پر ہاتھ مار کر کہا۔ " اَنَا ہِیَ (وہ میں ہوں) جھک جاؤ اور میری عبادت کرو"
بھائیو! میں جھک گیا۔ میں نے اس کے قدموں پر بوسہ دیا + پھر میں اُٹھ
کر اپنا شکستہ دل سنبھالے ہوئے بھاگا۔ مجھے بھاگتا دیکھ کر وہ ہنسی اور
کہا۔ " اے مہاتما بدھ کے پجاری! جب تم عدم میں پہنچ جاؤ گے۔ مجھے
یاد رکھنا۔ کیونکہ گو میں بہروپ بدل لیتی ہوں۔ موت میرے لئے نہیں بنی۔
اب جب کہ تم ایک بار مجھے سجدہ کر چکے ہو۔ میں : ہاں بھی تمہارا ساتھ نہ
چھوڑوں گی +

بھائیو! یہ حقیقت ہے۔ اگر چہ میرے گناہ کا کفارہ ادا ہو چکا ہے اور
اس کی وجہ سے مجھے بہت سے شدائد برداشت کرنے پڑے ہیں۔ تاہم اس
کے خیال سے میرا چھٹکارہ محال ہے۔ اور میرے لئے نجات اُخروی کوسوں
دور ہے" +

یہ کہہ کر کاہن نے اپنے سوکھے ہوئے ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا اور
سسکیاں لینے لگا + ناظرین خیال کرتے ہوں گے کہ ایک ہشتاد سالہ

بوڑھے کا ایک خواب میں دیکھی ہوئی عورت کے خیال سے جسے وہ دو ہزار سال پہلے اپنے جنم میں دیکھنا یقین کرتا ہے۔ اس طرح رونا عجب مضحکہ انگیز نظارہ ہوگا۔ لیکن مجھے اس کی حالت سے خاص ہمدردی پیدا ہوئی + ایمن کے دل پر بھی اثر پیدا ہوگیا تھا + ہم نے اسے بہت کچھ تسلی تشفی دی کہ یقیناً وہ کسی خبیث وہم کا شکار ہوگیا ہے اور اگر درحقیقت اس سے کوئی گناہ سرزد ہوگیا ہے۔ تو اب تک کب کا بخشا جا چکا ہوگا + جب ذرا اس کی طبیعت قابو میں آئی تو ہم نے اس سے اور معلومات حاصل کرنے کی بھی کوشش کی۔ لیکن پھر وہ اس معبودہ یا کاہنہ کے متعلق اور کچھ نہ بتا سکا + اس نے صرف اس قدر کہا کہ "مجھے یہ علم نہیں کہ اس کا مذہب کیا تھا۔ اتنا مجھے ضرور یقین ہے کہ کچھ ہی ہو باطل تھا وہ اگلی صبح فوج کے ساتھ چلی گئی۔ پھر مجھے نظر نہ آئی۔ نہ اس کے متعلق پھر کبھی کچھ سنا + اس کے جانے کے بعد میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کے پیچھے جانے سے بچنے کے لئے میں ایک ہفتہ تک مقفل حجرے میں بند رہوں + مجھے ایک بات ضرور معلوم ہوئی تھی کہ فوج کی اصل سردار یہی کاہنہ تھی۔ نہ کہ بادشاہ اور ملکہ۔ بلکہ ملکہ کو اس سے سخت نفرت تھی + اسی کے ایما سے یہ لشکر شمال کی طرف پہاڑوں کی پرلی طرف کے ملک میں آباد ہونے اور اس کی عبادت جاری کرنے کے لئے گیا تھا +

ہم نے پوچھا آیا واقعی ماوراء الجبال کوئی ملک آباد ہے تو کاہن نے کہا کہ "میں تو یقین کرتا ہوں کہ ضرور اس طرف آبادی ہے + یہ تو موجودہ جنم میں یا اس سے پہلے میں نے سنا ہے کہ اس ملک کے لوگ آتش پرست ہیں یہ بھی یقینی واقعہ ہے کہ تیس سال ہوئے ایک راہب اس سامنے والی پہاڑی کی چوٹی پر مراقبہ کرنے گیا تھا + اس نے آکر بیان کیا کہ میں نے ایک عجیب و غریب چیز دیکھی ہے وہ ایک روشنی ہے جو سامنے کے پہاڑ کے پیچھے چمکتی ہے + خدا جانے یہ صرف رویا ہے یا حقیقت + ہمیں اتنا ضر

یاد ہے کہ اُسی زمانہ میں یہاں زلزلہ محسوس ہوا تھا۔

اس جگہ پہنچ کر پھر کاہن کے معصوم دل کو اپنے وہمی گناہ کی یاد نے آدبایا اور وہ روتا ہوا چپکے سے نکل گیا۔ پھر ہفتہ تک نہ نظر آیا نہ پھر کبھی اس موضوع پر ہم سے گفتگو کرنے پر رضامند ہُوا۔

ہم آپس میں اکثر امید و حیرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس بات کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ آخر ہم نے ارادہ کر لیا کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر ہم بھی چڑھ کر دیکھیں گے۔

باب سوم

علامت نور

دلاور ملک شبخیزی گر از اندوہ نگریزی

دم صبحت بشارتہا بیار و زاں نگار آخر

آٹھ دن کے بعد ہمیں پہاڑی پر جانے کا موقعہ مل گیا۔ وسط سرما میں طوفانِ باد بند ہو گئے۔ کہر جمنے لگی۔ اس طرح برف کے تودوں پر چلنا آسان ہو گیا۔ راہبوں سے ہمیں یہ پتہ چل گیا تھا کہ اس زمانے میں پہاڑی بکریاں اور ایک خاص قسم کے بارہ سنگھے پہاڑوں سے اُتر کر وادیوں میں پناہ گزیں ہوتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ان لوگوں سے کہا کہ ہم شکار کی تلاش میں جاتے ہیں۔ بہانہ یہ کیا کہ ایک جگہ بند رہنے سے ہمارے اعضا میں سستی پیدا ہو گئی ہے اور ہمیں ریاضتِ جسمانی کی اشد ضرورت ہے۔ ہمارے مذہب

ہیں شکار کی ممانعت نہیں + ہمارے میزبانوں نے کہا کہ موسم کا کوئی اعتبار نہیں
نہ معلوم کب تغیر پذیر ہو جائے۔ ایسی حالت میں شکار کو نکل کھڑے ہونا
خطرے سے خالی نہیں۔ تاہم اس پہاڑ پر جس پر تم لوگ جانا چاہتے ہو۔ ایک
قدرتی غار ہے۔ اگر موسم میں خرابی واقع ہوئی تو اس میں پناہ لے سکتے ہو +
چنانچہ ایک راہب نے جو سب سے کم عمر کا تھا اور نسبتاً مضبوط تھا۔ رہبری
کا وعدہ کر لیا + ہم نے کھالوں کا ایک خیمہ سا بنایا اور اپنے بکرے پر جو اب
خوب مضبوط اور توانا ہو گیا تھا۔ خوراک۔ کپڑے اور یہ خیمہ لاد کر علی الصباح
روانہ ہو گئے + اس راہب کی راہبری میں دوپہر سے پہلے ہم پہاڑی کے
شمالی چڑھائی پہ پہنچ گئے + یہاں غار موجود تھا۔ اس کا دروازہ ایک چٹان
کی وجہ سے جو اس کی پیشانی پر جھکی ہوئی تھی۔ برف سے محفوظ تھا۔ یقیناً کسی
موسم میں یہاں وحشی جانور کثرت سے آتے ہوں گے۔ کیونکہ سوکھے ہوئے
گوبر کے چاروں طرف ڈھیر موجود تھے۔ اس سے ہمیں ایندھن کی طرف
سے اطمینان ہو گیا +

ان کے باقی حصہ میں ہم نے خیمہ غار کے اندر نصب کر کے اس کے
سامنے آگ جلائی۔ پھر پہاڑ کی چوٹی کا جائزہ لینے لگے + راہب سے ہم
نے یہ کہا۔ کہ ہم شکار کی تلاش میں ہیں + اتفاق یہ ہوا کہ واپسی پر ہمیں ایک
محفوظ مقام پر کچھ بھیڑیں چرتی ہوئی نظر آئیں + اس مقام پر گرمیوں میں
پانی چلتا تھا۔ اور سردیوں میں خاص قسم کی گھاس پیدا ہوتی تھی + آج تک
اس طرف کوئی شکاری نہیں آیا تھا۔ اس لئے ہم نے آسانی سے دو بھیڑیں
مار لیں + اس سردی میں گوشت کے خراب ہونے کا اندیشہ ہی نہیں تھا۔ اس
لئے اب ہمارے پاس ہفتہ عشرہ کے کھانے کا کافی سامان ہو گیا + ہم بھیڑوں
کو کھینچ کر خیمہ کے پاس لے آئے اور شام کے جھٹپٹے میں ان کی کھالیں
اتار کر گوشت کے ٹکڑے کر لئے +

شام کو ہم نے تازہ گوشت کھایا + راہب اگرچہ جانداروں کو مارنے

کے خلاف سخت اعتقاد رکھتا تھا۔ لیکن گوشت کی خوشبو اور ذائقہ سے اُس نے بھی خاص حظ حاصل کیا۔ اس کے بعد چونکہ سردی کا درجہ صفر سے بھی کئی درجہ گر گیا تھا۔ اس وجہ سے کھالیں اور کمبل لپیٹ لپیٹ کر لیٹ رہے۔ راہب تو فوراً خواب خرگوش کے مزے لینے لگا۔ لیکن ایبن کو اور مجھے ذرا نیند نہ آئی۔ پہاڑ کی چوٹی پر انکشاف حقیقت کے خیال نے ہمارے دلوں کو بیتاب رکھا۔

علے الصباح فضا پُرسکون تھی۔ راہب صبح ہی دیر کی طرف چل دیا۔ ہم نے بھی دو ایک دن میں واپس پہنچنے کا وعدہ کر لیا۔ آخر کار ہم دونوں کو پھر تنہائی نصیب ہوئی اور فی الفور ہم نے اس پہاڑ پر چڑھائی شروع کر دی۔ چوٹی کی بلندی کئی ہزار فٹ تھی اور بعض جگہ چڑھائی دشوار گذار تھی۔ تاہم نرم برف کی تہہ نے آسانی پیدا کر دی۔ دوپہر کے قریب ہم چوٹی پر جا پہنچے۔ اس جگہ سے نظارہ بڑا شاندار تھا۔ پیچھے وسیع صحرا پھیلا ہوا تھا۔ اس کے پرے سامنے اور دائیں بائیں برف پوش پہاڑوں کا عظیم الشان سلسلہ تھا۔ ہزاروں چوٹیاں بہ ہیئات عجیب ایک دوسرے کے پیچھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی دکھائی دیتی تھیں۔ ایبن نے کہا:۔

"کئی سال ہوئے جس طرح ان پہاڑوں کو میں نے رویا میں دیکھا تھا آج اسی طرح بالکل اسی طرح بیداری میں ان کا نظارہ کر رہا ہوں۔"

میں نے پوچھا" وہ نور آتشین کہاں تھا؟"

ایبن نے شمال مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا "میرا خیال ہے کہ اس طرف۔"

چنانچہ وہاں ٹھہرنا خطرناک سمجھ کر اور واپسی پر اندھیرا ہو جانے کے خوف سے ہم فوراً واپس ہوئے اور غروب آفتاب کے قریب غار میں آ پہنچے۔ اس کے بعد چار روز تک ہمارا یہی معمول رہا۔ ہر صبح ہم اس برفستانی چوٹی پر جاتے تھے اور سہ پہر کو واپس آ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایبن اس تواتر سے گھبرا اُٹھا۔ چوتھی رات بجائے خیمہ میں سونے کے ایبن خیمہ کے باہر

بیٹھا رہا میں نے سبب پوچھا۔ تو اس نے کہا "میری مرضی"۔ اس لئے میں اسے اکیلا چھوڑ کر اندر جا کر لیٹ گیا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ آج اس کا مزاج برافروختہ ہے۔ ناکامی کے بوجھ نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اور اس میں اس سے اور بھی اضافہ ہوا کہ دیر تک اسی حالت کے قائم رہنے کا یقین نہ تھا۔ خدا جانے کب موسم پہلو بدل لے۔ پھر چوٹی پر چڑھنا ناممکن ہو جائے گا۔

آدھی رات کے قریب امین کے ہلانے سے میری آنکھ کھلی۔ امین نے کہا:۔

"حنیف! آیئے آپ کو ایک چیز دکھاؤں"۔

میں بددلی سے اٹھا اور کپڑے الگ کر کے خیمے سے باہر آیا۔ امین مجھے غار کے دروازے تک لے گیا۔ اور شمال کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ رات بالکل اندھیری تھی۔ مگر دور افق کے قریب آسمان پر ایک ہلکی سی روشنی کا دھبہ نظر آ رہا تھا۔ جیسے فاصلے پر آگ کے جلنے سے پیدا ہو سکتا ہے۔ امین نے بیقراری سے پوچھا:۔

"آپ اسے کیا سمجھتے ہیں"۔

میں:۔ "میرے نزدیک یہ کوئی خاص شے نہیں ہے۔ کچھ روشن چیز ہو سکتی ہے۔ مثلاً چاند۔ نہیں۔ چاند آج کل کہاں۔ صبح کی شفق بھی نہیں۔ کیونکہ صبح ہونے میں ابھی بہت دیر ہے۔ شاید کوئی چیز جل رہی ہو۔ کوئی مکان یا ارتھی وغیرہ لیکن اس نواح میں ایسی چیزیں کہاں سے آ سکتی ہیں۔ میری تو عقل چکرا رہی ہے"۔

امین:۔ "میرا خیال ہے کہ عکس ہے اور اگر اس وقت ہم چوٹی پر ہوتے۔ تو اس روشنی کو ضرور دیکھ سکتے۔ جس کا یہ عکس ہے"۔

میں:۔ "دیکھ تو سکتے۔ مگر اب نہ ہم چوٹی پر ہیں۔ نہ اس وقت پہنچ سکتے ہیں"۔

امین:۔ "پھر حنیف! ہمیں ایک شب چوٹی پر ٹھہرنا چاہیئے"۔

میں نے ہنس کر جواب دیا۔ "ایسی رات اس جنم میں ہماری آخری رات

ہو گی۔ اگر برف باری شروع ہو گئی"۔
امین:" ہمیں آزمانا ضرور چاہیئے۔ نہیں۔ میں اکیلا آزماؤں گا۔ وہ دیکھئے۔ وہ فوراً غائب ہو گیا"۔

امین سچا تھا۔ وہ عکس غائب ہو گیا اور رات اندھیری کی اندھیری رہ گئی۔ میں نے کہا:" اس کے متعلق صبح کو باتیں کریں گے"۔ اور میں نیند کے غلبے اور پریشانی سے مجبور ہو کر اندر چلا گیا۔ امین وہیں خیمہ کے دروازے پر بیٹھا رہا۔ میں جب صبح کو اٹھا۔ تو ناشتہ تیار تھا۔ میں نے امین کی طرف دیکھا تو امین نے کہا:۔

"میں سویرے روانہ ہونا چاہتا ہوں"۔

میں:" امین! تم دیوانے تو نہیں ہو گئے۔ آخر وہاں ٹھہرنے کی کون سی صورت ہے؟"

امین:" اس کی پرواہ نہیں۔ مگر حنیف میرا جانا لابدی ہے"۔

میں:" اس کے یہ معنے ہیں کہ ہم دونوں کا جانا لابدی ہے۔ بکرے کو کیا کریں؟"

امین:" جہاں ہم چڑھ سکتے ہیں۔ بکرا بھی جا سکتا ہے"۔

چنانچہ ہم نے خیمہ۔ دوسری ضروری چیزیں اور کافی مقدار میں بھنا ہوا گوشت بکرے پر لادا۔ اور روانہ ہو گئے۔ اس دفعہ ہمیں زیادہ طویل رستہ اختیار کرنا پڑا۔ کیونکہ بعض جگہ پہلے موقعوں پر ہم نے سخت برف میں کلہاڑیوں سے پاؤں رکھنے کی جگہ بنا لی تھی اور اس طرح ہم آسانی سے چڑھ جاتے تھے۔ لیکن لدے ہوئے جانور کا اس راستے سے چڑھنا ناممکن تھا۔ آخری چوٹی پر پہنچ کر ہم نے ایک گڑھا کھود لیا اور وہاں خیمہ لگا دیا۔ کھودے ہوئے برف کو ہم نے خیمے کے اردگرد پشتہ کی طرح جما دیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور آہستہ آہستہ تاریکی زور پکڑ رہی تھی۔ ہم بکرے سمیت خیمہ کے اندر اتر گئے اور کھانا کھا کر انتظار میں بیٹھ گئے۔

اُف سردی کا کیا ٹھکانا تھا۔ برف جم جم کر یخ بن رہا تھا۔ اس بلندی

پر سرد ہوا کی تند رو چل رہی تھی اور کپڑے چمڑے میں سے گذر کر ہمارے جسموں میں تیر کی طرح گھسی جاتی تھی۔ خوش نصیبی سے بکرا ہمارے ساتھ تھا۔ ورنہ اس کے جسم کے گھنے بالوں کی گرمی کے بغیر یقیناً ہم مرجاتے۔ اگرچہ ہم خیمہ میں تھے۔ چند گھنٹے ہم انتظار کرتے رہے۔ سونے کا ارادہ موت کی تیاری کے مترادف تھا۔ سوائے ستاروں کے ہمیں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اور ہوا بھی بغیر آواز کے برف پر تیزی سے چل رہی تھی۔ مجھے ایسی زندگی کی عادت تھی۔ رفتہ رفتہ میرے حواسِ ظاہری سست ہوتے گئے۔ اور میری آنکھیں بند ہونے لگیں۔ یکایک ایمن نے کہا:-

"دو دیکھیے مشتری کے نیچے کی طرف کیا ہے۔"

میں نے اس طرف دیکھا۔ وہی سفیدی یا عکس سا نظر آیا۔ جو ہمیں گذشتہ شب دکھائی دیا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں اور بھی کچھ تھا۔ اس عکس کے نیچے عین ہماری سیدھ میں درمیانی چوٹیوں سے عین اوپر کو ہمیں ایک آتشیں چادر سی نظر آئی۔ جس کے درمیان کچھ سیاہ سی شے حائل تھی۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے اُس آگ میں وسعت پیدا ہوئی۔ شعلے دوپہر کو بڑھے اور اس کی قوت اور شدت میں ترقی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی اب وہ سیاہ چیز نمایاں طور پر نظر آنے لگی۔ خدا کی شان یہ سیاہ شے ایک بلند منارے کی چوٹی تھی جس پر ایک تکمہ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ ہمیں اس کا پورا خاکہ نظر آرہا تھا۔ یقیناً یہ "آیت حیات" یا زندگی کا نشان تھا۔

نشان غائب ہو گیا۔ آگ دھیمی ہو گئی۔ پھر پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ بھڑکی اور پھر وہ نشان نظر آیا اور ایک دفعہ پھر غائب ہو گیا۔ تیسری دفعہ پھر روشنی بڑھی۔ جس کی شدت کا مقابلہ برق کی چمک نہیں کر سکتی تھی۔ چاروں طرف آسمان پر نور چھا گیا۔ اور اس نشان کے تکمہ نما سوراخ میں سے جہاز کے فانوس استخبار کی طرح ایک تیز شعاع نکل کر پہاڑوں کی لاتعداد چوٹیوں اور صحرا کی وسیع فضا پر سے ہوتی ہوئی اُس چوٹی پر آکر پڑی۔

جس پر ہم اس کا نظارہ کر رہے تھے۔ اس کی روشنی سے ہمارے سامنے کی برف
ور ہمارے سفید چہرے جگمگا اُٹھے۔ اگرچہ ہمارے دائیں بائیں سخت اندھیرا
تھا۔ میرا قطب نما میرے سامنے پڑا تھا۔ اس روشنی میں مجھے اس کی سوئی
ور ہندسے تک نظر آنے لگے اور سامنے ایک جنگلی لومڑی جو اتفاق سے
دھر آ نکلی تھی بھاگتی ہوئی نظر آئی۔ پھر جس تیزی سے یہ شعاع آئی تھی۔
سی تیزی سے غائب ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ سیاہ علامت اور اس
کے پیچھے کی روشنی کی چادر بھی پنہاں ہو گئی۔ البتہ پرے آسمان پر تھوڑی
دیر تک سرخ عکس سا باقی رہا۔ کچھ دیر ہم دونوں خاموش رہے پھر
یں نے کہا:۔

"حنیف! آپ کو یاد ہے۔ جب ہم حجر لرزاں پر بیٹھے تھے۔ جہاں عذرا
کا برقعہ مجھ پر گرا تھا۔ تو کس طرح وداع کے طور پر روشنی کی شعاع ہمارے
پاس بھیجی گئی تھی۔ جس کی مدد سے ہم دارالموت سے نکلنے کا راستہ پا گئے
تھے۔ اب میرا خیال ہے کہ پھر ہمارے خیر مقدم کے طور پر ہمیں دارالحیات
کا راستہ دکھانے کو وہی شعاع بھیجی گئی ہے۔ جہاں عذرا رہتی ہے۔ جو کچھ
عرصہ کے لئے ہم سے جدا ہو گئی تھی۔"

میں نے اختصار سے جواب دیا "ممکن ہے" کیونکہ یہ معاملہ بحث
یا گفتگو بلکہ حیرت سے بھی بالاتر تھا۔ لیکن میں اس وقت جانتا تھا۔
جیسا کہ اب بھی جانتا ہوں کہ ہم مقدرات کے کسی زبردست کھیل
میں کام کر رہے ہیں۔ ہمارے حصے کے الفاظ پہلے ہی لکھے جا چکے ہیں۔
جو ہم زبان سے نکالتے ہیں اور ہمارا راستہ مقرر ہو چکا ہے۔ جس پر چلنا
ہمارے لئے ضروری ہے۔ اور جس پر چل کر ہم کسی نامعلوم انجام کی طرف
جا رہے ہیں۔ خوف اور شکوک پیچھے رہ چکے ہیں اور امید یقین سے بدل چکی
ہے۔ اس رات کا دھیمی خواب اصلیت سے مبدل ہو چکا تھا اور اس کا وعدہ
جو مر چکی تھی ان صعب اور خالی سالوں میں پورا ہو کر اب ایفا کا وقت

آنکھوں کے سامنے تھا ۔

اب ہم میں خوف و ہراس باقی نہ تھا۔ یہاں تک کہ صبح جب ہم اُٹھے تو طوفان شروع ہو گیا۔ اسی حالت میں ہم پہاڑ سے نیچے اُترے۔ ہر قدم پر جان کا خطرہ تھا۔ طوفانِ برف و باد کی شدت سے ہمارے حواس خمسہ مختل تھے۔ ہم جانتے تھے کہ ہماری جانیں مسحور ہیں۔ ہمیں نہ کچھ دکھائی دیتا تھا۔ نہ ہم سن سکتے تھے۔ توکلت علی اللہ قدم بڑھائے جا رہے تھے۔ ہم بکرے کو دونوں طرف سے پکڑے ہوئے تھے اور وہ اپنی حیوانی عقل سے ہمیں سیدھے راستہ پر لئے جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ شور طوفان کی شدتوں سے بچ کر آخرکار ہم ذبرہ میں جا پہنچے۔ بوڑھے رئیس الرہبان نے خوشی کے مارے ہمیں سینے سے لگایا اور راہبوں نے شکریہ کی دعائیں پڑھیں۔ انہیں یقین تھا کہ ہم مر گئے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ ایسے طوفان سے آج تک کوئی انسان نہیں بچا ۔

ابھی وسط سرما تھا۔ اس انتظار کے مہینوں کی خوفناک صعوبت بیان سے باہر ہے۔ ہمارے ہاتھوں میں ہمارے گنج مقصود کی کنجی تھی۔ سامنے پہاڑوں میں اس کا دروازہ تھا۔ مگر افسوس ابھی اس کا کھولنا محال تھا۔ کیونکہ ہمارے اور اس کے درمیان صحرا حائل تھا۔ جس میں ہوا سے برف سمندر کی لہروں کی طرح لڑھکتا تھا۔ اور جب تک وہ برف نہ پگھلے کسے جرأت تھی کہ اس صحرا میں قدم رکھے۔ مجبوراً ہم دیر تک ٹھہرے رہے اور دلوں پر صبر کی سل رکھی ۔

وسط ایشیا کے اس غیر آباد برفانی خطہ میں بھی آخرکار بہار آتی ہے۔ ایک دن شام کو ہوا میں گرمی محسوس ہوئی اور اس رات بہت کم برفباری ہوئی۔ اگلی شام کو بادل آئے اور صبح کو بجائے برف کے مینہ برسا۔ بوڑھے راہبوں نے آلات زراعت درست کرنے شروع کئے۔ کیونکہ کاشت کا موسم آ گیا تھا۔ تین دن تک بارش ہوتی رہی اور ہمارے دیکھتے دیکھتے

تمام برف پگھل گئی۔ چوتھے دن پہاڑوں سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ صحرا پر بھورا اور رنگدار ریت نظر آنے لگا۔ پھر ایک ہی ہفتے میں کل زمین پھولوں سے لد گئی۔ آخر ہماری روانگی کا وقت آ پہنچا۔

بوڑھے کاہن نے مایوسی کے ساتھ ہم سے پوچھا "تم کہاں جاتے ہو۔ اور کس طرف کا ارادہ ہے؟ کیا تمہیں یہاں راحت نہیں؟ کیا تمہاری پاک گفتگو سے معلوم نہیں ہوتا کہ تم ہماری طریقت پر تیزی سے گامزن تھے؟ کیا ہماری ہر چیز تمہاری نہیں ہے؟ آہ! تم ہمیں کیوں چھوڑے جاتے ہو؟"

میں نے جواب دیا "ہم سیاح لوگ ہیں۔ جب ہمیں پہاڑ دکھائی دیتے ہیں تو انہیں عبور کرنا فرض جانتے ہیں"

کاہن نے غور سے ہماری طرف دیکھا اور کہا "پہاڑوں کے پیچھے تمہیں کس چیز کی تلاش ہے اور یہ بتاؤ کہ ایک بوڑھے آدمی سے حقیقت چھپانے میں کیا فائدہ ہے۔ ایسے اخفا اور جھوٹ میں جو بھر کا فرق ہے۔ مجھے اس لئے اپنے اصلی مقصد سے آگاہ کر دو کہ شاید میری دعائیں تمہارے ساتھ رہ کر مفید ثابت ہوں"

میں "مقدس رئیس الرہبان! چند روز ہوئے آپ نے کتب خانے میں ہمیں ایک افسانہ سنایا تھا"

کاہن "(اوپر کو ہاتھ اٹھا کر) خدا کے لئے اس کا ذکر نہ کرو۔ کیوں میری روح کو ایذا دیتے ہو"

میں "توبہ توبہ! ہمارے معزز اور مقدس دوست! خدا نہ کرے ہمیں یہ خیال بھی آئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی داستان والی کاہنہ کا ہمیں بھی دیدار ہو چکا ہے"

کاہن (خاصی دلچسپی سے) "کہئے کہئے"

میں نے اپنی داستان بالاختصار سنائی۔ ایک گھنٹہ تک میں سناتا

رہا اور وہ سر ہلاتا ہوا سنتا رہا۔ بیچ میں دخل ذرا نہیں دیا۔ آخر قصہ ختم ہوا اور میں نے کہا:۔

"اب برائے خدا اپنی عقل کی شمع سے ہماری تاریکی میں روشنی پیدا کیجئے۔ ہماری کہانی فی حیرت انگیز ہے یا نہیں۔ یا خدانخواستہ آپ ہمیں جھوٹا سمجھتے ہیں؟"

کاہن نے اپنے خاص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا:" برادرانِ دیرِ عالم! میں تمہیں جھوٹا کیوں سمجھوں۔ جب سے تم سے ملاقات ہوئی ہے میں جانتا ہوں کہ تم سچے ہو۔ علاوہ ازیں کوئی وجہ نہیں کہ میں اس داستان کو حیرت انگیز سمجھوں۔ تم پر اتفاق سے اس حقیقت کا ذرا سا انکشاف ہوگیا ہے۔ جسے ہم ہمیشہ و غالب سے جانتے ہیں۔ چونکہ اس عورت نے جسے تم نے خود مرتے دیکھا ہے۔ رویا میں اس دیر کا نقشہ دکھایا۔ اور خود ان پہاڑوں کے پیچھے غائب ہو کر تمہیں یہاں کھینچ بلایا۔ تمہیں امید ہے کہ وہ نیا جنم لے کر یہاں آباد ہے۔ کیوں نہیں؟ اس میں کوئی بات عارفانِ حقیقت کے نزدیک ناممکن الوقوع نہیں۔ اگرچہ اس کی پہلی زندگی کا طول ضرور عجائبات سے تھا اور آج تک مشاہدے میں نہیں آیا۔ بے شک وہ تمہیں وہاں مل جائے گی۔ اور بلاشبہ اس کی ہستی یا وجود وہی ہے۔ جس نے کسی پہلی جون میں مجھ سے گناہ کا ارتکاب کرایا تھا۔ ایک نصیحت کرتا ہوں کہ اسے لایموت نہ سمجھ بیٹھنا دنیا میں کوئی چیز باقی نہیں ہے۔ وہ صرف ایک انسانی ہستی ہے۔ جسے غرور یا یوں کہئے کہ اس کی ذاتی رفعت نے اب تک نجات سے محروم رکھا ہے۔ یہ غرور آخر ٹوٹ جائے گا جیسا کہ پہلے ہی ٹوٹ چکا ہے۔ اس حکومت کی پیشانی کے لئے انجام کار تغیر اور فنا کی خاک مقدر ہے اور لازمی ہے کہ اس کی گنہگار روح غم و فراق کی صعوبات سے پاک کی جائے۔ برادر آمین۔ اگر تمہیں وہ مل گئی تو سمجھ لینا کہ پھر کھوئی جانے کے لئے ملے گی۔ اور پھر نئے سرے سے زندگی کا دور شروع ہوگا۔ برادر حنیف!

تمہارے لئے میری طرح نقصان ہی اصل نفع ہے۔ کیونکہ اس طرح ہم بہت سے مصائب سے بچ جاتے ہیں + تم یہاں ٹھہر جاؤ اور میرے ہمدوش عبادت الٰہی میں مصروف ہو۔ چٹان سے ٹکر کھانے میں کیا فائدہ ہے۔ ٹوٹے ہوئے برتن میں پانی ڈالنے سے کیا حاصل ہے + جہاں بے سود مشاہدات کی ریت میں پانی جذب ہوتا جائے گا اور ضائع ہوگا۔ جب کہ تم ویسے کے ویسے ہی پیاسے رہو گے "

میں "پانی سے ریت شاداب ہوتی ہے۔ کل شئی حی بالماء۔ پانی سے حیات پیدا ہوتی ہے۔ اور راحت کا بیج رنج ہے "

امین نے دخل دے کر کہا "عشق قانونِ حیات ہے بغیر عشق کوئی شے زندہ نہیں۔ میں اسی کی تلاش میں ہوں کہ حیات ابدی حاصل ہو۔ میرا یقین ہے کہ ہر شے کی غایت ایک انجام ہے۔ جس کا ہمیں علم نہیں تقدیر مجھے کھینچتی ہے اور میں تقدیر کا کہا کرتا ہوں "

کاہن "(بات کاٹ کر) اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم اپنی ابدی آزادی کو رو رہے ہو۔ میں تم سے بحث کرنا نہیں چاہتا۔ تم اپنے راستے پر چلنے کے مختار ہو۔ دیکھو اس عورت نے اس غلط مذہب والی راہبہ نے ـــــ جو شاید اب بھی اسی حالت میں ہو ـــــ پہلے تم پر کیا کچھ مصیبت نازل نہیں کی + ایک زمانے میں پہلے کسی زندگی کے دوران میں تم نے ایک فطرت کی معبودہ آئیسس کی اطاعت کی قسم کھائی تھی۔ پھر ایک عورت نے تمہیں دھوکا دیا اور تم اس کے ساتھ دور بھاگ گئے۔ وہاں جا کر تمہیں کیا ملا؟ وہی فریب خوردہ منتقم دیوی تھی۔ جس نے تمہیں قتل کیا۔ یا کوئی اس کی عابدہ تھی۔ جسے اس کی مکمل معرفت حاصل تھی اور جسے اس دیوی نے اپنے انتقام کے لئے آلۂ کار بنایا تھا۔ اس معرفت کی وجہ سے اس آلۂ کار یا دیوی نے موت کو جواب دیا۔ کیونکہ اُسے تم سے عشق ہو گیا تھا اور یہ جان کر کہ وہ دوسری زندگی میں تمہیں پھر پا جائے گی انتظار میں زندہ رہی

اگر اس مصیبت سے زندہ رہنے کی بجائے مر جاتی تو عالم بالا میں بہت جلد تمہاری اس کی ملاقات ہو جاتی۔ تم اُسے مل گئے لیکن وہ مر گئی۔ یا مرتی ہوئی دکھائی دی۔ اب وہ پھر پیدا ہو گئی۔ تم یقیناً اس سے ملو گے۔ لیکن پھر وہی مصیبتِ فراق نازل ہو گی۔ میرے عزیز دوستو! پہاڑوں سے پرے نہ جاؤ۔ اور میرے پاس رہ کر اپنے گناہوں سے استغفار کرو۔"

امین "نہیں نہیں۔ ہم ایک عہد واثق کر چکے ہیں جسے توڑنا حرام سمجھتے ہیں"

کاہن "اچھا جاؤ اپنے عہد کو پورا کرو۔ اور جب اس کا نتیجہ نکلے تو میرے الفاظ کو یاد کر لینا + مجھے یقین ہے کہ تمہاری آرزوؤں کے تاکستان سے نکلی ہوئی شراب خون آمیز ہو گی اور اسے پی کر تمہیں اطمینان اور سرور پیدا نہیں ہو سکتا + تم اپنے موہوم جذبات کی پیروی میں جن کے زہریلے نیش سے میں واقف ہوں اپنی عقل گم کر کے اپنی زندگیوں کو ایک اور خوش منظر بلا کے پنجے میں دے رہے ہو + تمہارا خیال ہے کہ اس ملاقات کا نتیجہ حصول معرفت و راحت ہو گا۔ بجائے اس کے تمہاری آرزو یہ ہونی چاہیئے کہ تنہائی میں رہ کر راہبانہ زندگی گذار دو۔ یہاں تک کہ تمہاری روحیں جدا جدا ملاءِ اعلےٰ میں جذب ہو کر ابدی راحت حاصل کر لیں۔ جو صرف عدم میں میسر آ سکتی ہے۔ آہ۔ تم میرا یقین نہیں کرتے اور سر ہلا ہلا کر مسکراتے ہو۔ مگر وہ دن آنے والا ہے۔ خواہ اس زندگی میں یا کسی اور زندگی میں کہ تم انہی سروں کو خاک میں ملو گے اور رو رو کر کہو گے "برادر کاہن تمہارے الفاظ عقل سے پہنچتے اور ہمارے اعمال حماقت سے مملو تھے"

پھر ٹھنڈا سانس بھر کر بوڑھا ہمارے پاس سے چلا گیا + امین نے س طرف دیکھ کر کہا +

"عجب اعتقاد ہے کہ انسان قوائے مدرکہ کو ایک خالی غیر معین عدم میں جسے راحت ابدی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مدغم کرنے کی غرض سے سینکڑوں قالبوں میں پیدا ہو کر مصائب روزگار برداشت کرتا رہے۔

میں اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ خرابات دنیا سے اپنا حصہ جہاں تک ملے حاصل کر کے آیندہ اس سے بہتر جہان کی امید کو میں برقرار رکھوں۔ علاوہ بریں میرا یقین ہے کہ اُسے عذرا اور اس کی قسمت کا ذرہ بھر بھی علم نہیں۔"

میں نے یہی میرا خیال ہے ممکن ہے کہ انجام کار اس کا ہی خیال صحیح ہو۔ کون بالیقین کہہ سکتا ہے۔ پھر دلائل اور بحث کی بھی کیا ضرورت ہے۔ ابھی ہمیں انتخاب کی طاقت حاصل نہیں۔ جہاں قسمت لے جائے گی۔ جائیں گے۔ وقت پر خود پتہ لگ جائے گا۔"

رات بہت آ گئی تھی ہم آرام کے لئے گئے۔ لیکن نیند کسے آنی تھی۔ بوڑھے رئیس الرہبان کی اعلےٰ اور عالمانہ نصیحتوں نے میرے دل پر بہت اثر کیا۔ ان میں پختہ تجربہ کاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور اس قسم کی بصیرت ایسے ہی لوگوں کا خاصہ ہے۔ اس نے پہاڑوں سے پرے ہمارے لئے غم اور خون ریزی کی پیشینگوئی کی تھی۔ جس کا انجام پھر موت اور نئی زندگی کا دور ہو گا۔ ممکن ہے کہ اس کی بات صحیح ہو۔ لیکن کوئی آنے والے حادثات ہمارے قدموں کو پیچھے نہیں ہٹا سکتے تھے۔ اگر کوئی روکنا بھی چاہتا تو اس کی حماقت تھی کیونکہ پھر عذرا کے دیدار کی امید میں ہم ہر چیز کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔ جب میری یہ حالت تھی تو ابین کا کیا حال ہو گا۔

کاہن کے قیاسات کہ عذرا مصر کی وہی دیوی تھی۔ یا اس کی نمایندہ تھی۔ جس کا پجاری قرطلیس تھا۔ یہ کہ شہزادی ایمنارٹس جس کے ساتھ وہ بھاگا تھا اس دیوی کے پاس سے اغوا کر کے لے گئی تھی۔ یہ کہ ایسی دیوی نے متجسم بصورت عذرا ہو کر دونوں سے کور میں بدلہ لیا۔ اور یہ کہ جو کنواں عذرا نے دوسروں کے لئے کھودا تھا خود اسی میں گر گئی۔ عجیب و غریب نظریے تھے۔ اتفاق ہے کہ اسی قسم کے خیالات اکثر میرے دل میں بھی پیدا ہو چکے تھے۔ فرق یہ تھا کہ مجھے عذرا کے حقیقتاً دیوی یا معبودہ ہونے کا یقین تھا۔ یہ ممکن تھا کہ وہ کسی ایسی دیوی کا مظہر ہو۔ یا کاہنہ یا مرسلہ

ہو جسے اس کی مرضی پر چلنے اور اس کے اشارے پر انتقام لینے یا انعام دینے کا منصب سپرد ہو۔ اور خود وہ انسان ہو۔ جس کے دل میں امیدیں اور آرزوئیں پوری ہونے کو تڑپ رہی ہوں۔ اور تقدیر کے لکھے کو پورا کر رہی ہو۔ حق یہ ہے کہ اب جب کہ تمام ماضی ہے اور قصہ ختم ہو چکا ہے۔ میں یہ داستان لکھتے ہوئے غور کرتا ہوں تو اس قیاس کی تائید میں بہت کچھ ملتا ہے اور اس کی تردید کے لئے کوئی خاص مواد نہیں ہے۔ کیونکہ انسانی طاقت سے بڑھی ہوئی قوتیں کسی ہستی کو الٰہیت تک نہیں پہنچا سکتیں۔ دوسری طرف ایک دفعہ بلاشبہ عذرا نے اتنا ضرور کہا تھا کہ وہ "بنت السما" یعنی آسمان کی بیٹی ہے۔ اور اور لوگ بھی کہتے تھے۔ مثلاً ساحر یمبری جنہیں یقین تھا کہ عذرا کی خلقت غیر معمولی ہے۔ ان سب باتوں کا ذکر ترتیب وار کروں گا۔

اس وقت یہی خیال موجزن تھا کہ آخر پہاڑوں کے پرے کیا ہے۔ کیا ہمیں عذرا وہاں مل جائے گی۔ جس کے ہاتھ میں عذرا کی حکومت کا عصا تھا اور زمین پر مغلوب الغضب آئیسیس کی قوت کا استعمال کرتی تھی۔ اور اس کے ساتھ وہ دوسری عورت بھی جس نے غلطی کی تھی۔ اگر ایسا ہوا تو کیا واقعی ان دونوں کا خوفناک غیر انسانی تصادم اس گنہگار بچاری کے گرد انتہائی شدت کو نہیں پہنچ جائے گا۔ ممکن ہے کہ چند ماہ میں شاید چند دن میں ہی ہمیں اس کا علم ہو جائے۔

اسی قسم کے خیالات میں مجھے نیند آ گئی۔ اور میں سو گیا۔



باب چہارم

موت کا پنجہ

شب تاریک و بیم موج و گرداب چنیں ہائل
کجا دانند حال ماسبکساران ساحلہا

اس رات سے تیسرے دن۔ سورج نکلنے کے وقت۔ ہم صحرا کو عبور کر رہے تھے۔ ہم سے ایک میل پیچھے بدھ کا عظیم الشان بت اس کہنہ دیر کے سامنے نصب نظر آ رہا تھا۔ اور اس صاف فضا میں بوڑھے رئیس الرہبان کاہن ہمارے نظر سے اوجھل ہو جانے کے انتظار میں اس بت سے لگا کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔ ہمیں رخصت کرتے ہوئے سب راہب رونے لگے۔ کاہن بچارا تو بہت ہی رویا۔ اسے ہم سے بے انتہا انس ہو گیا تھا۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے:۔

"مجھے رنج ہے۔ بہت ہی رنج ہے۔ اگرچہ ایسے جذبات کا اظہار گناہ میں شامل ہے۔ مجھے صرف ایک بات سے اطمینان ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ اگرچہ میں بہت جلد اس جہان کو خیر باد کہنے والا ہوں۔ تاہم مجھے امید ہے کہ ہم پھر دوسرے قالبوں میں ملاقی ہوں گے۔ پھر جب تم اپنی موجودہ زندگیوں کی حماقت سے توبہ کر چکو گے تو ہم تم اکٹھے راحت ابدی کے راستے پر گام زن ہوں گے۔ میں اپنی دعائیں اور برکت تمہارے ساتھ بھیجتا ہوں۔ اب تم سدھارو۔ مگر یہ دلنشین رکھنا کہ اگر تم واپس آنے کے لئے زندہ بچے تو یہ جگہ تمہارے لئے کھلی ہے"۔

اس پر ہم نے اس سے معانقہ کیا اور ہم روانہ ہو گئے۔
میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ جب ہم پہاڑی کی چوٹی پر اس علامت نور کو دیکھ رہے تھے۔ تو میرے پاس قطب نما موجود تھا۔ میں نے اس کے ذریعہ سے اس علامت کے رُخ کا اندازہ کر لیا تھا اور اب عین شمال مشرق کی طرف اس کی سیدھ میں جا رہے تھے۔ تمام دن موسم کی عمدگی اور صحرا کی سبزہ زار خوشنمائی کا لطف اُٹھاتے ہوئے ہم چلتے گئے۔ کہیں کہیں کبھی پرندوں کے غول نظر آ جاتے تھے۔ بعض جگہ گورخر بھی ملے۔ جو پہاڑوں پر سے نئی گھاس چرنے کے لئے اُتر آتے تھے۔ شام کے قریب ہم نے ایک ہرن مار لیا اور رات کے لئے چیڑ کے درختوں کے نیچے ڈیرہ لگا لیا۔ بکرا اور خیمہ یہ دو چیزیں ہمارے ساتھ تھیں۔ ان درختوں کی سوکھی ہوئی شاخوں سے ہم نے ایندھن کا کام لیا۔ یہاں پانی کی بھی کمی نہ تھی۔ ریت کو ذرا سا کھودنے سے اعلےٰ درجہ کا پانی نکل آتا تھا۔ چنانچہ اس رات ہم نے سیر ہو کر چائے پی اور ہرن کا گوشت پیٹ بھر کر کھایا۔ ہرن کا گوشت اس لئے بھی زیادہ اچھا معلوم ہوا کہ ہمارے پاس جو سوکھا یا ہوا کھانے کا سامان تھا۔ اس کی وجہ سے بچ رہا۔
اگلی صبح کو ہم نے اپنی حالت کا اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ہم صحرا کا چوتھائی حصہ عبور کر چکے ہیں۔ یہ اندازہ بعد میں بالکل صحیح ثابت ہُوا۔ کیونکہ چوتھے دن کی شام کے وقت ہم سامنے کے پہاڑوں کے دامن میں پہنچ گئے۔ اس سفر میں ہمیں نہ کوئی حادثہ پیش آیا نہ تکان محسوس ہوئی۔ ایبن نے کہا کہ اب تک تو سب معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو رہا ہے۔ مگر میں نے کہا کہ عموماً جس مہم کی ابتدا اچھی ہوتی ہے۔ اس کا انجام خراب ہوتا ہے۔ میں غلطی پر نہیں تھا۔ ہماری مشکلات کی ابتدا یہیں سے ہوئی۔ پہاڑوں کی بلندی ہی خوفناک تھی۔ ان کی زیرین چڑھائی پر پہنچنے میں ہمارے دو دن صرف ہوئے۔ سورج کی گرمی نے

برف کو پگلا کر نرم کر دیا تھا۔ اس لئے اس پر چلنا بہت ہی دشوار تھا۔ اور اس کی مسلسل چمک سے ہماری نگاہیں خیرہ ہوگئیں ؂

ساتویں دن کی صبح کے وقت ہم ایک پہاڑی راستے کے کنارے پر پہنچے ۔ جو چکر کھاتا ہوا پہاڑوں کے وسط میں جا رہا تھا۔ چونکہ صرف یہی ایک راستہ قابل گذار نظر آتا تھا۔ ہم اسی پر ہو لئے ۔ یہ دریافت ہو کر اور بھی مسرت ہوئی کہ کسی زمانے میں یہ راستہ شارع عام تھا۔ یہ اس لئے نہیں کہ وہاں کوئی سڑک نظر آ رہی تھی۔ چاروں طرف برف ہی برف تھی۔ اس کا یقین یوں ہُوا کہ اگرچہ ہم خطرناک ملکوں کے کنارے کنارے چل رہے تھے ۔ ہمارا راستہ کافی چوڑا تھا۔ علاوہ ازیں دوسری طرف کی چٹانیں کہیں کہیں انسانی ہاتھ کی کھودی ہوئی تھیں ۔ اس میں شبہ کی گنجایش نہیں تھی۔ کیونکہ یہاں برف نہ ہونے کی وجہ سے کدال سے کاٹی ہوئی ننگی سطح صاف نظر آتی تھی بعض جگہ مسقف راستے بھی نظر آئے۔ جو لکڑی کے شہتیروں سے بنے ہوئے تھے ۔ ان کا رواج اب تک تبت میں پایا جاتا ہے ۔ ایسے شہتیر مدت ہوئی گل سڑ کر گر چکے تھے۔ ان کی جگہ راستہ میں بڑے بڑے غار پڑ گئے تھے۔ جہاں کہیں ہمیں ٹوٹا ہوا راستہ ملتا تھا۔ ہمیں کسی پہاڑی پر سے گھوم کر دوسری طرف پہنچنا پڑتا تھا۔ اگرچہ اس میں بہت وقت ضائع ہوتا تھا۔ لیکن یہ اتفاق ہے کہ کسی نہ کسی طرح ہم پھر اسی سڑک پر آ پہنچتے تھے ؂

سب سے بڑی دِقّت جس میں کوہستانی زندگی کا تجربہ کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا۔ رات کے وقت سردی کی شدت۔ ہمیں مجبوراً اس عظیم بلندی پر برف اور یخ کے تودوں میں ڈیرا لگانا پڑتا تھا۔ جہاں رات کے طویل تاریک گھنٹے ٹھنڈی تند ہوائیں گذارنے پڑتے تھے۔ جو اس درے میں ہمہ وقت چلتی رہتی تھی۔ آخر دسویں دن ہم اس درے

کے انجام پر پہنچے۔ سورج غروب ہونے پر ہم نے وہیں سخت سردی میں ڈیرا لگا لیا + یہ گھنٹے بھی عجب مصیبت کے گھنٹے تھے۔ کیونکہ ایندھن میسر نہ آنے کی وجہ سے ہم پانی گرم نہیں کر سکتے تھے۔ پیاس بجھانے کو برف چباتے تھے۔ ہماری آنکھیں سردی کے مارے نکلی پڑتی تھیں۔ اور نیند عنقا تھی۔ تمام کپڑے اوڑھنے اور بکرے کے جسم سے جسم ملا کر بیٹھنے کے باوجود سردی سے ہمارے دانت بج رہے تھے +

صبح ہوئی اور اس کے بعد سورج نکل آیا۔ ہم خیمہ کو وہیں چھوڑ کر باہر نکلے۔ اور سوگز کے قریب اینٹھے ہوئے دست و پا کے ذریعہ سے درہ کے اس طرف پہنچے۔ جہاں وہ ایک چوٹی کے گرد گھومتا تھا۔ تاکہ وہاں پہنچ کر دھوپ کی گرمی میں اعضا کو تاپیں + کیونکہ جہاں ہمارا خیمہ لگا ہوا تھا وہاں دھوپ نہیں آتی تھی۔ ایمن پہلے اس موڑ پر پہنچا اور چلا کر آواز دی + لمحہ بھر میں میں اس کے پاس جا پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہماری "سرزمین موعود" ہمارے سامنے تھی +

ہم سے ہزاروں فٹ نیچے کی طرف —— یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہم ایک پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے تھے۔ تقریباً دس ہزار فٹ کے فاصلے تک یہ سطح پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ افق میں غائب ہو گئی تھی۔ بادی النظر میں اس کی سطح ہموار تھی اور زمین دریائی میدان کی صورت میں تھی معلوم ہوتا تھا کہ یہ زمین کسی زمانۂ سلف میں کسی بڑی جھیل کی تہ ہوگی۔ جیسی کہ اکثر وسط ایشیا میں دیکھنے میں آتی ہیں اور اکثر رفتہ رفتہ خشک ہو رہی ہیں + اس ہولناک میدان میں صرف ایک برف پوش رفیع الشان پہاڑ حائل نگاہ تھا۔ جس کے نقوش و حدود اس بُعد پر بھی صاف نظر آتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی نظر آتی تھی وہ یہ کہ اُس کے گول دہانے میں سے دھواں نکل رہا تھا۔ جس سے ہم نے اندازہ کیا کہ یہ زندہ کوہ آتش فشاں ہے۔ اور اس دہانے کے دوسرے کنارے پر ایک عظیم

دن تھا۔ جو چٹان کا بنا ہوا تھا اور اس کے اوپر کا سر نگمہ کی طرح حلقہ کی
ورت میں بنا ہوا تھا۔

آخر ہمارے رویا کی علامت جس کی تلاش میں ہمیں اتنے سال سرگردانی
ں گذرے تھے۔ ہمارے سامنے کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر ہمارے دل تیزی
ے دھڑکنے لگے اور جلدی جلدی سانس آنے لگا۔ ایک نظر میں ہی ہم نے
یکھ لیا کہ اس کی بلندی ان پہاڑوں میں سے جہاں ہم کھڑے تھے بلند ترین
ہاڑ کی بلندی سے بھی کہیں زیادہ تھی۔ لیکن ہمیں راستے بھران پہاڑوں کے
ائل ہونے کی وجہ سے یہ نظر نہیں آسکا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ کیونکر
س نگمہ میں سے روشنی نکل کر تمام پہاڑوں پر سے ہوتی ہوئی ہم پر پڑی تھی۔
ب ہم نے صحراوالی پہاڑی کی چوٹی پر سے رات کو اس کا نظارہ کیا تھا۔
ر اس روشنی کا راز بھی معلوم ہوگیا۔ جیسے دہانہ میں سے نکلتا ہوا دھواں
نشا کر رہا تھا۔ یقیناً بعض اوقات کسی زیرزمین ہیجان سے اس دھوئیں
ی جگہ شعلے نکلتے ہوں گے۔ اور ان کی تیز روشنی اس نگمہ کی امداد سے زیادہ
ندت پکڑ کر اس پہاڑی پر پڑتی ہوگی۔

اس کے علاوہ قریباً تیس میل کے فاصلے پر ہمیں ایک سفید چھتوں والا
شہر نظر آیا جو ایک فراخ دریا کے کنارے پر درختوں کے بیچ میں آباد نظر
تا تھا۔ یہ دریا میدان کے آرپار بہہ رہا تھا۔ ہمارے پاس تمام مفید چیزوں
یں سے ایک چھوٹی دوربین رہ گئی۔ اس کی امداد سے ہم نے دیکھا کہ زمین
درختوں کی باڑوں کے ذریعہ سے چھوٹے چھوٹے قطعات میں تقسیم کی گئی
تھی۔ اس کی امداد سے ہم نے دیکھا کہ زمین درختوں کی باڑوں کے ذریعہ سے
چھوٹے چھوٹے قطعات میں تقسیم کی گئی تھی۔ ان میں آبپاشی کیلئے نہریں
جاری تھیں اور نئی فصل کی سبزی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس سے
یہ بھی ثابت ہوگیا کہ اس سرزمین میں کافی آبادی ہے جو گذارے کے لئے
زمین کاشت کرتی ہے۔

ہاں! ہمارے سامنے ہماری سرزمین موعود تھی جس میں وہ پُراسرار پہاڑ کھڑا تھا۔ اور اب ہمارے لئے صرف اس قدر کام باقی تھا کہ ہم ان پہاڑوں کی برفانی نشیب کو عبور کرکے جہاں سے چاہیں اس مملکت میں داخل ہو جائیں۔ یہ تھے ہمارے حماقت آمیز خیالات۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہماری قسمت میں کیا لکھا ہے اور اس نشانِ حیات تک پہنچنے کے لئے کن کن مصیبتوں اور صعوبتوں کا سامنا کرنا ہے۔

ہم سردی اور تکان کو بھول گئے۔ فوراً خیمہ میں واپس آگئے اور جلدی جلدی تھوڑی سی سوکھی غذا کھا کر اور پانی کی جگہ برف کے ٹکڑوں سے پیاس بجھا کر جن سے ہمارے دانتوں میں درد اور جسم میں سنسنی پیدا ہو گئی۔ ہم نے بکرے کو کھڑا کیا اور سامان لاد کر روانہ ہوئے۔ ہماری طبیعتوں میں اس قدر اضطراب پیدا ہو گیا تھا کہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ اس وقت تک ہم نے آپس میں ایک بات بھی نہیں کی۔ یہاں سے اسی سڑک کا سلسلہ چھوٹے چھوٹے پتھر کے میناروں کے ذریعہ سے جاری نظر آیا جو برابر برابر فاصلے پر کنارے کنارے لگے ہوئے تھے۔ ہم تیزی سے اُترائی پر روانہ ہوئے۔ ان میناروں سے طبیعت کو ایک اطمینان ضرور تھا کہ ہم اس سرزمین موعود کو لے جانے والی قدیم شاہراہ پر چل رہے ہیں۔ لیکن ایک خصوصیت کو دیکھ کر دل ڈرتا تھا وہ یہ کہ اب یہ شاہراہ بالکل متروک تھی۔ اور سوائے جنگلی جانوروں کے قدموں کے نشان کے کسی ذی حیات کا سراغ تک نہ ملتا تھا۔ دل کی تسلی کے لئے ہم نے یہ وجہ سوچ لی کہ گرمیوں میں یہ شاہراہ استعمال ہوا کرتی ہوگی۔ یا اس سرزمین کے باشندے خاموشی میں گھر بیٹھے رہنے کے عادی ہو گئے ہیں اور یہ سڑک کام میں ہی نہیں آتی۔

یہ اترائی ہمارے اندازہ سے کہیں زیادہ تھی۔ غروب آفتاب کے وقت ہم ابھی تک دامن پر ہی تھے۔ اور یہ رات بھی برف میں گزارنے

پر مجبور ہو گئے۔ ہم نے اپنا خیمہ ایک بڑھی ہوئی چٹان کے زیر سایہ لگا لیا۔
ہم کئی ہزار فٹ نیچے اتر آئے تھے اس لئے یہاں سردی اتنی شدید نہ
تھی۔ میرا خیال ہے کہ درجۂ برودت ۱۸ یا ۱۹ سے زیادہ نہ تھا۔ بعض جگہ
تابش آفتاب سے برف پگل گئی تھی اور ہمیں اس طرح پانی میسر آ گیا۔
کہیں کہیں پہاڑی بوٹیاں بھی سوکھی سی موجود تھیں۔ بیچارے بکرے
کو بھی غنیمت معلوم ہوئیں اور اس نے خوب پیٹ بھر لیا۔

پھر پو پھٹی اور یہ غیر آباد نہ ختم ہونے والے پہاڑ سرخ رنگ میں
رنگ گئے۔ ہم نے اُٹھ کر کچھ بچا کھچا ناشتہ کیا اور پھر روانہ ہو گئے۔
اب ہمیں وہ سرزمین اور وہ پہاڑ نظر آنے بند ہو گئے۔ کیونکہ بیچ میں
ایک بلند سلسلۂ کوہ حائل ہو گیا۔ جس میں ایک طرف ایک درہ سا نظر آتا
تھا۔ ہم نے اسی طرف قدم بڑھائے۔ میناروں کے سلسلہ سے بھی یہی
واضح ہوتا تھا کہ شاہراہِ قدیم اسی طرف سے گذرتی ہے۔ وہ پہر کے
قریب یہ ہمیں بہت ہی نزدیک نظر آنے لگا۔ ہم نے زیادہ تیزی سے قدم
اُٹھائے لیکن ایک گھنٹہ میں ہی حقیقت روشن ہو گئی۔

ہمارے اور اس درے کے درمیان ایک فراخ کھوہ حائل تھی۔
جس کی گہرائی تین چار سو فٹ سے کم نہ تھی اور اس کی تہ میں سے پانی
کے بہنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اس کھوہ کے عین کنارے پر یہ راستہ ختم
ہو جاتا تھا۔ کیونکہ آخری مینارہ اس کے کنارے پر کھڑا تھا۔ یہ سمجھ میں
نہ آتا تھا کہ ایسی عمودی چٹان پر سے کیسے گذر ہوتا ہوگا۔ ہم انگشت بدنداں
دیکھ رہے تھے کہ ایک حل ممکن ذہن میں وارد ہوا اور امین نے زہر خند
ہنسی سے کہا:۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب سے یہ سڑک غیر مستعمل ہے اس کے بعد سے
یہ کھوہ کسی زیر زمین تغیر کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے"۔

میں نے شاید یہی ہو۔ یا کوئی لکڑی کا پل یا سیڑھی ہو۔ جو کل سڑک ختم ہو

چکی ہے۔ ان سب سے ہمیں کیا غرض سوال تو یہ ہے کہ اب ہم کوئی نیا رستہ ڈھونڈیں ۔

امین:۔ بیشک اگر ہمیشہ کے لئے یہیں بیٹھ رہنا مقصود نہیں تو ہمیں فوراً تلاش شروع کر دینی چاہئے ۔

چنانچہ ہم دائیں طرف کو لوٹے۔ کھوہ کے کنارے کنارے چلتے گئے۔ قریباً کوس بھر کے فاصلے پر ہمیں ایک یخ کا تودہ ملا۔ جس کی سطح پر بڑے بڑے پتھر جمع ہوئے تھے۔ یہ تودہ چٹان کے کنارے پر سے اس طرح نیچے کو لٹک رہا تھا جیسے کوئی آبشار گرتے گرتے جم گئی ہو۔ یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا انجام زمین سے لگا ہوا ہے یا نہیں مختصر یہ کہ اس پر سے اترنے کی کوشش کرنا بعید از قیاس تھا۔ اس کے آگے جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ کھوہ کی گہرائی اور چٹانوں کا سیدھا پن بڑھتا جاتا تھا ۔

چنانچہ ہم واپس آئے اور اس شاہ راہ کے بائیں طرف جستجو میں روانہ ہوئے۔ اس طرف پہاڑوں کی چڑھائیاں پھر شروع ہو گئیں۔ یہاں تک کہ ایک طرف چمک دار برفانی بلندی تھی اور دوسری طرف خوفناک ناقابل عبور کھوہ شام کے قریب ہمیں سامنے کی طرف ایک چھوٹی سی ننگی پہاڑی نظر آئی۔ جو قریباً نصف میل کے فاصلے پر تھی۔ ہم تیزی سے اس کی طرف بڑھے کہ شاید اس کی چوٹی پر پہنچ کر ہمیں اترنے کا کوئی راستہ نظر آ جائے ۔

آخر کار جب ہم چوٹی پر پہنچے تو وہاں بھی یہی نظر آیا کہ جس طرح تودۂ یخ کے پرلی طرف کھوہ گہری ہوتی گئی تھی۔ اور چٹانیں عمودی۔ اسی طرح اس چٹان سے پرے کیفیت تھی۔ نتیجہ یہ کہ شاہراہ کے اختتام سے کم گہرائی کہیں بھی نہیں تھی۔ یہاں تو اس کی گہرائی اتنی تھی کہ اس کی تہ بھی نظر نہیں آتی تھی۔ اگرچہ پانی کا شور یہاں بھی سنائی دیتا تھا۔

اس کے علاوہ یہاں اس کی چوڑائی نصف میل سے زائد تھی۔ ہم حیرانی سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے کہ سورج غروب ہوگیا۔ مطلع ابر آلود تھا۔ اس لئے روشنی یکایک غائب ہوگئی۔ اس چوٹی پر پہنچنے میں ہمیں بہت چڑھائی پر چڑھنا پڑا تھا۔ ایک جگہ تو اونچی اونچی چٹانوں پر لٹک کر چڑھے تھے۔ اس لئے اس اندھیرے میں اس پر سے اترنے کی ہمت نہ پڑی۔ پھر نیچے کی سطح مرتفع میں جہاں سے ہم آئے تھے اور اس مقام میں درجہ برودت کا بڑا تفاوت نہیں تھا۔ تکان سے ہم عاجز آ گئے تھے۔ چنانچہ رات کو یہیں قیام کرنے کا تہیہ کرلیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس فیصلے نے ہماری جان بچا دی۔

بکرے پر سے سامان کھول کر ہم نے ہوا سے بچا کر ایک چٹان کے نیچے خیمہ لگا لیا۔ کچھ سوکھی ہوئی مچھلیاں اور روٹی کے خشک ٹکڑے کھا لئے جو ہمارے پاس بچے ہوئے تھے۔ یہ اس خوراک کا آخری حصہ تھا جو ہم ڈیرے سے ساتھ لے کر چلے تھے۔ اسے کھا کر ہم نے سوچا کہ اگر اب شکار نہ ملا تو ہماری قوت لایموت اس غریب بکرے کا گوشت ہوگا۔ پھر کپڑے لپیٹ لپیٹ کر پڑ کے سو رہے۔

صبح میں زیادہ دیر نہیں تھی کہ ہماری آنکھ ایک ہولناک دھماکے کی آواز سے کھل گئی۔ جس کے بعد متواتر تڑاتڑ کی آوازیں اس طرح آنی شروع ہوئیں جیسے کہیں بندوقوں کی باڑ چل رہی ہو۔

میں نے کہا "الہٰی خیر۔ یہ کیا ہے؟"

ہم خیمے سے باہر نکل کر دیکھنے لگے۔ بکرا خوف سے چلانے لگا۔ ہمیں کچھ نظر نہ آیا۔ تاہم آوازیں کان میں آ رہی تھیں اور ہم نے محسوس کر لیا کہ کیا بات ہے۔ تڑاتڑ اور دھماکے بند ہوگئے اور ایک گڑگڑاہٹ کی آواز آنی شروع ہوئی۔ میں نے عمر بھر میں ایسی خوفناک آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ عجیب و غریب غیر معمولی طور پر مستقل

ہوا کی رو بھی شامل تھی۔ جو پانی کی سیلاب کی طرح ہمیں دھکیل رہی تھی اتنے میں پو پھٹ گئی اور ہماری نظر کام کرنے لگی۔ پہاڑ کی ایک طرف برف کے سمندر کی طرح ہماری طرف کو آ رہی تھی ٭

اُف کیا خوفناک منظر تھا! اوپر کی سیدھی چڑھائیوں پر دو میل سے زیادہ پرے سے یہ طوفان ایک لوٹتے ہوئے پھسلتے ہوئے متحرک جسم کی طرح آگے بڑھ رہا تھا۔ کہیں برف جمع ہو ہو کر بڑی بڑی اچھلتی ہوئی لہریں بن جاتی تھیں۔ کہیں پھٹ کر عمیق اور وسیع وادیاں پیدا ہوتی تھیں۔ اس کی سطح پر منجمد برف کے ذرے اسی طرح اُڑتے تھے جیسے طوفانی سمندر کی سطح پر جھاگ اُڑتا ہے ٭

ہم ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے یہ خوفناک نظارہ دیکھ رہے تھے کہ اس کی پہلی لہر ہماری پہاڑی سے ٹکرائی۔ جس کے زور سے پہاڑی اس طرح لرز گئی جیسے ہوا کے تھپیڑے سے پانی کی سطح پر کشتی لرز جاتی ہے۔ ٹکرا کر یہ لہر آہستہ آہستہ پھٹ گئی اور مہیب قوت کے ساتھ اس کے دونوں طرف پانی کی آبشار کی طرح نیچے کی وادی میں گرنا شروع ہو گئی۔ اس گہرائی میں سے اس کے گرنے کا دھماکا صاف سنائی دیتا تھا۔ یہ تو صرف پیش خیمہ تھا اس کے بعد اس برف کے سمندر کا اصل جسم قریب آ گیا ٭

کبھی لہریں سی آتی تھیں۔ کبھی بیسیوں گز لمبے چوڑے تختے سے آتے تھے۔ اور ہماری پہاڑی سے ٹکرا کر رک جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ چوٹی سے دو پھر پانچ چھ گز کی بلندی تک برف کا انبار لگ گیا۔ یہاں تک کہ ہمیں خوف پیدا ہوا کہ یہ مضبوط پہاڑی اس کے دباؤ کی وجہ سے جڑ سے اکھڑ کر کنکر کی طرح نیچے کے خوفناک خلائے بسیط میں لڑھک جائے گی۔ اس وقت کی تشویش بس خدا ہی جانتا ہے۔ وہ ہوا کی رگڑ کا شور وہ کروڑوں من برف کے دونوں طرف کھوہ میں گرنے کا مسلسل

دھماکا۔ الٰہی الامان۔ الحفیظ ؛

اسی پر بس نہیں ہوئی۔ جب اوپر کا برف گر گیا تو اس کے نیچے سے بڑی بڑی چٹانیں اور پتھر جو شاید صدیوں سے اس کے نیچے دفن تھے اور اپنی جگہ سے ہل چکے تھے لڑھکتے ہوئے آنے شروع ہوئے۔ شروع میں یہ آہستہ آہستہ اٹھتے تھے اور یخ کے ٹکڑے ان کے اوپر اس طرح اڑتے تھے۔ جیسے جہاز کے سامنے پانی کی چھال اٹھا کرتی ہے پھر رفتار میں قوت پیدا ہونے سے ہوا میں اچھل اچھل کر دور دور ٹکراتے تھے پھر اچھلتے تھے یا پوری تیزی سے لڑھکتے تھے اور ہوا میں اڑتے ہوئے یا دامن کوہ پر لڑھکتے ہوئے زور شور سے کھوہ میں گر جاتے تھے۔ بعض ٹکر سے اچھل کر ہمارے سروں پر سے ہوتے ہوئے گذر جاتے تھے۔ بعض ہماری پہاڑی سے ٹکرا کر چکنا چور ہو جاتے تھے۔ اکثر ایسے بھی تھے جو پہاڑی کے ایک طرف ٹکراتے تھے تو اپنے ساتھ منوں کے منہ پتھر توڑ کر اپنے ساتھ لئے ہوئے شہاب ثاقب کی طرح کھوہ میں غائب ہو جاتے تھے۔ یقیناً خوف ناک سے خوف ناک لڑائی میں بڑی سے بڑی گولہ باری اس قدر خوف ناک اور تباہی خیز نہیں ہو سکتی۔

پورے سکون اور خاموشی میں یہ ہولناک اور وحشت انگیز نظارہ پیدا ہوا تھا خاموش پہاڑوں کے پُر عافیت دامن میں سے فطرت کی پوشیدہ قوت نکل کر یکایک آزاد ہو گئی۔ اور اس قوت شدیدہ کے برداشت کرنے اور اس کا خوف ناک نظارہ دیکھنے کے لئے ہم دو انسان منتخب کئے گئے تھے۔ برف کے پہلے حملہ پر ہم دوڑ کر اس چٹان کے سائے میں آکر لیٹ گئے تھے جہاں ہمارا خیمہ برپا تھا۔ اور چٹان کر چمٹے ہوئے پڑے پڑے سب کچھ دیکھ رہے تھے کہ کہیں ہوا کا ریلا ہمیں اڑا کر قعر عمیق میں نہ لے جائے۔ ہمارا خیمہ پہلے جھکڑ میں ہی اڑ گیا تھا اور ہر لمحہ ہمیں اپنے اڑ جانے کا احتمال تھا ؎

پتھر اڑ اڑ کر ہمارے اوپر سے گزر رہے تھے۔ ایک چٹان کی چٹان اس پہاڑی کی چوٹی پر لگی اور اپنے ساتھ اس کے بڑے حصے کو پرزے پرزے کر کے لے گئی۔ ہر ٹکڑا اپنے اپنے انداز میں اڑتا ہوا غار میں گرتا تھا۔ ہمارے لحاظ سے اب تک خیریت تھی۔ ہم نے پیچھے کو دیکھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ غریب بکرا جو خوف و دہشت سے کھڑا ہو گیا تھا۔ مرا پڑا تھا۔ پھر ہم خوف کے مارے خیالات میں غلطاں و پیچاں نتیجے کے انتظار میں پڑے رہے۔ ہمیں یہ حیرت تھی کہ خدا جانے ہم برف کے انبار میں دب جائیں گے یا ہوا کے طوفان میں آ کر اڑ جائیں گے۔ اس وقت تو موت آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔

خدا جانے یہ سلسلہ کب ختم ہوا۔ کم از کم ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکے کیونکہ ایسی حالت میں وقت کا ادراک زائل ہو جاتا ہے۔ آخر پتھروں کی گڑگڑاہٹ کے ختم ہوتے ہی ہوا بند ہوتی محسوس ہوئی۔ ہم احتیاط سے کھڑے ہوئے اور چاروں طرف نظر دوڑائی۔

ہمارے سامنے پہاڑی کی وہ سمت جو پہلے کئی گز گہری برف سے ڈھکی ہوئی تھی ہزار گز کی بلندی اور دو میل کی وسعت تک بالکل ننگی تھی۔ ہماری والی پہاڑی کے اس طرف برف کی تہ چڑھ گئی تھی جو دباؤ سے یخ بستہ ہو گیا تھا اور اس میں پتھر چمک رہے تھے۔ جو آ آ کر اس میں اٹک گئے تھے۔ اس پہاڑی کی چوٹی بھی پتھروں کی بارش میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی تھی۔ جہاں پتھریلی چٹانوں میں کہیں کہیں فولاد خام یا کوئی اور دھات چمکتی تھی۔ پچھلی طرف اس قعر عمیق میں نصف کے قریب برف اور پتھروں کا انبار لگ گیا تھا۔ اس کے علاوہ تمام منظر بالکل اس طرح نظر آتا تھا۔ گویا کچھ وقوعہ ہی نہیں ہوا۔ کیونکہ آفتاب پوری لطافت سے اپنی شعاعیں برسا رہا تھا۔ جو سینکڑوں برف آلود پہاڑیوں پر سے منعکس ہو رہی تھیں۔ ہم پر یہ سب کچھ گزر گیا اور ہم صحیح سلامت اسی

طرح کھڑے دیکھ رہے تھے۔

لیکن آہ! ہماری حالت کیسی خطرناک تھی۔ ہم پہاڑی پر سے اُترنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ ارد گرد دُھنی ہوئی روئی ایسا برف گز وں چڑھا ہوا تھا۔ جس میں دھنس جانا یقینی تھا۔ اس کے علاوہ اب بھی کہیں کہیں ایک آدھ پتھر کی چٹان لڑھک لڑھک کر گر رہی تھی۔ جس کے ساتھ برف کے تودے بھی آتے تھے۔ اگرچہ پہلی بوچھار کے مقابلہ میں ان کی کچھ حقیقت نہ تھی۔ پھر بھی ان میں سے ہر ایک سو آدمیوں کو نیست و نابود کرنے کو کافی تھا۔ چنانچہ یہ صاف عیاں تھا کہ یا تو یہ حالات بدل جائیں یا پیک اجل ہماری دستگیری کرے۔ تو اس مصیبت سے ہماری مخلصی ہو سکتی ہے۔ ورنہ اسی چٹان پر ٹھہرنا بہترین صورت تھی۔

اس حالت میں ہم وہاں بے آب و دانہ خوف سے لرزتے ہوئے بیٹھ گئے۔ دل میں یہ خیال آیا کہ اگر ہمارا دوست کاہن ہمیں اس حالت میں دیکھ لے تو کیا کہے۔ رفتہ رفتہ بھوک نے ہماری تمام حسیات پر غلبہ پا لیا۔ اور بار بار ہماری نگاہ بکرے کے بے سر دھڑ کی طرف اُٹھنے لگی۔

ایمن نے کہا:

"آئیے! اس کی کھال اتاریں۔ بیکار بیٹھنے سے یہ کام ہی سہی۔ رات کو اس کی کھال اوڑھنے یا بچھانے کے کام آئے گی۔"

ہم نے ٹھنڈا سانس بھر کر یہ کام کیا۔ دل کو یہ اطمینان تھا کہ ضرورت نے ہمیں اس کی جان لینے پر مجبور نہیں کیا۔ یہ خیال اس لئے اور بھی پیدا ہوا کہ عرصہ دراز تک تناسخ کے قائل لوگوں میں رہنے سے ہماری طبیعتوں میں بہت سے شکوک پیدا کر دیئے تھے۔ اور ہم سوچتے تھے کہ واقعی اگر یہ سچ ہے تو آئندہ زندگی میں اگر کبھی یہ بکرا انسانی لباس میں آیا اور ہم سے ملاقات ہوئی تو وہ اپنی خدمت کے بدلے میں جان لینے کا شکوہ ضرور کرے گا۔ اب چونکہ وہ مر چکا تھا۔ ایسی دلائل غیر متعلق تھیں۔ ہم نے اس کے

گوشت کی چھوٹی چھوٹی بوٹیاں کاٹیں اور کچے گوشت کو برف میں لپیٹ لپیٹ کر کھا گئے۔ آہ! کیسی قابل نفرت غذا تھی۔ اپنی نظروں میں ہماری وقعت آدم خوروں کی سی تھی۔ لیکن کیا کرتے بھوک سے جان لبوں پر آئی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں حرام حلال کی پابندی محال ہے۔

باب پنجم

قعر عمیق

دیدہ دریا کنم و رخت بصحرا فگنم
واندریں کار دلِ خویش بدریا فگنم

آخر وہ دن ختم ہو گیا۔ ہم نے پھر چند ٹکڑے کچے گوشت کے کھائے۔ جب وہ طوفان شروع ہوا ہے تو چند کپڑے ہمارے نیچے دب کر رہ گئے تھے۔ ہم نے ان کے ساتھ بکرے کی کھال اوڑھی اور لیٹ گئے۔ رات کو سخت کُہر جمی۔ اگر یہ کپڑے اور بالخصوص بکرے کی کھال نہ ہوتی تو ہم مر جاتے۔ پھر بھی رات بھر سخت تکلیف میں بسر کی۔ علی الصباح امین نے کہا:-

"حنیف! میں اس پہاڑی کو چھوڑنا چاہتا ہوں۔ اگر موت ہی تقدیر میں لکھی ہے۔ تو ہاتھ پاؤں توڑ کر مرنے سے سعی میں مر جانا بہتر ہے۔ علاوہ ازیں مجھے یقین ہے کہ ابھی ہماری قضا نہیں آئی"۔

میں نے کہا "بہت خوب۔ اٹھو پھر چلیں۔ اگر اس وقت یہ برف ہمارا

وزن برداشت نہیں کر سکتی۔ تو پھر کبھی بھی اس کی توقع نہیں رکھنی چاہئے"۔
چنانچہ ہم نے کپڑوں اور کھال کو تقسیم کر کے دو گٹھریاں بنالیں۔ اور کچھ گوشت ساتھ باندھ لیا اور اُترنے لگے۔ اگرچہ اس پہاڑی کی بلندی دو سو فٹ سے کم تھی۔ تاہم اس کا دامن فراخ تھا۔ یہ بھی خوبی قسمت تھی ورنہ ممکن تھا کہ اس طوفان میں اس کا دامن بھی اُڑ جاتا۔ اسی سبب سے مسطح زمین اور ہمارے درمیان وسیع خطہ نرم برف سے ڈھکا ہوا حائل تھا۔ پشت کی طرف سے تو اترنا اس لئے ناممکن تھا کہ اس طرف اس کی ساخت عمودی تھی۔ اور ادھر برف کے دباؤ کی وجہ سے پتھر سے بھی زیادہ سخت دیوار بن گئی تھی۔ مجبوراً اس کے ایک طرف نرم برف پر سے گذرنا ضروری تھا۔ اب انتظار بے سود تھا اس لئے ہم فوراً روانہ ہوگئے۔ امین آگے آگے ہر ہر قدم پر برف کی سختی کا اندازہ کرتا ہوا جا رہا تھا۔ رات کی کہر نے اس کی سطح کو ہمارا وزن سنبھالنے کے قابل کافی سخت بنا دیا تھا۔ آدھے فاصلے کے بعد چونکہ دباؤ کم تھا اور اتنی سختی موجود نہ تھی۔ اسے عبور کرنے کو ہم اُلٹے منہ برف کے اوپر لیٹ گئے۔ اس طرح ہمارے وزن نے زیادہ جگہ میں تقسیم ہو کر ہمیں دھنسنے سے بچا لیا اور اس طرح آہستہ آہستہ نشیب پر پھسلتے گئے۔
جب تک بیس قدم کے فاصلے تک خیریت رہی۔ اس سے آگے ایک وسیع اور بلند تودہ باریک دُھنی ہوئی برف کا واقع تھا جو پھسلتے ہوئے اور اُڑتے ہوئے طوفان برف میں سے جھڑ جھڑ کر جمع ہوا تھا۔ اس پر سے امین تو خیریت کے ساتھ پھسل کر نکل گیا۔ لیکن میں نے جو اس کی دائیں جانب دو گز کے فاصلے پر پھسل رہا تھا۔ محسوس کیا کہ میرے نیچے سے سخت برف پھٹی اور میں نیچے کو چلا۔ میں نے مجبوراً جال میں پھنسی ہوئی مچھلی کی طرح ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے اور اس سے رہی سہی سطح بھی پھٹ گئی۔ اور میں نے مایوسی سے ایک چیخ ماری اور برف میں غرق ہوگیا۔

جسے کبھی گہرے پانی میں ڈوبنے کا اتفاق ہُوا ہو گا۔ وہ اس وقت کے احساس کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ نرم برف میں غرق ہونا اس سے بدرجہا زیادہ ہولناک ہے۔ صرف دلدل میں غرق ہونا شاید اس سے زیادہ دہشتناک ہو۔ میں نیچے ہی نیچے ڈوبتا گیا۔ یہاں تک کہ میرے پاؤں ایک چٹان پر لگے جس نے مجھے ہمیشہ کے لئے غائب ہونے سے بچا لیا۔ اب مجھے اپنے اوپر برف ملتا ہوا محسوس ہُوا اور دم گھٹنے لگا۔ غنیمت یہ تھی کہ برف بہت ہی نرم تھا اور پوری طرح اس کے قابو میں آنے سے پہلے میں نے ہاتھوں سے اپنے سر کے اردگرد سے برف ہٹانا شروع کیا۔ جس سے وہاں ایک خلا پیدا ہو گیا اور باریک باریک ہوا وہاں داخل ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ چٹان پر پاؤں جما کر میں نے زور لگایا کہ کھڑا ہو جاؤں۔ لیکن میرے اوپر انتہائی وزن تھا۔ میری امید ختم ہو گئی اور میں مرنے پر آمادہ ہو گیا اور دل ہی دل میں لیسین پڑھنے لگا۔ اس سے میری دحشت میں کمی ہوئی۔ مجھے اپنی گذشتہ زندگی کا کوئی خیال تک نہ آیا۔ جیسا کہ عموماً ڈوبنے والوں کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ ان کے دل میں خیالات پیدا ہُوا کرتے ہیں۔ ایک بات عجیب ہے کہ اس وقت میرے دل میں عذرا کا خیال آیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی ہستی کا مجھ پر کس قدر اقتدار تھا۔ مجھے نظر آیا کہ وہ اور اس کے ساتھ ایک آدمی ایک تاریک غار میں میرے اوپر کی طرف کھڑے ہیں۔ وہ ایک سفری لبادہ پہنے ہوئے تھا اور اس کی خوبصورت آنکھوں سے خوف و انتشار ہویدا تھا۔ پھر گویا میں اسے سلام کرنے کو اُٹھا لیکن اس نے تحکمانہ انداز سے چلا کر کہا:-

"تم پر کیا بلا نازل ہو گئی ہے۔ تو زندہ ہے۔ میرے دل کا مالک امین کہاں ہے؟ بول بول۔ بتا۔ تو نے میرے آقا کو کہاں چھپا دیا ہے نہیں تو ڈوب مر۔"

یہ نظارہ جہاں تک مجھے یاد ہے۔ بہت ہی صاف اور نمایاں تھا۔ اور بعد میں جو واقعات رونما ہوئے ان میں سے ایک سے متعلق کر کے اس کی اہمیت عجیب وغریب ہو جاتی ہے۔ لیکن جس قدر تیزی سے یہ نظر آیا تھا اسی تیزی سے غائب بھی ہو گیا۔ اور ساتھ ہی میرے حواس بھی جاتے رہے۔

مجھے پھر روشنی نظر آئی اور اس کے ساتھ امین کی آواز کانوں میں پڑی وہ کہہ رہا تھا:۔

"حنیف! حنیف! بندوق کا کندہ پکڑ لو" اس کے ساتھ میرے ہاتھ میں کچھ سخت سی چیز محسوس ہوئی۔ میں نے جلدی سے اسے پکڑ لیا۔ میرے بازوؤں پر کھنچاؤ محسوس ہوا لیکن بے سود۔ میں انگل بھر بھی نہ سرکا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ خدا کی قدرت کہئے یا تقدیر کا کھیل سمجھئے میرے پاؤں ایک چٹان کے ایک کنارے پر اٹکے اور اوپر سے کھنچاؤ محسوس ہونے پر میں نے پورا زور اوپر کی طرف کو لگایا۔ یکایک برف نے میرے جسم کو چھوڑ دیا۔ اور اوپر کے زور سے کھچتا ہوا اس طرح باہر آیا جیسے لومڑی بھٹ سے نکالی جاتی ہے۔

میں نکلتے ہی کسی چیز سے ٹکرایا یہ امین کا جسم تھا جو کھڑا بندوق پر زور کر رہا تھا۔ اس تصادم سے امین گر گیا اور ہم دونوں لڑھکتے ہوئے نیچے کو چلے۔ یہاں تک کہ کھوہ کے کنارے پر پہنچ کر رکے۔ میں نے بیٹھ کر زور زور سے سانس لینا شروع کیا۔ اتفاقاً میری نگاہ میرے ہاتھ پر پڑی۔ ہاتھ کی رگیں پھول کر ابھرے ہوئے سیاہ ڈوروں کی طرح تھیں۔ اس سے ظاہر ہوا کہ اگر چند لمحہ اور برف میں دبا رہتا تو بچنا محال تھا۔

امین میرے پاس بیٹھا چہرے پر سے پسینہ پونچھ رہا تھا میں نے اس سے پوچھا:۔

"میں برف میں کتنی دیر دبا رہا"

امین :- ٹھیک اندازہ نہیں۔ تقریباً بیس منٹ لگے ہوں گے"۔

میں :- بیس منٹ مجھے تو بیس صدیاں معلوم ہوئیں۔ تم نے مجھے نکالا کیسے۔ تم اس برف کے برادے پر کھڑے تو ہو نہیں سکتے تھے"۔

امین :- میں نے آپ کو غرق ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اس کے قریب ہی سخت جگہ دیکھ کر بکرے کی کھال بچھائی اور اس پر اوندھا لیٹ کر ہاتھوں سے کھودنا شروع کیا۔ آخر کار مجھے آپ کی انگلیوں کے پورے نظر آئے۔ جن کی نیلاہٹ کی وجہ سے میں انہیں پتھر کا کنارہ سمجھا۔ خدا کا شکر ہے آپ میں جان باقی تھی اور میں نے اسے بندوق کے کندے سے دبانے کی کوشش کی۔ تو آپ نے اسے پکڑ لیا باقی حال آپ کو معلوم ہے۔ اگر ہم دونوں اتنے مضبوط نہ ہوتے تو آپ کا بچنا ناممکن تھا"۔

میں :- حنیف! تمہارا کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں"۔

امین :- (مسکرا کر) میرا شکریہ چہ معنی دارد! کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ میں آیندہ اکیلا ہی سفر کرتا؟ اچھا اب اُٹھئے اگر کچھ ہمت باقی ہے تو آگے چلیں۔ آپ ٹھنڈے بچھونے میں آرام پا چکے ہیں۔ اب کچھ ورزش کرنی چاہئے۔ اور نما شادیکھئے میری بندوق ٹوٹ چکی ہے اور آپ کی برف میں گم ہو گئی ہے۔ اس سے ایک فائدہ تو ہوا کہ ہم کارتوسوں کا بوجھ اُٹھانے سے تو بچ گئے"۔

پھر ہم نے اُٹھ کر شاہ راہ کے اختتام کی طرف روانہ ہو گئے۔ کیونکہ اور کسی طرف جانا بے سود تھا۔ گھنٹہ بھر میں ہم صحیح سلامت وہاں جا پہنچے ایک جگہ برف کا گنبد کے برابر ٹکڑا ہم سے دو قدم کے فاصلے پر لڑھکتا ہوا گزر گیا۔ ایک جگہ ایک بڑی چٹان لڑھکتی ہوئی اس طرح آئی جیسے شیر شکار پر حملہ کرتا ہے۔ یا جس طرح یک چشم دیووں نے سندباد جہازی کی کشتی پر پتھر پھینکے تھے۔ یہ چٹان ہمارے سر پر سے ہوتی ہوئی سناٹے کے ساتھ کھوہ میں جا گری۔ ہمیں ان کی پروا بھی نہ ہوئی۔ ہمارے اعصاب

مردہ ہو چکے تھے اور خوف ناک سے خوف ناک چیز ہمارے دلوں میں دہشت پیدا نہیں کر سکتی تھی۔

آخر وہ سڑک کا سرا آ پہنچا۔ وہاں ہمارے اور بکرے کے قدموں کے نشان برف میں اسی طرح موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر میرے دل پر گہرا اثر پڑا۔ حیرت تھی کہ ہم انہیں پھر دیکھنے کو زندہ رہ گئے۔ ہم نے کھوہ کے کنارے پر سے نیچے کو جھانکا تو یہ حصہ بالکل عمودی تھا۔ اور قطعاً ناقابل گذر۔ امین نے کہا "چلیے اس تودہ یخ پر چلیں"۔ چنانچہ ہم اس کی طرف گئے اور اس کی جڑ کے قریب پہنچ کر غور سے جائزہ لینا شروع کیا۔ ہمارے اندازے کے مطابق۔ یہاں کھوہ کا عمق چار سو فٹ کے قریب تھا۔ لیکن یہ کہنا مشکل تھا کہ آیا اس کا دوسرا سرا زمین میں لگا ہوا ہے یا نہیں۔ کیونکہ قریباً دو تہائی گہرائی کے بعد اس کی سطح کمان کی طرح اندر کو گھوم گئی تھی اور اس پر جمٹی ہوئی چٹانوں نے منظر کو بند کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس سے آگے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہم پھر اوپر چڑھے اور بیٹھ گئے۔ مایوسی ہمارے دلوں پر پوری طرح مسلط ہو گئی۔ میں نے کہا:-

"اب ہم کیا کریں۔ سامنے بھی موت ہے اور پیچھے بھی۔ کیونکہ بغیر خوراک کے ہم ان پہاڑوں کو عبور نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس بندوقیں بھی نہ رہیں۔ جن سے شکار مارنے کی توقع ہی رہتی۔ یہاں بیٹھ رہنے کا انجام بھی فاقے سے موت ہے۔ ہم نے انتہائی کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ امین! اب موت کے سوا چارہ نہیں۔ اگر اب بھی ہم بچ رہے تو معجزہ سے کم نہ ہوگا"۔

امین "معجزہ! یہ تو بتائیے کہ ہمیں اس پہاڑی پر لے جانے والی کیا چیز تھی۔ جس کی وجہ سے ہم برف کے طوفان سے جان بچا نکلے۔ وہ کیا شے تھی۔ جس نے غرق ہوتے وقت آپ کے پاؤں کے نیچے چٹان پیدا کر دی اور مجھے ہمت اور عقل دی کہ آپ کو کھود کھاد کر نکال لیا اور وہ کون سی طاقت تھی

جس نے ہمیں سترہ سال تک ایسے ایسے خطرات سے محفوظ رکھا جن کے برداشت
کرنے کا ہمارے سوا شاید ہی کسی انسان کو موقع ملا ہو۔ یقیناً کوئی خفیہ
قوت کام کر رہی تھی۔ کوئی تقدیر کا لکھا تھا۔ جس کا پورا کرنا ہمارے لئے مقدر
ہو چکا ہے۔ آخر کیا وجہ ہے کہ اب وہ قوت ساکت ہو جائے اور وہ قسمت کا
لکھا مٹ جائے" تھوڑی دیر کے لئے ایمن خاموش رہا پھر کہا:۔
"حنیف! میں آپ سے بالوثوق کہتا ہوں کہ اگر ہمارے پاس بندوقیں،
سامان رسد اور بکرے وغیرہ ہوتے تو بھی میں واپس جانے پر آمادہ نہ ہوتا
ایسا کرنا میری بزدلی کا ثبوت ہوتا اور میری ہستی عذرا کے لئے باعث
شرم ہوتی۔ میں تو آگے بڑھنا چاہتا ہوں"۔

میں "وہ کس طرح؟"

ایمن نے تودۂ یخ کی طرف اشارہ کر کے کہا "اس کے ذریعہ سے"۔

میں "یہ تو موت کا راستہ ہے"۔

ایمن "اگر یہی ہے تو میں سمجھوں گا کہ اس دنیا میں فنا سے ہی بقا حاصل
ہوتی ہے۔ اگر اس طرح ہم ختم ہو جائیں گے تو ہم راستے پر قدم بڑھاتے
ہوئے فنا ہوں گے۔ ممکن ہے جہاں ہماری موت واقع ہو۔ وہیں ہم پھر
دوبارہ پیدا ہو جائیں۔ میں اس ارادہ پر قائم ہو چکا ہوں۔ آپ اپنے لئے
انتخاب کر لیں"۔

میں "مجھے انتخاب کئے ہوئے زمانہ گذر چکا ہے۔ ہم دونوں نے اکٹھا
سفر شروع کیا تھا اکٹھا ہی اسے ختم کریں گے۔ شاید عذرا کو ہمارے
حال کی خبر ہو اور وہ ہماری امداد کرے نہیں تو خیر —— اُٹھو اب وقت
ضائع کرنے سے کیا فائدہ"۔

پھر ہم نے مشورہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ایک چمڑے کی جا
اور بکرے کی کھال کو کاٹ کر مضبوط تسمے بنا لئے اور ان میں گرہیں دے
دے کر دو لمبی لمبی رسیاں بنا لیں اور انہیں اپنی کمر سے باندھ کر ایک

ایک سرا کھلا چھوڑ دیا + ہم نے یہ سوچا تھا کہ اس برف کے تودے پر سے پھسلتے ہوئے یہ رسیاں ہمیں کام دیں گی + پھر ہم نے بچے کھچے چمڑے کے ٹکڑے اور دوسری جانماز کے دو حصے کر کے اپنی پنڈلیوں گھٹنوں اور سینے پر باندھ لیا۔ تاکہ برف اور اس پر جمے ہوئے پتھروں کی رگڑ سے ہمارا جسم محفوظ رہے۔ اسی لئے ہم نے اپنے چمڑے کے دستانے بھی ہاتھوں پر چڑھا لئے + اس کے بعد ہم نے اپنا باقی سامان لپیٹ کر اس میں پتھر کے ڈھیلے رکھ کر کھوہ میں پھینک دیا کہ نیچے پہنچ کر شاید وہ ہمیں مل جائیں۔ تیاری مکمل ہو چکی تھی اور ہم ایک ایسے خطرناک سفر پر آمادہ تھے جس کا نوع انسان میں سے شاید ہی کبھی کسی کو اتفاق ہوا ہو + ہماری زبانیں بند تھیں اور حسرت و یاس سے ایک دوسرے کے منہ کو کھڑے تک رہے تھے + میں نے ایمن کو سینے سے لگا لیا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے + مدتوں جن آرزوؤں اور تمناؤں میں دن گذرے تھے اب ان کا خاتمہ ہونے والا تھا۔ میرا پیارا ایمن جسے میں نے بچپن سے پرورش کیا تھا اور جو اپنے مردانہ حسن و شوکت کے ساتھ میرے سینہ سے لپٹا ہوا کھڑا تھا کچھ دیر میں تڑپتے ہوئے گوشت اور چورہ چورہ ہڈیوں کا لوتھڑا بننے والا تھا + آہ! یہ خیال کس قدر دل شگاف تھا۔ اپنی مجھے کچھ پرواہ نہ تھی۔ میں بڈھا تھا اور میرا انجام نزدیک تھا۔ میری زندگی معصوم گزری تھی۔ اگر اس مجسمۂ خیالی اُس حسن وہمی کی جستجو میں دربدر مارے مارے پھرنا معصومیت کہلا سکتی ہے۔ جس کی خیالی کشش نے کھینچ کر ہمیں اس خوفناک انجام کے آگے لا کھڑا کیا +

نہیں۔ اس وقت مجھے اپنا خیال تک نہیں تھا۔ لیکن ایمن کا خیال رہ رہ کے آتا تھا۔ آخر جب ایمن کے آخری ارادے کے ساتھ اس کے چہرے پر استقلال کی سرخی پیدا ہوئی تو میرے دل سے اس کی جرأت پر آفرین نکلی + میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا دی اور اس نے میرا شکریہ ادا کیا اور آہستہ سے کہا:-

"آ جائیے"

چنانچہ پاس پاس لیٹ کر ہم نیچے کو پھسلنے لگے۔ شروع شروع میں یہ کام بہت آسان معلوم ہوا۔ اگرچہ ذرا سا اختلال توازن ہمیں معدوم کردینے کو کافی ہوتا۔ لیکن ہم مضبوط تھے اور ایسی حالتوں کا کافی تجربہ رکھتے تھے۔ اس قسم کی غلطی کا بہت کم احتمال تھا۔ قریباً چوتھائی راستہ طے کرکے ہم ایک چٹان پر اٹک کر کھڑے ہوئے اور احتیاط سے دوسری طرف کو پھر کر برف سے کمر لگا کر بیٹھ گئے اور سامنے کو دیکھا اُف ہم کیسی خطرناک جگہ تھے! برف کی ڈھلوان قریباً سیدھی تھی۔ سامنے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ کیونکہ قریباً چالیس گز کے فاصلے پر تودے کا آخری بڑھا ہوا موڑ حائل نگاہ تھا۔

اس چکرا دینے والے عمق کا نظارہ دیر تک برداشت نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہم نے پھر برف کی طرف منہ کئے اور پھسلنے لگے۔ اب خطر زیادہ مہیب ہو گیا تھا کیونکہ برف پر چپٹے ہوئے پتھر بہت کم نظر آتے تھے۔ اس لئے کہیں کہیں قدم نہ جمنے کی وجہ سے لڑھک جانے کا احتمال ہوتا تھا۔ لیکن چمڑے کی رسیوں سے بڑی امداد ملی۔ ہم ان کا سرا پتھر کی میں پھنسا کر اس کی مدد سے نیچے کو پھسلتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمارے قدم دوسرے پتھر پر جم جاتے تھے۔ پھر ہم سرے کو کھینچ لیتے تھے۔ آخر ہم اس موڑ پر آ پہنچے جو نصف سے زیادہ فاصلے پر تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اوپر کے کنارے سے اڑھائی سو اور نیچے کی تاریک زمین سے صرف ڈیڑھ سو فٹ کے فاصلے پر یہ موڑ واقع تھی۔ یہاں پتھر تو تھے ہی نہیں۔ مگر نیچے پر بیٹھنے کی جگہ تھی۔ یہاں ہم دم لینے کو بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں امیر نے کہا۔

"ہمیں نیچے کو دیکھنا چاہیئے"۔

سوال یہ تھا کہ نیچے کو دیکھیں تو کیسے۔ صرف ایک صورت تھی وہ

کہ نیچے لٹک کر دیکھیں کہ آگے کیا ہے۔ ہم نے بغیر کچھ کہے سنے ایک دوسرے کے خیالات جانچ لئے اور میں نے آگے بڑھ کر لٹکنے پر آمادگی کا اظہار کیا +
ایمن نے کہا :-
"نہیں۔ میں آپ سے زیادہ توانا اور جوان ہوں۔ آپ میری امداد کریں"
یہ کہہ کر اس نے اپنی رسی کا سرا برف کی ایک مضبوط نوک سے باندھ دیا اور کہا "اب آپ میرے ٹخنے پکڑ لیں" +

اس سے بڑھ کر اور کیا دیوانگی ہوسکتی تھی۔ لیکن اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا۔ میں نے ایک گڑھے میں ایڑیاں جمائیں اور ایمن کے ٹخنے پکڑ لئے۔ آہستہ آہستہ ایمن آگے کو سرکا اور رفتہ رفتہ اس کا نصف جسم کنارے پر سے نیچے لٹک گیا + اس نے خدا جانے کیا دیکھا ہوگا۔ تھوڑی دیر میں مجھے بھی وہ سب نظارہ دیکھنا پڑا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ تقدیر نے تماشا ہی نیا دکھایا یعنی یکایک ایمن کے بھاری جسم کا کل بوجھ ایسے جھٹکے سے میرے بازوؤں پر آپڑا کہ اس کے ٹخنے میرے ہاتھوں سے چھوٹ گئے + واللہ اعلم بالصواب انسانی خاصیت کے تقاضا سے اپنی جان بچاتے ہوئے دہشت کھا کر میں نے دانستہ اس کے ٹخنے چھوڑ دئے۔ اگر ایسا ہوا تھا تو خدا مجھے معاف کرے۔ یہ تو یقین تھا کہ اگر میں نہ چھوڑتا تو اس جھٹکے کے ساتھ میں خلائے بسیط میں گر جاتا + اس کے بعد تیزی سے رسی نیچے کو گئی۔ اور تن کر رہ گئی +

میں خوف کے مارے چلایا "ایمن! ایمن!!" اس کے جواب میں نیچے سے ایک آواز سنائی دی "آؤ" بعد میں معلوم ہوا کہ آواز نے کہا تھا۔ "مت آؤ" لیکن میں نے سوچنے میں وقت نہیں گنوایا۔ بلکہ سامنے کو منہ کئے ہوئے نیچے کو برف پر پھسلنا شروع کیا +

دو لمحہ میں میں کنارے پر پہنچ گیا اور تیسرے لمحے میں اس کے اوپر لٹک گیا۔ نیچے جو کچھ نظر آیا۔ اسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ کنارے

سے چار پانچ گز کے فاصلے پر ایک بڑی سی برف کی سل تھی جو معلوم ہوتا تھا کہ پھٹ کر لٹک گئی ہے۔ یہ سل پندرہ فٹ سے زیادہ طویل نہ ہوگی۔ اور باہر کی طرف کو ڈھلوان تھی۔ اس پر کہیں کہیں پتھر جمے ہوئے تھے اور آخری کنارہ شاید پانی کے ٹپکنے سے یا کسی اور سبب سے باڑ کی طرح بن گیا تھا۔ اس کی سطح کے پتھروں میں میرے کپڑے الجھ گئے اور میں آہستہ آہستہ انہیں چھڑا کر آخری باڑ تک پہنچ گیا۔ یہاں پاؤں لگانے کو کافی جگہ نہ تھی۔ میری ایڑیاں بمشکل اٹکیں۔ اس لئے میں نے ہاتھ پھیلا کر ادھر ادھر ابھرے ہوئے برف میں انگلیاں جمالیں۔ اس وقت میری ہیئیات بالکل ایسی تھی جیسے کسی کو برف کی دار پر مصلوب کیا گیا ہو۔

اس وقت مجھے سب کچھ نظر آ گیا۔ جو کچھ میں نے دیکھا اس سے میرا خون خشک ہو گیا۔ ٹوٹی ہوئی جگہ سے دو تین گز نیچے چٹان اور اس برف کی سل سے دور اس رسی میں بندھا ہوا ایبن لٹک رہا تھا۔ اور آہستہ آہستہ رسی کے ساتھ چکر کھا رہا تھا۔ اس وقت خوف و دہشت کی حالت میں لٹکتے ہوئے اور آہستہ آہستہ چکر کھاتے ہوئے ایبن میں ایسی شباہت آئی جیسے آگ پر لٹکتی ہوئی ران گھومتی ہے۔ اس سے نیچے تاریک قعر تھا۔ جس کی اندھیری تہ میں برف کی چادر سی بچھی ہوئی نظر آتی تھی۔ یہ منظر تھا جو اس وقت میرے پیشِ نظر تھا۔

ناظرین۔ اس مصیبت کا تصور کیجئے۔ میں برف پر مصلوب تھا۔ میری ایڑیاں ذرا سی نوک پر ٹکی ہوئی تھیں۔ میری انگلیوں نے ایسے ابھاروں میں گرفت کر رکھی تھی۔ جن پر چڑھ یا بھی نیچے اٹکا کر بیٹھ نہیں سکتی تھی۔ میرے اردگرد اور نیچے چکرا دینے والا خلا تھا جہاں سے میں پھسل کر آیا تھا وہاں واپس جانا ناممکنات سے تھا۔ بلکہ ذرا سی حرکت مہلک تھی۔ کیونکہ صاف نظر آتا تھا کہ ذرا پھسلا اور گیا۔ اور میرے نیچے رسی میں ایبن مکڑی کی طرح لٹکا ہوا آہستہ آہستہ گھوم رہا تھا۔

میں دیکھ رہا تھا کہ چمڑے کا تسمہ کچھ کچھ کر تن گیا اور گرہیں وزن سے کچھ کچھ کر پکی ہو گئیں + میں حیران تھا کہ دیکھوں پہلے کوئی گرہ کھلتی ہے یا تسمہ ٹوٹتا ہے یا یہ کہ دونوں چیزیں اس وقت تک قایم رہیں گی کہ ایمن کا ایک ایک عضو گل سڑ کر نیچے گر جائے +

اللہ اللہ! میں نے زندگی میں بہت سے مخدوش مقامات دیکھے تھے۔ میں وہی تھا جس نے انوث کی کھوہ کے سامنے سنگ لرزاں سے غار کو پھلانگا تھا اور میری جست اوچھی پڑی تھی۔ لیکن عالم الغیب شاہد ہے کہ ایسے خطرے سے کبھی واسطہ نہیں پڑا تھا۔ جس میں میں اس وقت تھا۔ مرے دل ودماغ پر ایک کرب طاری ہوا اور ہر بن مو سے ٹھنڈا پسینہ جاری ہو گیا۔ پسینہ میرے رخساروں پر آنسوؤں کی طرح بہہ رہا تھا۔ بال بھی اس کی وجہ سے تر ہو گئے + نیچے کامل خموشی میں ایمن تسمہ سے بندھا ہوا گھوم رہا تھا۔ چکر کھاتے ہوئے جب اس کا چہرہ میری طرف ہوتا تھا۔ تو ہماری نگاہیں ملتی تھیں۔ اس کی مایوسانہ حالت کو دیکھ کر خوف آتا تھا۔ اب بھی تصور سے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں +

سب سے بڑا عذاب اس وقت کی تکمل خاموشی اور ہماری امداد سے بعید قابلِ رحم حالت تھی + اگر ایمن شور مچاتا یا کوئی جہد کرتا تو دوسری بات تھی۔ لیکن یہ خیال! کہ ایمن زندہ لٹک رہا ہے اور تمام اعصاب اور حسیات سُن رہی ہیں۔ استغفر اللہ! استغفر اللہ!! +

میرے اعضائو جوارح میں درد شروع ہو گیا مگر میں بال برابر بھی حرکت نہ کر سکتا تھا۔ درد نے شدت اختیار کی اور اس جسمانی اور روحانی عذاب سے میرا دل قابو سے نکل گیا + میری آنکھوں میں گذشتہ واقعات کے نظارے پھرنے لگے۔ مجھے یاد آیا کہ بچپن میں ایک دفعہ میں درخت پر چڑھ کر ایسی جگہ پہنچ گیا تھا۔ جہاں سے نہ آگے جانے کو جگہ تھی نہ پیچھے ہٹ سکتا تھا + اس وقت جو صدمہ دل پر پہنچا تھا وہ آنکھوں

میں پھر گیا + مجھے یاد آیا کہ مصر میں ایک دفعہ میرے ایک خودسر دوست ایک اہرام پر اکیلے چڑھ گئے تھے۔ آخر اس کی چوٹی پر پہنچ کر اترنے کا راستہ نہ ملا۔ اور نصف گھنٹہ تک انہیں وہاں زمین سے چار سو فٹ بلند ٹنگے رہنا پڑا تھا + میری آنکھوں کے سامنے اس کی لٹکی ہوئی ٹانگوں کی تصویر آ گئی۔ جنہیں وہ بار بار نچلے پتھر تک پہنچنے کی امید میں لٹکاتے تھے۔ اور ان کا زرد چہرہ جو خوف و دہشت سے سرخ سنگ خارا کے مقابلے میں سفید معلوم ہوتا تھا۔ سامنے دکھائی دینے لگا + پھر یہ تصویر بھی غائب ہوگئی اور تاریکی ہی تاریکی چھا گئی۔ اس تاریکی میں بلاخیز طوفانِ برف کی وہ دلدل جس میں میں غرق ہوگیا تھا وغیرہ وغیرہ نظارے دکھائی دیتے تھے + معلوم ہوتا تھا کہ ان واقعات کو گذرے سالہا سال ہو چکے ہیں۔ پھر نظر آیا کہ عذرا مجھ سے امین کو مانگ رہی ہے + اس تاریکی اور خاموشی میں مجھے صرف اپنے اعصاب کے چٹخنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ یکایک اس تاریکی میں ایک چمک دکھائی دی۔ اور اس خاموشی میں ایک آواز سنائی دی + چمک امین کے چاقو کی تھی جسے اُس نے نکال لیا تھا۔ اور تیزی سے پورے جوش کے ساتھ اس قصہ کو ختم کرنے کے لئے اپنے سینے کے برابر تسمہ کو کاٹ رہا تھا۔ اور آواز امین کے گلے سے نکلتی تھی، جو کئی دفعہ چاقو چلانے کے بعد آخر کار تسمے کے کٹنے پر اس کی حلق سے برآمد ہوئی + یہ آواز ایک خوفناک شور تھا جس میں دہشت زدہ چیخ اور فتحمندانہ نعرہ دونوں شامل تھے ☆

میں نے چمڑے کو کٹتے دیکھا۔ اس کے کٹے ہوئے حصہ کا چمڑا اوپر اور نیچے کو اس طرح سکڑ گیا۔ جیسے غصے میں بھرے ہوئے کتے کے ہونٹ سکڑ جاتے ہیں۔ اور باقی حصہ کھنچ کر پتلا سا ہوگیا۔ آخر ٹوٹ گیا۔ اوپر کا حصہ زور سے اوپر کی طرف اُڑا اور چابک کی طرح میرے منہ پر لگا۔ اور امین نیچے کو چلا + ایک لمحہ کے بعد میرے کان میں تڑاقے اور

دھماکے کی آواز آئی۔ ایمن زمین پر جا لگا۔ ہائے جیسا کہ میں نے تصور کیا تھا۔ ایمن کی ہڈیاں چکنا چور ہو گئی ہوں گی اور اس کا گوشت قیمہ بن گیا ہو گا۔ میرے لئے یہ خیال ناقابل برداشت تھا۔ میری غیرت اور حمیت جوش میں آئی۔ میں یہاں چمٹا ہوا کب تک موت کا انتظار کروں گا کہ مرے ہوئے پرندے کی طرح خود بخود نیچے گر پڑوں۔ نہیں میں خود جست کر کے ایمن کے پیچھے جاؤں گا۔

میں نے برف کو چھوڑ کر بازو پہلو پر گرا لئے۔ اس حرکت سے جو درد میں آرام محسوس ہوا اس سے عجب لطف حاصل ہوا۔ پھر ایڑیوں پر وزن تول کر کھڑا ہوا۔ آسمان پر نگاہ ڈالی اور بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا پڑھ کر ایک لمحہ تک اس طرح وزن تولے کھڑا رہا۔

پھر دونوں بازو سر سے اونچے اُٹھا کر زور سے "میں بھی آتا ہوں" کہہ کر خلائے تاریک و عمیق میں اس طرح کود گیا جیسے غوطہ خور پل پر سے دریا میں چھلانگ لگاتا ہے۔

باب ششم

باب الدیار میں

بر و اے طبیب از سر کہ خبر ز سر ندارم
بخدا رہا کنم جاں کہ ز جاں خبر ندارم

اُف! اتنی بلندی پر سے فضا کو عبور کرتے ہوئے نیچے آنا کس قدر

مہیب تھا۔ کہتے ہیں کہ لوگ اس طرح گرتے ہوئے بیہوش ہو جاتے ہیں۔
مگر میں بالیقین کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس شکستہ تودۂ یخ سے زمین تک پہنچتے ہوئے میرے حواس کا ثبات قطعاً غیر متزلزل تھا۔ اور اس چھوٹے سے سفر میں جو وقت صرف ہوا عمر بھر میں کسی چھوٹے سفر میں ایسا طویل زمانہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ سفید زمین جاندار شے کی طرح تیزی سے میری طرف اوپر کو آتی ہوئی دکھائی دی۔ یہاں تک کہ ..... ——— ٭

ایک تڑاقے کی آواز آئی ...... ہیں یہ کیا ہوا؟ ..... میں ابھی زندہ تھا۔ اور پانی میں جس کی ٹھنڈک جسم کو محسوس ہوئی نیچے ہی نیچے جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میرے پھیپھڑے پھٹنے کو ہو گئے اور اُبھرنے سے مایوسی ہو گئی ٭

آخر میں رکا اور اُبھرنا شروع ہوا۔ اوپر کو آتے ہوئے مجھے تڑاقے کا خیال آیا۔ جس سے میں نے سمجھ لیا کہ سطح پر یخ کی تہ کو توڑ کر میں پانی میں داخل ہوا ہوں گا۔ اس لئے پھر سطح پر برف کی ٹکر لگے گی۔ اس خیال سے خوف پیدا ہوا کہ یہاں تک قضا کے ہاتھ سے بچ کر کہیں اس برف کی تہ کے نیچے پانی میں دم گھٹ کر نہ مر جاؤں۔ میرا دل بیٹھنے لگا۔ اتنے میں اوپر اُٹھتے ہوئے ہاتھوں کو برف کی تہ محسوس ہوئی۔ میں اوپر اُبھرا اور خدا کا شکر ہے کہ سر لگتے ہی برف پھٹ گیا۔ بات یہ تھی کہ اس تیرہ و تار گہری وادی میں رات کی سردی سے پیسے کی موٹائی کے برابر برف کی تہ پانی پر جم گئی تھی۔ میں نے پانی میں سے سر نکالتے ہی اِدھر اُدھر دیکھا اور پاؤں سے پانی میں تیرنا شروع کیا ٭

مجھے جو نظارہ دکھائی دیا۔ شاید اس سے زیادہ روح پرور نظارہ کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ کیونکہ میری دائیں جانب قریباً دس بارہ گز کے فاصلے پر ایمن پانی میں تیر رہا تھا۔ اس کے بالوں اور ڈاڑھی میں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اور وہ منجدھار سے نکل کر کنارے کی طرف کو آتے

ہوئے برف کی تہ کو اپنے مضبوط بازوؤں سے توڑ رہا تھا۔ اُس نے بھی مجھے دیکھا۔ اس کی خوب صورت آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اور مسرت اندوز آواز میں پکار کے کہا:۔

"کیا خدا کی قدرت ہے۔ ہم دونوں زندہ ہیں اور یہ گہرائی ختم ہو چکی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ قسمت ہماری رہبری کر رہی ہے" میں نے برف میں آگے کو راستہ بناتے ہوئے کہا "یہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ لیکن قسمت کہاں کی رہبری کر رہی ہے؟"

اس وقت مجھے نظر آیا کہ اس جگہ ہم تنہا نہیں ہیں بلکہ ہم سے تیس گز کے فاصلے پر کنارے کے اوپر ایک عورت اور ایک بوڑھا آدمی کھڑے تھے۔ یہ بوڑھا بہت ضعیف تھا اور ایک لمبے عصا پر تکیہ کئے کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بڑھاپا برستا تھا۔ اور اس کے برف جیسے سفید بال اور ڈاڑھی مونچھیں اس کے خمیدہ سینہ اور شانوں پر بکھری ہوئی تھیں۔ چہرے کا رنگ موم کی طرح زردی مائل سفید تھا۔ اور اس کے خدوخال سفید پتھر کے تراشے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ یہ شخص ڈھیلی ڈھالی راہبانہ پوشاک پہنے ہوئے عصا کے سہارے پر ہماری طرف نظریں جمائے کھڑا تھا۔ میں نے پہلی نظر میں ہی یہ سب کچھ بھانپ لیا تھا۔ اگرچہ اس کا ادراک بعد میں ہوا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ عورت نے جو دراز قد تھی ہماری طرف اشارہ کیا۔

کنارے کے قریب پانی کی سطح پر برف نہیں تھا۔ کیونکہ اس جگہ پانی کا بہاؤ بہت تیز تھا۔ یہ دیکھ کر ہم قریب قریب ہو کر تیرنے لگے۔ تا کہ

لہ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس مقام پر عموماً یہ دریا پایاب ہوتا ہے اس طوفانِ برف نے اس کا راستہ آگے کی طرف سے رک کر کئی گز پانی چڑھا دیا تھا۔ چنانچہ یہی طوفان جس سے ہمیں پہلے کچھ دیر موت کا خوف پیدا ہوا تھا درحقیقت ہماری جانیں بچانے کا باعث ثابت ہوا ورنہ اگر دریا اپنی اصلی حالت پر پایاب ہی ہوتا تو پتھروں سے ٹکرا کر ہم چکنا چور ہو جاتے (حنیف)

ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی مدد کرسکیں۔ ضرورت فوراً ہی پیش آگئی۔ کیونکہ عین منجدھار میں میری قوت نے جواب دے دیا۔ اور پانی کی ٹھنڈ سے ہاتھ پاؤں سُن ہوگئے۔ اگر ایبن میرا دامن پکڑ کر مجھے نہ سنبھالتا تو میں رَو کے ساتھ بہہ جاتا اور پتھروں سے ٹکرا کر مرجاتا۔ ایبن کی مدد سے تھوڑی دور تک میں اور بڑھا۔ حتّیٰ کہ ایبن نے کہا:-

"میں نیچے کو چلا یہ تسمہ پکڑ لیجئے"۔

میں نے تسمہ کا سرا جو ایبن کی کمر کے ساتھ لٹک رہا تھا پکڑ لیا۔ ایبن نے ہاتھ آزاد ہوتے ہی آخری شاندار کوشش کی کہ ہم گرداب سے بچ جائیں۔ ہمارے بھاری کپڑے بھیگ کر وزنی ہو گئے تھے اور ہمیں نیچے کو لئے جا رہے تھے۔ ایبن کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اس کوشش میں ناکام رہتا۔ پھر بھی پانی کی تیز رفتاری سے مجھے اندیشہ تھا کہ ہم بچ نہیں سکیں گے لیکن ہماری خطرناک حالت دیکھ کر اس عورت کے کہنے سے وہ بوڑھا حیرت انگیز تیزی سے دوڑ کر ایک پانی سے نکلتی ہوئی چٹان پر آیا جس کے قریب سے ہم بہے جا رہے تھے۔ وہاں بیٹھ کر اُس نے اپنے عصا کا ایک سرا ہماری طرف کو پھیلایا۔

ایبن نے زور لگا کر اس سرے کو پکڑ لیا۔ اگرچہ پانی زور سے ہمیں بہائے لئے جا رہا تھا۔ اسے پکڑ کر ہم رکے اور اس گرداب میں ایک چکر کاٹ کر ہمارے پاؤں پتھر پر لگے۔ ہم نے کھڑے ہونے کی کوشش کی لیکن پانی کے ریلے نے ہمیں پھر گرا دیا۔ لاٹھی کے دوسرے سرے کو مضبوط تھامے ہوئے بوڑھا چٹان سے گرگٹ کی طرح چمٹا ہوا تھا اور اس کے پاؤں وہ عورت تھامے ہوئے تھی۔ ہم لکڑی کے سرے کے سہارے پھر سنبھلے اور کنارے کی طرف بڑھے۔ ابھی ہم خطرے میں ہی تھے۔ بوڑھے نے اپنا ہاتھ پھیلایا۔ پانی کے زور میں ہاتھ پکڑا نہ جا سکا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ بوڑھے کے ہاتھ سے عصا چھوٹ گیا۔ اور ہم پھر بہاؤ پر چڑھ گئے۔

اس موقع پر عورت نے حیرت انگیز جرأت کا اظہار کیا۔ ایک ہاتھ سے بوڑھے کو تھامے ہوئے وہ پانی میں کودی اور دوسرے ہاتھ سے امین کے سر کے بال پکڑ کر کنارے کی طرف کھینچ لائی + اب امین کے قدم جم گئے۔ اور اس نے ایک بازو اس کے نازک جسم کے گرد ڈال کر سہارا لیا اور دوسرے ہاتھ سے مجھے گھسیٹا۔ اس کے بعد سخت جدوجہد ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں۔ امین اور بوڑھا تینوں ہانپتے ہوئے کنارے پر آگرے اور وہیں پڑے رہے ◆

تھوڑی دیر میں میں نے اوپر کو دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ عورت ہمارے سرہانے کھڑی امین کے خون آلودہ چہرے کو جو سر میں زخم آنے کی وجہ سے خون میں بھر گیا تھا۔ اس طرح دیکھ رہی ہے جیسے کوئی خواب میں ہو اس کے کپڑوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس وقت بھی اس کے حسن و شوکت نے میرے قلب پر گہرا اثر کیا۔ اتنے میں معلوم ہوا کہ اسے اپنے گیلے کپڑوں کا ادراک ہوا۔ اور وہ اپنی زبان میں بوڑھے سے کچھ کہہ کر چٹان کی طرف کو بھاگ گئی ◆

بوڑھا آدمی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہم تکان سے بالکل مدہوش ہو رہے تھے۔ اس نے غور سے ہمیں دیکھا اور کچھ بولا۔ لیکن ہماری سمجھ میں خاک بھی نہ آیا + دوسری دفعہ اس نے دوسری زبان میں کچھ کہا وہ بھی ہم سمجھ سکے + تیسری دفعہ وہ پھر بولا تو ہمارے کان کھڑے ہوئے کیونکہ دفعہ اس نے یونانی زبان شروع کی۔ وسط ایشیا میں یونانی زبان!

اینکہ مے بینیم بہ بیداری ست یارب یا بخواب

حقیقتاً زبان یونانی تھی اگرچہ بگڑی ہوئی تھی +

"کیا تم ساحر ہو کہ اس سرزمین تک پہنچنے کے لئے زندہ بچ رہے ہو" میں نے کچھ عرصہ یونانی زبان کا مطالعہ کیا تھا اس لئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں جواب دیا "نہیں۔ اگر ہم ساحر ہوتے تو ہمارے آنے کا طریقہ

نہ ہوتا۔" اور یہ کہہ کر میں نے اپنی چوٹوں اور اس صخرۂ بلند کی طرف اشارہ کیا جہاں سے میں نے جست کی تھی۔

اُس نے زیرِ لب کہا۔ "انہیں قدیم زبان آتی ہے۔ جیسی کہ ہمیں پہاڑ پر سے ہدایت ہوئی تھی۔" پھر اُس نے ہمیں مخاطب کر کے پوچھا:۔

"تم کس شے کے متلاشی ہو؟"

میں نے مصلحت سوچی اور چالاکی سے خاموشی اختیار کی کہ مبادا وہ حقیقت سے واقف ہو کر کہیں ہمیں پھر دریا برد نہ کر دے۔ لیکن ایبن میں یہ مصلحت اندیشی کہاں تھی یا شاید اس کے حواس بجا نہ تھے۔ اس نے بگڑی ہوئی یونانی زبان میں جس کے ساتھ بہت سے تبت کے لغت بھی شامل تھے جواب دیا۔

"ہم سرزمین کوہ آتشین کی تلاش میں ہیں جس کے سر پر آیت حیات نصب ہے۔"

بوڑھے نے پھر سر سے پاؤں تک ہمیں دیکھا اور کہا:۔

"اچھا تم واقف ہو . . . . یہ بتاؤ تم کس کی تلاش میں ہو؟"

ایبن۔ "ہم اُسے . . . . . ہم ملکہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔"

میرا خیال ہے کہ ایبن کاہنہ یا دیوی کہنے لگا تھا لیکن اسے یونانی زبان کا کوئی لفظ ان معنوں کا نہ ملا۔ اور صرف ملکہ کا مترادف ذہن میں آیا۔ یا شاید جو عورت ابھی گئی تھی اس کی صورت میں ملکہ ہونے کی شباہت تھی وہی خیال اس کے ذہن میں رہا۔

بوڑھا۔ "اچھا تو تم کسی ملکہ کی جستجو میں ہو ۔۔۔۔ تو بے شک تم وہی ہو جن کے پہرے کا ہمیں حکم ہوا تھا۔ نہیں نہیں میں کس طرح یقین کر سکتا ہوں۔"

ایبن نے گھبرا کر غصے کے لہجے میں کہا۔ "یہ سوالات کا کون سا وقت ہے بلکہ تم میرے ایک سوال کا جواب دو کہ تم کون ہو؟"

بوڑھا:- ہیں؟ اجنبی مہمانو! میرا لقب حارس الباب (محافظِ درم) ہے اور وہ خاتون جو میرے ساتھ تھی - خانم قانون ہے "

اس وقت ایبن پر غشی طاری ہونے لگی - حارس نے کہا :-

"لو! تمہارا ساتھی تو بے ہوش ہوگیا - اور اب تو تم سستا چکے ہو اس لئے تمہیں فوراً آرام کی جگہ پہنچنا چاہیئے - آؤ میری مدد کرو "

چنانچہ ہم دونوں نے ایبن کو اُٹھایا اور دونوں طرف سہارا دے کر اس منحوس چٹان اور خوفناک دریا سے ایک تنگ وادی کو روانہ ہوئے + چند لمحہ بعد یہ وادی فراخ ہوگئی - اور اس کے سامنے کے دہانے کے آر پار ہمیں باب الدیار نظر آیا - اس وقت جو کچھ مجھے دکھائی دیا ایک بڑی سنگین دیوار تھی - جس میں سے کھود کر راستہ بنایا گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ سڑک یہاں سے گذرتی ہوگی + اس وقت کے واقعات بہت دھندلے دھندلے میرے ذہن میں محفوظ ہیں - اس راستے کی ایک طرف سیڑھیاں تھیں - ایبن بالکل بے ہوش ہوگیا تھا - اس لئے ان پر چڑھنا دشوار ہوگیا - سیڑھیوں کے پہلے درجے کے اختتام پر ایبن بالکل بیٹھ گیا - یہاں تک کہ ہمیں اُٹھانا بھی مشکل نظر آنے لگا +

میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے کہ میں نے قدموں کی آہٹ سُنی - اوپر دیکھنے پر مجھے وہی خاتون سیڑھیوں سے اُترتی ہوئی نظر آئی جس نے ایبن کی جان بچائی تھی + اس کے پیچھے لبادہ پہنے ہوئے دو آدمی تھے - جن کے خدوخال تاتاری تھے - ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں اور زردی مائل چہروں میں عجب شان تھی - اور خاص قسم کا رعب اُن پر مستولی تھا - یہاں تک کہ ہماری صورت دیکھ کر ان کے چہروں سے کسی قسم کی حیرانی کے آثار ہویدا نہ ہوئے + خاتون نے ان سے کچھ کہا - جس کی تعمیل میں انہوں نے ایبن کو آسانی سے اُٹھا لیا اور سیڑھیوں پر چڑھ گئے + ہم ان کے پیچھے پیچھے چلے - یہاں تک کہ ایک کمرے میں پہنچے جو

دروازے کے اوپر چٹان کو کھود کر بنایا گیا تھا + خانم ہم سے رخصت ہو گئی یہاں سے ہم مختلف حجروں اور کوٹھڑیوں میں سے ہوتے ہوئے جن میں سے ایک مطبخ معلوم ہوتا تھا ایک وسیع کمرے میں داخل ہوئے + یہ کمرہ آرام گاہ تھا کیوں کہ یہاں لکڑی کی چارپائیاں ۔ گدیلے اور لحاف موجود تھے ۔ یہاں انہوں نے ایمن کو ایک چارپائی پر لٹا دیا ۔ اور بوڑھے حارس نے اپنے نوکر کی مدد سے ایمن کے کپڑے اُتارے ۔ اور مجھے کپڑے اُتارنے کو کہا ۔ میں نے بڑی خوشی سے کپڑے اُتار دیئے کیونکہ ہمیں کئی ہفتہ سے اس کا موقع نہیں ملا تھا + کپڑے اُتار کر مجھے معلوم ہوا کہ میرا جسم زخموں اور رگڑوں سے بھرا پڑا ہے ؂

ہمارے بوڑھے میزبان نے ایک سیٹی بجائی ۔ جس پر ایک نوکر گرم پانی کی گاگر لئے ہوئے اندر آیا ۔ اس سے ہمیں نہلایا گیا + پھر حارس نے کچھ مرہم سا ہمارے زخموں پر مل دیا ۔ اور کمبلوں میں لپیٹ دیا + اس کے بعد یخنی آئی ۔ اس میں حارس نے کچھ ادویات ملائیں ۔ اس میں سے کچھ مجھے پینے کے لئے دی گئی ۔ باقی کو حارس نے ایمن کا سر اپنے زانو پر اُٹھا کر اس کے حلق میں اتار دیا ۔ یکایک میرے جسم میں حرارت دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی اور میرا درد سے پھٹا ہوا سر چکرانے لگا پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہُوا ؂

اس کے بعد ہم دونوں نے سخت بیماری کا زمانہ کاٹا ۔ طبی اصطلاح میں خدا جانے ہماری بیماری کا کیا نام ہوگا ۔ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اخراج خون ۔ انتہائی جسمانی تکان ۔ اعصاب کو مفلوج کر دینے والے صدمات اور کثیر جراحت کے بعد جو جو اثرات پیدا ہونے لازم تھے ۔ وہ سب ہم پر وارد ہوئے + ان تکالیف کے اجتماع نے طویل عرصہ تک ہمیں نیم مدہوش رکھا اور اس کے بعد اتنا ہی زمانہ ہیجان اور ہذیان میں گذرا ۔ جو کچھ ان حارس الباب کی مہمانی کے دنوں میں ہم پر گذرا مختصراً "خواب"

کے لفظ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حتٰے کہ میرے حواس واپس آئے۔
جو کچھ اس خواب میں نظر آیا اچھا ہُوا کہ یادداشت سے نکل گیا۔ کیونکہ یہ مخلوط اور مہیب تصورات کا مجموعہ تھا۔ جس میں ہمارے گزشتہ حوادث کے ساتھ خیالی توہمات کی کھچڑی سی پکی ہوئی تھی۔ اس دوران میں کبھی کبھی ادراک پیدا ہوتا تھا۔ وہ بھی اس وقت جب غذا پہنچائی جاتی تھی اور ایسے اوقات میں چیدہ چیدہ اثرات دل پر نقش ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک روز چاندنی رات میں بوڑھا حارس میرے پلنگ کے قریب اپنے زرد چہرے پر سفید ڈاڑھی کے اوپر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑبڑا رہا تھا۔
"یہی وہ لوگ ہیں۔ یقیناً یہی وہ لوگ ہیں" پھر کھڑکی کے قریب چلا گیا اور دیر تک کھڑا سوچتا رہا۔ جیسے کوئی اجرام فلکی کا مشاہدہ کر رہا ہو۔ اس کے بعد کمرے میں مجھے اختلال پیدا ہونے کا احساس پیدا ہُوا۔ جس میں ہر چیز پر ایک عورت کی ترنم آمیز صدا اور ریشمی کپڑوں کی سرسراہٹ حاوی تھی۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا یہ وہی خاتون ہے جس نے ہمیں بچانے میں امداد دی تھی بلکہ درحقیقت خود بچایا تھا۔ یہ ایک دراز قد شریف النسل خوب صورت خاتون تھی۔ اس کے جمیل چہرے پر پریشانی ہویدا تھی اور رسیلی آنکھوں سے حرارت ٹپکتی تھی۔ اس کے بھاری جبے سے جو اس کے زیب بدن تھا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی سفر سے آئی ہے۔
وہ آکر میرے سرہانے کھڑی ہوئی۔ مجھے دیکھا پھر بے پروا انداز کے ساتھ بوڑھے سے کچھ کہہ کر دوسری طرف رخ کیا۔ بوڑھا جواب کے طریقے پر ذرا جھکا اور ایمن کی چارپائی کی طرف اشارہ کیا۔ خاتون شاہانہ انداز سے آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچی۔ میں نے اسے ایمن کے زخمی چہرے پر سے کمبل اٹھاتے دیکھا اور دبی زبان میں کچھ بڑبڑاتے سُنا۔ پھر وہ حارس کی طرف کچھ کہنے کو لوٹی۔ حارس جا چکا تھا۔ مجھے بے ہوش

سمجھ کر اینن نے میدان خالی پایا۔ اور ایک مونڈھا اینن کی چارپائی کے پاس کھینچ کر اس پر بیٹھ گئی۔ اور غور سے اینن کا معائنہ شروع کیا۔ جو بے ہوش پڑا تھا + اس کی نگاہوں سے جذبات کی شدت کا اندازہ ہوتا تھا۔ اور اس کا جوش خوف ناک تھا + بہت دیر تک وہ اسی حالت میں رہی۔ پھر مضطربانہ انداز سے اٹھ کر کمرے میں ادھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ کبھی ہاتھ سینے پر لے جاتی تھی۔ کبھی پیشانی پر اس کی صورت سے عجب انتشار کا اظہار ہوتا تھا۔ گویا وہ کچھ یاد کرنا چاہتی ہے۔ لیکن یاد نہیں آتا۔ اتنے میں اس نے زیر لب کہا:-

"اوہ۔ کہاں۔ کب۔ کس جگہ"

اس نظارے کا انجام خدا جانے کیا ہوا۔ کیونکہ میں نے لاکھ کوشش کی مگر بے ہوشی کو نہ روک سکا۔ جو مجھ پر چھا رہی تھی۔ اس کے بعد کا صرف اس قدر حال مجھے معلوم ہے کہ وہ ملکہ صفت عورت موسوم بہ "خانم" ہر وقت اس کمرے میں موجود رہتی تھی۔ اور نہایت غور و پرداخت سے اینن کی تیمارداری میں مصروف تھی + کبھی کبھی جب اینن کو اس کی خدمت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور اُسے خود کوئی کام نہ ہوتا تھا تو وہ میری طرف بھی متوجہ ہو جاتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ میری ہستی اس کے لئے باعثِ تحیر ہے اور اس تحیر کو رفع کرنے کو میری تندرستی کی خواہاں تھی :

واللہ اعلم اس واقعہ کے کتنے عرصہ بعد میری آنکھ پھر کھلی + رات کا وقت تھا اور کمرے میں سوائے شعاع قمر کے کوئی روشنی نہیں تھی۔ جو سیدھی اینن کی چارپائی پر پڑ رہی تھی۔ اس کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ وہی ملکہ اس کے برابر اس کے چہرے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ شاید اس کی موجودگی کا کوئی اثر اینن کے دماغ پر پہنچا کہ خواب میں اس نے بڑانا شروع کر دیا۔ کبھی عربی زبان میں۔ کبھی عبرانی میں + خاتون کی ہر حرکت سے واضح ہوتا تھا کہ وہ مجسم توجہ بنی ہوئی ہے۔ پھر یکایک اُٹھ کر دبے پاؤں

میری طرف کو آئی۔ اسے آتا دیکھ کر میں اس صفائی اور اس زور سے
خراٹے لینے لگا کہ وہ دھوکے میں آگئی۔

مجھے خود اشتیاق دریافت پیدا ہو گیا تھا کہ یہ خاتون کون ہے۔ جسے
حارس الباب نے "خانم خاتون" کے نام سے موسوم کیا تھا۔ کیا یہی تو وہ نہیں
جس کی تلاش میں ہم سرگرداں ہیں لیکن یہ یقینی بات ہے کہ اگر یہ عذرا
ہوتی تو میں فوراً پہچان لیتا۔ شبہ کی گنجائش ہی نہ رہتی۔

وہ واپس ایبن کی چارپائی کے پاس پہنچی اور گھٹنوں کے بل بیٹھ
گئی۔ ایبن خاموش ہو چکا تھا۔ اور مجھے اس مکمل خاموشی میں خانم کے دل
کی دھڑکن تک سنائی دیتی تھی۔ اتنے میں اس نے اسی ریختہ یونانی میں
بولنا شروع کیا جس میں مغلیہ زبان کے لغت شامل تھے۔ جو کچھ اس نے
کہا کچھ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ تاہم بعض بعض فقرے صاف سنائی دیتے
اور ان سے میرے دل پر عظیم خوف طاری ہو گیا۔ وہ کہہ رہی تھی:۔

"اے میرے پریشان خوابوں کے مجسمے! تو کہاں سے آیا ہے۔ تو کون
ہے۔ عزا نے مجھے تجھ سے ملنے کا کیوں حکم بھیجا ...... تم سو رہے ہو۔
لیکن نیند کی حالت میں چشم بصیرت وا ہوتی ہے۔ میں حکم دیتی ہوں مجھے
جواب دو کہ میرا تمہارا کیا تعلق ہے۔ کیونکہ ہمیشہ تم مجھے خواب میں نظر آیا
کرتے تھے۔ کیا وجہ ہے کہ تمہاری صورت آشنا معلوم ہوتی ہے۔ کیوں..."
اس کے بعد اس کی ترنم آمیز آواز دبتی دبتی خاموشی سے بدل گئی۔ گویا
اس کے آگے کہنے کے لئے حیا مانع تھی۔

وہ ذرا ایبن کی طرف جھکی تو گیسوؤں کی ایک لٹ جڑاؤ موباف سے
نکل کر ایبن کے چہرے پر گر گئی۔ بالوں کے مس ہوتے ہی گویا ایبن کی آنکھ
کھلی اور اس نے اپنا سفید ہاتھ اٹھا کر بالوں پر پھیرا اور عربی میں کہنا
شروع کیا:۔

"میں کہاں ہوں۔ ہاں مجھے یاد آگیا..." اور اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش

کی۔ دونوں کی نگاہیں ملیں۔ امین پھر چارپائی پر لیٹ گیا اور یونانی زبان میں کہنے لگا :۔

"تم وہ خاتون ہو جس نے مجھے پانی میں سے بچایا تھا۔ سچ کہو کیا تم وہی ملکہ ہو جس کی تلاش میں میں نے اتنے مصائب اُٹھائے اور اتنا زمانہ گذرا ہے"

خانم نے شیریں لہجے سے لرزتی ہوئی ملائم آواز میں جواب دیا۔ "واللہ اعلم۔ اتنا ضرور ہے کہ میں ملکہ ہوں اگر قالون کی خانم ملکہ کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے"

امین "تو ملکہ مجھے بتاؤ۔ کیا میں تمہیں یاد ہوں"

خانم "ہم شاید رویا میں ملاقی ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہماری ملاقات ایسے زمانۂ ماضی میں ہوئی ہے۔ جسے مدت دراز گزر چکی ہے۔ ہاں! اتنا تو میں اسی وقت جان گئی تھی جب میں نے تمہیں دریا پر دیکھا ہے۔ اجنبی! تمہاری صورت میرے دل پر نقش ہے۔ خدارا اتنا بتا دو کہ تمہارا نام کیا ہے"

امین "امین"

خانم نے سر ہلا کر کہا "یہ نام میں نہیں پہچانتی مگر تمہیں خوب پہچانتی ہوں"

امین نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "تم مجھے جانتی ہو؟ وہ کیسے" اور اس کے بعد پھر خواب یا بےہوشی میں مستغرق ہو گیا

تھوڑی دیر تک وہ غور سے اس کی صورت کو دیکھتی رہی۔ پھر کسی پوشیدہ قوت کے زور سے وہ جھکی + میں نے دیکھا کہ اس نے سوئے ہوئے امین کے لبوں پر بوسہ دیا۔ اور یکایک اس حرکت سے پشیمان سی ہو کر پیچھے ہٹی + جذبات سے اس قدر مغلوب ہو جانے کی شرمندگی میں اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ اسی حالت میں اسے میری موجودگی کا احساس ہوا

میں نادانستہ طور پر حالات متذکرہ کے مشاہدے سے حیران اور مبہوت

ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں ہنگامی جذبات سے مجبور ہو گیا تھا! اس میں شک نہیں کہ یہ سخت غلطی تھی۔ لیکن میں جو ہمہ تن اس قصے میں مشترک تھا۔ انتہائی تحیر کا شکار ہو گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر حماقت کیا ہو سکتی تھی۔ مگر بیماری اور حیرت نے میری عقل پر پتھر ڈال دیئے تھے۔

اس نے مجھے اپنی کمزوری کا شاہد سمجھا اور اس پر اس قدر غیظ و غضب مستولی ہوا کہ میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ آخر اس نے دانت پیس کر اپنی پیٹی پر ہاتھ ڈالا اور کہا:-

"ہیں! اتنی دیدہ دلیری کہ۔۔۔۔" اور پیٹی میں سے ایک پیش قبض نکال کر چمکائی۔ میں لرز گیا کہ بس موت آئی۔ اس دہشت میں میری عقل نے یاری کی اور اس کے قریب پہنچنے پر میں نے کانپتا ہوا ہاتھ آگے بڑھا کر لرزاں آواز میں کہا "ہائے! میں جلا۔ خدا کے واسطے پانی۔۔۔۔ گرمی نے جلا دیا۔ اُف بخار کی تیزی نے مجھے پھونک ڈالا۔ حارس الباب! خدا کے واسطے پانی دو" اور پھر مبہوت سا ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ آخر تھک کر چارپائی پر گر گیا۔

وہ رُکی اور جلدی سے پیش قبض کو نیام میں ڈال لیا۔ پھر قریب کے تختے پر سے دودھ کا پیالہ اُٹھا کر میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔ مگر تیز آنکھوں سے جنہیں جذبات۔ غصے اور خوف کی گرمی نے مشتعل کر رکھا تھا۔ میری صورت کا جائزہ لینے لگی۔ میں نے بڑے بڑے گھونٹ لے کر دودھ پینا شروع کیا۔ اگرچہ عمر بھر مجھے دودھ پینے میں اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی۔

خانم:- "تم لرز رہے ہو۔ کیا بدخوابی ہوئی ہے؟"

میں:- ہاں دوست۔ سخت بدخوابی! اس خوفناک قعر عمیق اور آخری جست سے بڑھ کر کون سا خواب پریشان ہو سکتا ہے۔

خانم:- "اور اس کے علاوہ؟"

میں:- اور کیا۔ یہ تھوڑا ہے۔ آہ کیسا خطرناک سفر تھا اور صرف ایک ملکہ کو

دوست بنانے کی غرض سے"۔

خانم :- ملکہ کو دوست بنانے کی غرض سے؟ تمہارا کیا مطلب ہے۔ قسم کھاؤ کہ تم نے اور کوئی خواب نہیں دیکھا"۔

میں :- ہاں! میں آیت حیات اور کوہ آتش لرزاں کی قسم کھاتا ہوں اور اے ملکہ زمانۂ سلف تمہاری قسم کھاتا ہوں"۔

یہ کہہ کر میں نے ٹھنڈا سانس کھینچا اور بے ہوشی کا بہانہ کر کے خاموش لیٹ رہا۔ کیونکہ اور کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ آنکھیں بند کرتے کرتے میں نے ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی جو شفق کی طرح سُرخ تھا۔ لیکن اب شام کی طرح زردی اس پر دوڑ رہی تھی۔ یقیناً میرے الفاظ کا جو باطنی مدعا تھا۔ اس نے اپنی تاثیر دکھائی۔ ابھی اس کے دل سے شک ہی رفع نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ ابھی وہ خنجر کے قبضے سے کھیل رہی تھی۔ آخر اس نے بآواز بلند جان بوجھ کر اگر میں ابھی سن سکتا ہوں تو مجھے سنانے کو کہا:۔

"میں خوش ہوں کہ اس نے اور خواب نہیں دیکھے۔ ورنہ اگر دیکھے ہوتے اور ان کے متعلق کچھ بک اُٹھتا تو اس کے لئے نیک فال نہ ہوتی میں نہیں چاہتی کہ جو شخص ہم سے ملنے کے لئے اتنی دور سے آیا ہو۔ اس کے دفن کرنے کو سگانِ موت میں بھیج دیا جائے۔ بالخصوص ایسے آدمی کو جو باوجود ضعیفی اور بدصورتی کے خاموشی اور دانائی کے زیورات سے مزین معلوم ہوتا ہے"۔

یہ خوفناک الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ میں مطلق نہیں سمجھا کہ سگانِ موت کیا چیز ہے۔ جہاں لوگ دفن کئے جاتے ہیں۔ کہ مجھے حارس کے پاؤں کی چاپ سیڑھیوں پر سے سنائی دی۔ پھر میں نے اسے اندر داخل ہو کر خاتون کو سلام کرتے دیکھا اور یہ کہتے سنا:۔

ہمت الاخت[1]! بیماروں کا کیا حال ہے"۔

---

[1] مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ خانم جس کا نام شمسہ تھا اس بوڑھے کی بھانجی نہیں تھی بلکہ بھانجی کی بیٹی تھی۔ گویا نواسی تھی۔ رضیف!

خانم "دونوں بے ہوش ہیں"۔

حارس "اچھا؟ میں تو کچھ اور سمجھا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ جاگ گئے ہیں"۔

خانم نے غصے سے پوچھا "او ساحر! تو نے کیا کچھ سنا ہے"؟

حارس "میں نے۔ اوہ میں نے نیام میں پیش قبض کی رگڑ کی آواز اور عدم سے قضا کے کتوں کو بھونکتے سنا تھا"۔

خانم نے پھر پوچھا "اے ساحر تم نے اس دروازے میں سے جس کے تم محافظ ہو کیا دیکھا"؟

حارس "خانم میری بھانجی! میں نے عجیب نظارے دیکھے۔ لیکن.... لوگ بیہوشی سے جاگ اُٹھا کرتے ہیں"۔

خانم نے میری طرف اشارہ کرکے کہا "بے شک سچ کہتے ہو۔ اسی لئے اس شخص کو سوتے میں دوسری جگہ لے جاؤ۔ کیونکہ اسے تبدیل آب وہوا کی ضرورت ہے اور یہ سردار جو ادھر لیٹا ہے زیادہ جگہ اور کھلی ہوا کا محتاج ہے"۔

حارس کے ہاتھوں میں چراغ تھا۔ جس کی روشنی میں اس کا چہرہ صاف دکھائی دیتا تھا۔ میں کنکھیوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ اس پر عجب اثرات نمایاں تھے۔ جس سے میں خوفزدہ ہوگیا۔ شروع سے میرے دل میں اس بوڑھے کے متعلق شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ کیونکہ اس کے بشرے سے دانائی کے ساتھ منتقم ہونے کی خاصیت صاف نمایاں تھی۔ اس لئے میں اس سے ڈرتا تھا۔ بوڑھے نے کہا "کون سے کمرے میں اسے لے جائیں"؟

خانم۔ میرا خیال ہے کہ اسے ایسے کمرے میں لے جاؤ۔ جہاں اس کی صحت واپس آجائے۔ یہ شخص دانا آدمی ہے اس کے علاوہ اس کو صدمہ پہنچانا پہاڑ کے حکم کے مطابق خطرناک ہے۔ لیکن تم کیوں پوچھتے ہو"؟

حارس "(شانے ہلاکر) میں صرف اتنا کہے دیتا ہوں کہ میں نے موت

کے کتوں کا بھونکنا سنا ہے۔ ہاں تمہارے ساتھ میرا بھی یہی خیال ہے کہ اس شخص میں دانائی ہے۔ اور مکھی شہد کی تلاش میں ہوتی ہے۔ وہ مرجھانے سے پہلے پھول کو چوس لیتی ہے۔ تمہارا یہ قول بھی صحیح ہے کہ ہمیں ایسا حکم مل چکا ہے جس کی خلاف ورزی خطرناک ہے خواہ ہم اس کا مطلب نہ سمجھتے ہوں"۔

دروازے پر جا کر حارس نے سیٹی بجائی۔ فوراً سیڑھیوں پر اس کے نوکروں کے آنے کی آواز آئی۔ انہیں حارس نے کچھ حکم دیا جس کی متابعت میں انہوں نے آہستہ سے اس گدیلے کو اٹھایا جس پر میں لیٹا ہوا تھا اور چند دروازوں اور سیڑھیوں کو عبور کر کے ہم ایک ایسے کمرے میں پہنچے جیسے کمرے سے ہم آئے تھے۔ اگرچہ یہ اتنا وسیع نہیں تھا۔ یہاں انہوں نے مجھے چارپائی پر لٹا دیا۔

حارس تھوڑی دیر تک مجھے دیکھتا رہا کہ کہیں میں جاگتا تو نہیں۔ پھر ہاتھ بڑھا کر میرے قلب کی حرکت اور نبض کو دیکھا۔ جس سے وہ پریشان سا ہو گیا۔ کیونکہ اس نے "اوہ" کہہ کر سر ہلایا۔ اس کے بعد وہ کمرے سے چلا گیا اور باہر سے دروازے کی زنجیر لگا گیا۔ میں ابھی بہت کمزور تھا۔ اس لئے آرام سے سو گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو خوب دن نکل آیا تھا۔ میرا دماغ صاف تھا اور میں اور دنوں سے بہت بہتر حالت میں تھا۔ اس سے میں نے اندازہ کیا کہ بخار اتر چکا ہے۔ اور میں صحت کی طرف آ رہا ہوں۔ اس وقت مجھے رات کے سب واقعات یاد آئے اور میں نے ان پر تفکر کیا۔ جس کی حقیقی وجہ یہ تھی کہ گھنٹوں غور کر کے میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ میری جان خطرے میں ہے۔ میں نے کافی سے زیادہ مشاہدہ کیا تھا اور سنا تھا اور یہ خاتون مسمّی بہ "خانم" تاڑ گئی تھی کہ میں نے دیکھا اور سنا ہے۔ واقعی اگر پہلی بہانہ سازی کے بعد میں آبِ حیات اور کوہِ آتشین کا ذکر نہ کرتا

تو وہ بوڑھے محافظ کو جسے وہ ساحر کے لقب سے پکارتی تھی حکم دے دیتی کہ کسی نہ کسی حیلے سے مجھے مار ڈالے اور یہ بھی یقین تھا کہ وہ اس کے حکم سے ہرگز سرتابی نہ کرتا۔ کچھ میری جان بچنے کی وجہ یہ بھی تھی کہ مجھے مار ڈالنے سے وہ کسی نامعلوم وجہ سے ڈرتی تھی۔ کچھ یہ تھی کہ وہ دریافت کرنا چاہتی تھی کہ مجھے کیا کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ اگرچہ موت کے کتے بھونک چکے تھے"! یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس سے ان کی مراد کیا تھی۔ کچھ ہی ہو، اس وقت تک میں سلامت تھا آیندہ دیکھیں تقدیر کیا دکھاتی ہے۔ یہ لازمی بات تھی کہ آیندہ انتہائی حزم و احتیاط کی ضرورت تھی اور لاعلمی کا اظہار لابدی تھا۔ غرض میں نے اپنا خیال چھوڑ کر رات کے نظارے پر غور کرنا شروع کیا کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔

کیا ہماری جستجو یہیں ختم ہو جائے گی؟ کیا یہی عورت عذرا ہے؟ ایمین نے خواب میں ایسا دیکھا۔ لیکن اس وقت اس کی گفتگو ہذیان سے کم نہیں تھی۔ اس لئے اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک بات ضرور معنی خیز تھی کہ وہ خود ایمین اور اپنے درمیان خاص تعلق بیان کرتی تھی۔ اس نے ایمین کو بوسہ کیوں دیا؟ یہ مجھے یقین تھا کہ یہ خاتون کوئی گری پڑی عورت نہیں ہے۔ نہ کوئی عورت ایسی احمقانہ حرکت کا اظہار صرف جذبات سفلی کی وجہ سے ایسے بیمار کے ساتھ کر سکتی ہے جس کی زندگی کانٹے کی تول پر ہو۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نے جو کچھ کیا ناقابل مقاومت قوت محرکہ سے مغلوب ہو کر کیا جو کسی علم یا یادداشت سے مشتعل ہوتی تھی۔ اگرچہ شاید یہ علم نامکمل اور یادداشت غیر معین تھی۔ سوائے عذرا کے اور کسے ایمین کی گذشتہ زندگی یا زندگیوں کا علم ہو سکتا تھا؟ اس وقت تختۂ دنیا پر ایسا کوئی فرد بشر نہیں تھا۔

لیکن اگر واقعی جو کچھ کاہن نے کہا تھا اور جس پر اس کے کروڑوں ہم مشربوں کا اعتقاد ہے۔ درست ہو تو سب کچھ ممکن ہے۔ اگر بفرض

محال ارواح انسانی کی تعداد محدود ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف اجساد خاکی میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں جس طرح ہم اپنے میلے اور پھٹے پرانے کپڑوں کو بدلتے رہتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اور بھی ایبن کے جاننے والے دنیا پر نہ ہوں + مثلاً وہ خاندان فراعنہ کی شہزادی جس نے "جادوئے عشق کے زور سے اس کے عہد و مواثیق کو توڑا تھا" ایک شخص قرطیس نامی کو جانتی تھی جو معبود آئیسس کا پجاری تھا جس کی رضا جوئی دیوتاؤں کو منظور تھی اور جس کی اطاعت شیاطین تک کرتے تھے۔ اس کا نام ایمنارٹس تھا اور وہ زبردست ساحرہ تھی ❊

اوہو! اس خیال پر میری آنکھیں کھلیں اور حیرت انگیز انکشاف ہونے لگا کہیں ایمنارٹس اور یہ خانم جس کے ہمراہ میں موسے آؤ اب شاہی ٹھیکیا ہے ایک ہی تو نہیں ؟ کیا اس جادو نے جو اس کی قوم کا حصہ تھا اور وہ اس میں مہارت تامہ رکھتی تھی۔ جیسا کہ اس نے کپی کے ٹکڑے پر لکھا تھا۔ اس کے لئے ماضی کے تاریک پردے پھاڑ کر اسے اس پجاری کو پہچاننے کے قابل بنا دیا ہو۔ جسے اس نے دیوی کے ہاتھوں میں سے چھینا تھا۔ کہیں اس مخفی سرزمین پر عذرا کی بجائے ایمنارٹس ہی کی حکومت تو نہیں جو ایک دفعہ پھر اپنے محبوب سے عہد و مواثیق تڑوانا چاہتی ہے ؟ اس قیاس کے درست ہونے کی صورت میں جو خوفناک نتائج پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ ان کے خیال ہی سے میرے رونگٹیں کھڑے ہو گئے۔ حقیقت کا دریافت کرنا ضروری تھا۔ مگر سوال یہ تھا کہ کس طرح ؟

میں انہیں خیالات میں منہمک تھا کہ خشک۔ ناقابل تفحص چہرے والا بوڑھا آدمی جسے خانم نے ساحرا اور جس نے خانم کو بھانجی یا بنت الاخت کے لفظ سے پکارا تھا۔ کمرے میں داخل ہوا اور میرے سامنے کھڑا ہو گیا ❊

باب ہفتم

پہلی آزمائش

دریں خیال بسر شد دریغ عمرِ عزیز
بلائے زلفِ سیاہت بسر نمے آید

ساحر میرے قریب آیا اور مہذب پیرائے میں میری مزاج پرسی کی
میں نے جواب دیا :-
"میں اچھا ہوں - پہلے سے بہت اچھا ہوں - میرے معزز میزبان آپ کا نام کیا ہے؟"
حارس :- "میرا نام تو سمبری ہے لیکن جیسا کہ میں دریا کے قریب بتا چکا ہوں میرا لقب حارس الباب ہے - پیشے کے لحاظ سے میں اس سرزمین میں شاہی طبیب ہوں"
میں نے بے پروائی سے اس طرح سوال کیا گویا میری سمجھ میں نہیں آیا :- "شاہی طبیب یا ساحر طبیب؟" اس نے عجب انداز سے میری طرف دیکھا اور کہا :-
"میں نے شاہی طبیب کہا ہے - اور یہ تمہاری اور تمہارے ساتھی کی خوش قسمتی ہے کہ میں اپنے فن میں کافی مہارت رکھتا ہوں - ورنہ میرا خیال ہے کہ شاید آج تم زندہ نہ ہوتے - ہاں - میرے مہمان تمہارا کیا نام ہے؟"
میں :- "حنیف"
سمبری :- "خوب"

میں:۔ اگر آپ دور اندیشی کر کے اس تاریک دریا کے کنارے پر نہ جاتے یقیناً ہم نہ بچ سکتے۔ محترم سمبری! ایسی تنہائی میں آپ کی یہ مآل اندیشی میرے نزدیک جادو سے کم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میرے کانوں نے شاہی کا ساحر بنا لیا تھا۔ اگرچہ بالکل ممکن ہے کہ آپ اتفاق سے وہاں مچھلیاں پکڑنے گئے ہوں "

سمبری:۔ "ہاں! اجنبی عنیف میں مچھلیاں پکڑنے گیا تھا اور میں نے دو انسانی مچھلیاں پکڑ لیں "

میں:۔ "تو کیا یہ سب کچھ اتفاقیہ طور پر واقع ہوا؟"

سمبری:۔ "نہیں۔ بلکہ بالارادہ۔ میرے پیشۂ طبابت میں آئندہ واقعات کا مشاہدہ بھی شامل ہے۔ کیونکہ اس سرزمین کے ساحروں کا میں سردار ہوں۔ حال میں ہی مجھے تمہارے ورود کی اطلاع ملی اور میں انتظار کرتا رہا "

میں:۔ "واقعی یہ سب کچھ حیرت انگیز ہے اور آپ انکساری فرماتے ہیں۔ تو گویا یہاں ساحر اور طبیب کے ایک ہی معنی ہیں "

سمبری:۔ "یہ آپ کیا فرماتے ہیں (یکایک بجائے تم کے آپ کہنا شروع کردیا) اگر آپ چاہیں تو مجھے بتائیے کہ آپ لوگ اس سرزمین میں کس طرح آئے جہاں آج تک کوئی اجنبی نہیں آیا "

میں:۔ "اوہ! شاید صرف اس طرح کہ ہم سیاح ہیں یا شاید ہم نے بھی ..... طب کی تعلیم پائی ہے "

سمبری:۔ "میرا خیال ہے کہ آپ لوگوں نے یہ علم پوری طرح حاصل کیا ہے ورنہ آپ کے لئے ان پہاڑوں کا عبور کرنا ناممکن ہوتا۔ اور پھر صرف تلاش ..... ہاں آپ کس چیز کی تلاش میں تھے؟ آپ کے ساتھی نے شاید ملکہ کہا تھا "

میں:۔ "واقعی! کیا واقعی اُس نے ملکہ کہا تھا؟ بڑی حیرت کی بات ہے اگر

اس نے ملکہ کہا تھا۔ تو ایک ملکہ تو اُسے ضرور مل گئی ہے۔ کیونکہ وہ خاتون جس کا نام "خاتم" ہے ضرور ملکہ ہے "

سمبری :- وہ واقعی ملکہ ہے اور بڑی جلیل القدر ملکہ ہے۔ ہمارے دیس میں خاتم کے معنے ملکہ ہی ہیں + مجھے تو اس بات کی حیرت ہے کہ جو شخص بے ہوش پڑا رہا ہو اُسے اِن باتوں کا کیسے علم ہو سکتا ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ آپ ہماری زبان کیسے جانتے ہیں "

میں :- یہ تو معمولی بات ہے۔ جو زبان آپ بولتے ہیں بڑی قدیمی زبان ہے۔ اتفاق سے اپنے ملک میں مجھے اس زبان کے مطالعہ کرنے اور دوسروں کو پڑھانے کا موقعہ ملا ہے۔ اس زبان کو یونانی کہتے ہیں۔ اگرچہ دنیا کے ایک خطے میں بولی جاتی ہے۔ مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان پہاڑوں میں یہ زبان کیسے پہنچی "

سمبری :- میں بتاتا ہوں۔ صدیاں گذریں کہ اس قوم کا جس کی یہ زبان ہے ایک صاحب خروج فاتح ہمارے جنوب کی طرف سے فتوحات کرتا ہوا آیا۔ یہاں اس نے شکست کھائی۔ اور واپس لوٹا۔ لیکن اس کا ایک سردار تھا جو کسی اور قبیلہ سے تھا وہ آگے بڑھا اور یہاں کے لوگوں پر فتحمندی حاصل کی۔ اس کے ساتھ اس کے آقا کی زبان اور مذہب بھی یہاں داخل ہوئے۔ اس سرزمین میں اس نے اپنے خاندان کی حکومت قائم کی جو اب تک جاری ہے۔ کیونکہ ہمارا ملک چاروں طرف ناقابل عبور صحراؤں اور برفانی پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے۔ اور غیر ممالک سے راہ رسم بند ہے "

میں :- ہاں۔! مجھے بھی ان حالات کا کچھ علم ہے۔ فاتح کا نام سکندر تھا کیوں ہے نا؟ "

سمبری :- ہاں اس کا نام یہی تھا اور اس کے سردار کا نام رشان تھا جو ملک مصر کا رہنے والا تھا۔ جیسا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اب تک اسی

کی نسل تخت کی مالک ہے۔ خانم اسی کے خاندان سے ہے"۔
میں:۔ "جس معبودہ کی وہ لوگ عبادت کرتے تھے اس کا نام "ائیسس تھا نا؟"
سمبری:۔ "نہیں بلکہ اس کا نام عزّا تھا"۔
میں:۔ "وہ عزّا آئیسس کا دوسرا لقب ہے"۔ کیا ابھی تک اسی کی عبادت یہاں رائج ہے؟ میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ مصر میں جہاں لوگ پہلے اسے پوجتے تھے۔ اب کوئی اس کا نام بھی نہیں جانتا"۔
سمبری:۔ "سامنے پہاڑ پر ایک بڑا مندر ہے۔ جہاں راہب اور راہبات کسی قدیم سلسلہ کی ریاضت کرتی ہیں۔ مگر ان لوگوں کی اصل معبودہ جیسا کہ ان کے فاتح رثان کے زمانے سے بھی پہلے تھی آتش ہے۔ جو اسی پہاڑ میں مشتعل ہے۔ اور کبھی کبھی جوش میں آکر ان کو نیست و نابود کیا کرتی ہے"۔
میں:۔ "اور کیا اس آتش میں کوئی اور دیوی بھی رہتی ہے"؟
اُس نے پھر تیز نگاہوں سے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور جواب دیا:۔

"اجنبی حنیف! میں کسی دیوی کو نہیں جانتا۔ وہ پہاڑ متبرک ہے اور اس کا راز دریافت کرنے کی کوشش کرنا موت کے مترادف ہے۔ آپ ایسے سوالات کیوں کرتے ہیں"؟
میں:۔ "صرف اس لئے کہ مجھے قدیم مذاہب کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا شوق ہے۔ اس پہاڑ پر آیت حیات کو دیکھ کر آپ لوگوں کے مذہب کا مطالعہ کرنے کی غرض سے اس طرف آنکلا۔ علما میں اس مذہب کے متعلق روایات موجود ہیں"۔
سمبری:۔ "تو میرے دوست حنیف! اس مطالعہ کا خیال چھوڑ دیجئے۔ کیونکہ اس کا راستہ سگانِ موت کے جبڑوں اور وحشیوں کے بھالوں میں سے ہو کر گذرتا ہے۔ اور اس میں کوئی شے قابل مطالعہ بھی نہیں ہے"۔
میں:۔ "یہ سگانِ موت کیا بلا ہیں"؟

سمبری:۔ "یہ ایک قسم کے کتے ہیں جن کے سامنے ہمارے مذاہب کی رو سے قانون شکنی یا خان کے حکم سے سرتابی کرنے والوں کو ڈال کر پھڑوایا جاتا ہے"۔

میں:۔ "خان کے حکم سے؟ تو کیا آپ کی خانم کا کوئی خاوند بھی ہے"۔

سمبری:۔ "ہاں اس کا عمزاد ہے۔ جو نصف مملکت کا مالک تھا اب یہ دونوں اور دونوں سلطنتیں ایک ہیں۔ اب آپ بہت گفتگو کر چکے ہیں۔ میں یہ کہنے آیا تھا کہ کھانا تیار ہے"۔ یہ کہہ کر وہ جانے کو لوٹا تو میں نے کہا:۔

"دوست سمبری! ایک سوال اور ہے وہ یہ کہ میں اس کمرے میں کس طرح آیا اور میرا رفیق کہاں ہے"۔

سمبری:۔ (اب پھر "تم" شروع ہو گیا) "تمہیں حالتِ خواب میں یہاں لایا گیا تھا اور دیکھو جگہ کی تبدیلی نے تمہیں بہت فائدہ بخشا ہے تمہیں کچھ یاد نہیں؟"

میں:۔ "حاشا وکلا مجھے بالکل علم نہیں۔ میرے رفیق کا کیا حال ہے؟"

سمبری:۔ "وہ بھی بہتر حالت میں ہے۔ خانم شمسہ اس کی تیمارداری کر رہی ہے"۔

میں:۔ "شمسہ! یہ تو پرانا مصری نام ہے جس کے معنے سورج کے ہیں۔ اور ہزاروں برس گذرے جس عورت کا یہ نام تھا وہ حسن میں لاثانی تھی"۔

سمبری:۔ "کیا میری بھانجی شمسہ حسین نہیں"؟

میں:۔ "اے خانم کے معزز ماموں! میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔ میں نے تو اچھی طرح اس کی صورت بھی نہیں دیکھی"۔

اس کے بعد سمبری چلا گیا اور اس کے زرد چہروں والے نوکر میرے لئے کھانا لائے۔ دوپہر کے قریب دروازہ پھر کھلا اور خانم شمسہ بغیر کسی

خدمت گار کے اکیلی اندر داخل ہوئی اور دروازہ بند کرکے زنجیر چڑھا دی
اس حرکت سے میرے شکوک تازہ ہو گئے اور کانپتے ہوئے بیٹھ کر ہیں
کورنشات بجالایا + اس نے شاید میرے شکوک کو سمجھ لیا۔ اور کہا:۔
"لیٹ جاؤ اور خوف نہ کھاؤ۔ فی الحال میری ذات سے تمہیں
کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا...... اب مجھے یہ بتاؤ کہ وہ آدمی
جس کا نام امین ہے تمہارا کیا ہوتا ہے؟ تمہارا بیٹا ہے؟ لیکن نہیں۔
گستاخی معاف۔ ظلمت سے نور نہیں پیدا ہو سکتا"
میں: "خانم میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ نور ہمیشہ ظلمت سے پیدا ہوتا ہے
تاہم آپ کا خیال صحیح ہے وہ میرا متبنےٰ ہے اور مجھے اس سے انتہائی
محبت ہے"
خانم: "اچھا یہ بتاؤ کہ اس سرزمین میں تم کس چیز کے متلاشی ہو"
میں: "خانم! جو کچھ تقدیر اس کوہ آتشین پر ہمیں دکھائے گی ہم اس
کے متلاشی ہیں"
ان الفاظ سے خانم کے چہرے پر زردی دوڑ گئی لیکن اس نے
متانت پیدا کرکے پھر کہا "وہاں سوائے قضا کے تمہارے لئے کیا
رکھا ہے۔ بشرطیکہ وہاں پہنچنے سے پہلے ہی تم قضا سے ہم آغوش نہ
ہو جاؤ۔ کیونکہ اس کی محافظ ایک وحشی قوم ہے۔ یہ عزّا کا دار العلوم
ہے اور اس کے مکان مقدس کی توہین کی سزا ہر انسان کے لئے جلتی
ہوئی آگ کے ذریعہ موت ہے"
میں: "تو خانم! اس دار العلم کا حاکم کون ہے؟ کیا کوئی راہبہ یا کاہنہ
ہے؟"
خانم: "ہاں ایک کاہنہ ہے جس کی صورت میں نے کبھی نہیں دیکھی۔
کیونکہ وہ بڑھاپے کی وجہ سے اپنے جسم کو لوگوں کی نگاہوں سے بچانے
کے لئے برقعہ میں چھپائے رکھتی ہے"

میری رگوں میں تیزی سے خون دوڑنے لگا۔ کیونکہ مجھے ایک اور ہستی یاد آگئی۔ جو بڑھاپے کی وجہ سے لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے برقعہ پوش رہتی تھی۔ اور میں نے کہا:-

"اوہ! وہ برقعہ اوڑھے رہتی ہے۔ اچھا؟ خیر برقعہ پوش ہو یا کچھ اور۔ ہم اس کی زیارت ضرور کریں گے مجھے بھروسہ ہے کہ ہمارا خیر مقدم ضرور ہوگا"

خانم:- "میں تمہیں کب جانے دیتی ہوں۔ کیونکہ وہاں جانا خلاف قانون ہے اور میں تمہارا خون اپنی گردن پر لینا نہیں چاہتی"

میں:- "خانم! آپ دونوں میں سے زیادہ طاقت ور کون ہے؟ آپ یا پہاڑ کی کاہنہ؟"

خانم:- "حنیف! ——— تمہارا یہی نام ہے نا ——— طاقتور میں ہوں۔ کیونکہ میں ضرورت کے وقت ایک اشارے پر ساٹھ ہزار جنگجو جمع کرسکتی ہوں۔ اور اس کے پاس سوائے راہبوں اور اس خونخوار وحشی قوم کے سوا کچھ بھی نہیں"

میں:- "لیکن دنیا میں صرف شمشیر ہی سب سے بڑی قوت نہیں ہے۔ اچھا یہ بتایئے کہ کبھی وہ کاہنہ ملک قالون میں بھی آتی ہے؟"

خانم:- "نہیں ہرگز نہیں کیونکہ اُس قدیم معاہدے کی رو سے جو صدیاں گذریں دارالعلم اور میدان کے لوگوں کی آخری جنگ کے بعد کیا گیا تھا۔ یہ قرار پایا تھا اور پیمان واثق ہوئے تھے کہ اگر کبھی وہ کاہنہ دریا کے اس پار قدم رکھ دے گی تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ آخر دم تک ہماری ان کی مجادلت قائم رہے گی۔ اور فاتح مفتوح پر حکمران ہو جائے گا۔ اسی طرح قالون کا کوئی خان یا خانم پہاڑ پر قدم نہیں رکھ سکتی بجز ایسے مواقع کے کہ کسی کو دفن کرنے کے لئے بغیر محافظین وہاں جائے یا اور کسی ایسے ہی اعلےٰ فرض کی انجام دہی کے لئے جانا ضروری ہو"

میں :۔ تاہم دونوں میں غالب کون ہے عزّا کے دارالعلم کی رئیسہ یا قالون کا خان ؟"

خانم :۔ روحانیات میں عزّا کی کاہنہ جسے ہم خطاب الٰہی اور صوت السماوات مانتے ہیں حکومت کرتی ہے اور سیاسیات میں قالون کا خان "۔

میں :۔ خان ! اوہو تو آپ شادی شدہ ہیں۔ ہے نا ؟"

خانم :۔ ہاں۔ اور میں تمہیں بتادیتی ہوں جیسا کہ جلد تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ میری شادی ایک پاگل سے ہو چکی ہے۔ اور مجھے اس سے سخت نفرت ہے "۔

میں :۔ آخری بات کا خانم ! مجھے پہلے سے علم ہے "۔

خانم :۔ ہیں ! تمہیں میرے ماموں سا حرنے تو نہیں بتایا جسے لوگ حارس کہتے ہیں ؟ نہیں میں سمجھ گئی۔ تم نے مجھے دیکھ لیا ہے جیسا کہ میں جانتی تھی۔ ہائے کیا اچھا ہوتا کہ میں تمہیں مار ڈالتی۔ افسوس تم مجھے کیا سمجھتے ہوگے ؟"

میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میرے حواس باختہ ہو گئے۔ اور خوف پیدا ہوا کہ کہیں کسی اور بے سوچے سمجھے لفظ کا نتیجہ فوری انتقام کی صورت میں رونما نہ ہو جائے۔ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"تم سمجھتے ہوگے کہ میں جس نے ہمیشہ مرد کو نفرت کی نظر سے دیکھا ہے جس کے ہونٹ ——— اور میں اس کی قسم کھاتی ہوں ——— سامنے پہاڑ کے برف سے زیادہ پاکیزہ ہیں۔ میں قالون کی خانم۔ جسے لوگ "سنگدل" کہتے ہیں۔ ایک بے شرم ہستی ہوں "۔ یہ کہہ کر پشیمانی کی وجہ سے اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا:۔

"نہیں نہیں۔ خانم ان تمام باتوں کی کوئی نہ کوئی وجہ موجہ ضرور ہوگی۔ بشرطیکہ آپ بیان کرنا پسند فرمائیں "۔

خانم:- اس کی بہت سی وجوہات ہیں۔ اب چونکہ تمہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ یہ بھی بتائے دیتی ہوں۔ اپنے خاوند کی طرح میں بھی پاگل ہو گئی ہوں۔ جب میں نے پہلی دفعہ تمہارے ساتھی کی صورت دیکھی تھی اسی وقت سے میری دیوانگی شروع ہوئی اور میں ۔۔۔۔۔۔ میں ۔۔۔۔۔۔

اس پر ۔۔۔۔۔۔"

میں:- عاشق ہو گئیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پیشتر یہ حالت صحیح الدماغ لوگوں پر بھی وارد ہو چکی ہے"

خانم:- ہائے جو حالت مجھ پر وارد ہوئی وہ عشق سے بالاتر تھی۔ میں دیوانی ہو گئی اور رات کو جو کچھ میں نے کیا مجھے اس کا مطلق احساس نہیں تھا۔ کوئی خفیہ قوت مجھے مجبور کر رہی تھی۔ تقدیر مجھے دھکیل رہی ہے میں انجام کار اسی کی ہوں۔ ہاں میں اسی کی ہوں اور بخدا اسے اپنا کر کے رہوں گی" یہ وحشت آفریں الفاظ کہہ کر خانم دروازہ کھول کر باہر چلی گئی۔

اس کے جانے کے بعد اس قضیہ نامرضیہ سے تھک کر میں لیٹ گیا۔ کیا خدا کی قدرت تھی کہ اس خاتون کے دل پر ایسا شدید جذبہ حاوی ہو گیا۔ آخر خانم کون تھی اور زیادہ تر یہ سوال پیش نظر تھا کہ ایمن اسے کیا سمجھے گا۔ کاش اس سے پہلے کہ ایمن اپنے قول یا فعل سے کسی ایسی بات کا اظہار کر بیٹھے جس کا واپس لینا ناممکن ہو۔ میں اس کے پاس جا سکتا۔

× × × × × ×

اس کے بعد تین دن گذر گئے پھر خانم مجھے نظر نہ آئی۔ ساحر سمیری کے قول کے بموجب وہ شہر میں اپنے مہمانوں یعنی ہمارے لئے تیاری کرنے چلی گئی تھی۔ میں نے سمیری سے استدعا کی کہ مجھے ایمن کے پاس جانے دو لیکن اس نے مہذب پیرائے میں سختی سے انکار کر کے کہہ دیا کہ میرے بغیر وہ بہتر حالت میں ہے۔ اس سے مجھے شبہ پیدا ہوا کہ کہیں خدانخواستہ

ایبن پر کوئی آفت نہ نازل ہو گئی ہو۔ مگر حقیقت کیسے معلوم ہو+ اس پریشانی میں میں نے کوشش کی کہ ایک ردی کاغذ پر کچھ لکھ کر ہی اس کے پاس بھیج دوں۔ لیکن نوکرنے کاغذ کو ہاتھ لگانے سے ہی انکار کر دیا اور سمیری نے کہا کہ جس تحریر کو میں نہیں پڑھ سکتا اسے ہم نہیں چھو سکتے + تیسری رات کو میں نے ارادہ کر لیا کہ اجازت ہو یا نہ ہو میں ایبن سے ضرور ملوں گا + اس وقت تک میں چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ پھر توانا اور تندرست ہو گیا تھا۔ چنانچہ آدھی رات کے قریب چاند نکلنے پر میں اٹھا کپڑے پہنے اور ایک چاقو جو میرا آخری ہتھیار تھا ساتھ لے کر باہر نکلا +

جب مجھے اس کمرے سے اٹھا کر لائے تھے جہاں ایبن تھا۔ میں نے ذہن میں راستے کا اندازہ لگا لیا تھا۔ میرے کمرے کی طرف سے چل کر پہلے ایک راستہ سا آتا تھا۔ جس کی لمبائی تیس قدم تھی + میں نے لوگوں کے قدم شمار کر لئے تھے۔ پھر بائیں طرف کو مڑ کر دس قدم اور اسی قسم کا راستہ تھا۔ آخر میں سیڑھیوں کے قریب جو کسی نامعلوم طرف کو جاتی تھیں پھر دائیں طرف کو ایک موڑ آتا تھا جس کے بعد ہمارا پہلا کمرہ تھا +

پہلے لمبے راستے کو میں نے دبے پاؤں عبور کر لیا۔ باوجود سخت تاریکی کے بائیں طرف کا موڑ بھی مل گیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ دائیں طرف کے موڑ پر پہنچ گیا۔ اس پر احتیاط سے مڑتے مڑتے جلد ہی سے پھر پیچھے کو لوٹا۔ کیونکہ ہاتھ میں چراغ لئے خانم بہ نفس نفیس خود ایبن کے کمرے کا دروازہ باہر سے مقفل کر رہی تھی +

پہلے تو میرے دل میں خیال آیا کہ اپنے کمرے کو لوٹ چلوں مگر پھر دیکھے جانے کے اندیشے سے یہ ارادہ ترک کر دیا اور یہ عزم کر لیا کہ اگر خانم نے مجھے دیکھ ہی لیا تو میں رُودررُو کہہ دوں گا کہ میں ایبن کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اسے ڈھونڈنے آیا تھا + یہ سوچ کر میں دیوار سے

لگ کر کھڑا ہوگیا۔ اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ انتظار کرتا رہا۔ میں نے اسے اِدھر کو آتے دیکھا پھر وہ سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔

اب میں کیا کروں؟ اپنی کی جستجو میں جانا تو صاف حماقت تھی۔ کیونکہ اس کے کمرے کا دروازہ مقفل تھا اور اس کی چابی خانم کے قبضے میں تھی۔ میں نے پھر فیصلہ کیا کہ اس کا تعاقب کروں اگر کہیں دوچار ہوگئے تو وہی بہانہ بنا دوں گا۔ اس طرح ممکن ہے کہ معلومات حاصل ہو جائیں۔ نہیں تو یا قسمت یا نصیب۔

چنانچہ گوشے کے گرد اور سیڑھیوں کے اوپر میں چیونٹی کی چال سے چڑھا۔ یہ زینہ چکر دار تھا۔ جیسے بلند میناروں میں ہوتا ہے۔ آخر کار میں اوپر کی چوکڑی پر پہنچا۔ جہاں ایک دروازہ کھلتا تھا۔ یہ دروازہ بہت ہی کہنہ تھا۔ اس کے تختوں کے جوڑ ڈھیلے ہوکر ان میں سے اندر کی روشنی اس طرف پڑ رہی تھی اور کمرے میں سے خانم اور ساحر سمبری کی آواز آ رہی تھی۔ میں نے ساحر کو کہتے سُنا "بنت الاخت تم نے کچھ دریافت کیا؟" اس کا جواب خانم نے دیا "ہاں مگر بہت کم"۔

میں دریافت کے شوق میں جرأت کرکے دروازے کے قریب پہنچ کر درز میں سے اندر جھانکنے لگا۔ عین میرے سامنے لٹکتے ہوئے چراغ کی تیز روشنی میں ایک بلند میز پر کہنی ٹکائے ہوئے سمبری بیٹھا تھا۔ خانم کھڑی تھی۔ واقعی اس وقت وہ حسن مجسم معلوم ہوتی تھی۔ عنابی مخمل کی پوشاک زیب بدن تھی سر پر سونے کا چھوٹا سا تاج تھا اور اس کے نیچے سے اس کے سیاہ گھونگر والے بال نکل کر اس کی خوب صورت گردن اور سینے پر جھوم رہے تھے۔ اسے دیکھتے ہی میں نے فوراً تاڑ لیا کہ یہ آرائش و زیبائش کسی خفیہ مقصد کے لئے کی گئی ہے۔ جس قدر بھی حسن کی ایزادی مشاطہ گری سے ممکن ہے۔ وہ تمام کی ہوئی تھی سمبری غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بیم و رجا اس کے خد و خال سے ٹپک رہے تھے

آخر اس نے پوچھا:۔
"تمہاری کیا گفتگو ہوئی؟"
خانم:۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے اس سرزمین میں آنے کی اصلی وجہ کیا ہے۔ اور یہ پتہ چلا لیا کہ وہ کسی حسینہ کی تلاش میں یہاں تک آیا ہے + میں نے پوچھا کہ آیا وہ حسینہ مجھ سے بڑھ کر شکیل ہے۔ تو اس نے نرمی سے جواب دیا کہ اس کا فیصلہ آسان نہیں۔ البتہ وہ مجھ سے مختلف صورت کی تھی + اس کے جواب میں میں نے کہا کہ اگرچہ مجھے کہنا واجب نہیں تاہم واقعہ ہے کہ قانون میں ایسی کوئی عورت نہیں جو میرے برابر حسین ہو۔ اور یہ کہ میں یہاں کی ملکہ ہوں۔ میں نے ہی تمہیں ڈوبنے سے بچایا اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم میری ہی تلاش میں ہو"۔
سمبری:۔ (بے صبری سے) بنت الاخت بس! میں جانتا ہوں کیسے لطائف الحیل سے تم نے بات کی ہوگی اس کے بعد بتاؤ کیا ہوا"۔
خانم:۔ اس نے کہا شاید ایسا ہی ہو کیونکہ میرا یقین ہے کہ وہ دوبارہ پیدا ہوئی ہے اور مجھ سے پوچھا کہ تم کبھی شعلوں میں سے گذری ہو + میں نے کہا کہ میں جس آگ میں سے گذری ہوں بلکہ جس میں اب تک جل رہی ہوں وہ میرے قلب کی آگ ہے + اس نے کہا "مجھے اپنے گیسو دکھاؤ"۔ اور میں نے ایک لٹ اس کے ہاتھ میں دے دی + اس نے دیکھ کر فوراً اسے چھوڑ دیا اور اس بٹوے میں سے جو اس کے گلے میں پڑا ہے۔ بالوں کی ایک لٹ نکالی + ماموں سمبری! ان بالوں کی خوب صورتی کا کیا بیان کروں۔ ریشم سے زیادہ ملائم تھے اور میرے تاج سے زمین تک پہنچتے تھے۔ ان عنبریں سیاہ بالوں کی چمک کا اندازہ بیان سے باہر ہے + اس نے کہا "تمہارے بال خوب صورت ہیں۔ مگر ایسے نہیں"۔ میں نے کہا۔ شاید مگر آج تک ایسے بال کسی عورت کے نہیں دیکھے گئے"۔ اس کا جواب اس نے یہ دیا کہ تم سچ کہتی ہو۔ اس لئے کہ میں جس کی تلاش میں ہوں وہ

معمولی عورتوں سے بدرجہا بالاتر ہستی ہے۔ پھر۔ آہ! پھر میں نے ہزار کوشش کی اس نے ایک لفظ آگے نہ کہا۔ میرے دل میں اس نامعلوم عورت کے خلاف نفرت وحقارت کا جذبہ مشتعل ہوا۔ اور اس جوش میں خدا جانے زبان سے کیا نکل جاتا۔ اس لئے میں اُٹھ کر چلی آئی۔ اب میں تمہیں حکم دیتی ہوں کہ تم اپنی عقل کی کتاب کا مطالعہ کرکے دریافت کرو کہ جسے وہ تلاش کرتا ہے وہ عورت کون ہے۔ اور کہاں رہتی ہے۔ خدا کے لئے جلد انکشاف کرو۔ تاکہ میں اسے ڈھونڈ کر اس تختۂ دنیا سے نیست ونابود کردوں"۔

سمبری:- "ہاں اگر تم کرسکو اور وہ مارے جانے کے لئے زندہ ہو۔ لیکن یہ تو کہو کہ ہم اپنی جستجو کدھر سے شروع کریں؟"

یہ کہہ کر سمبری نے ایک کاغذ نکالا اور کہا:- "اب اس خط کے متعلق بتاؤ جو کاہن اعظم معدن نے تمہارے دربار میں بھیجا تھا"۔

خانم:- "پڑھو! میں اُسے پھر سننا چاہتی ہوں"۔

سمبری نے پڑھنا شروع کیا:-

منجانب عزا کاہنۂ دارالناد بنام ملکہ شمستہ خانم تالون

یا اُختی! مجھے اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ دو جنوب مغربی قوم کے سیاح سفر کرتے ہوئے تمہاری مملکت میں وارد ہوئے ہیں اور میری زبان سے خطاب الٰہی سننا چاہتے ہیں۔ میں حکم دیتی ہوں کہ اگلے چاند کی پہلی تاریخ کو تم اور تمہارے ساتھ تمہارا ماموں ساحر دانا حارس الٰہا سمبری قصر عمیق میں دریا کے کنارے پر قدیم شاہراہ کے سرے کے پاس جاؤ۔ کیونکہ وہ سیاح اسی راستے سے آرہے ہیں۔ انہیں ہر قسم کی امداد بہم پہنچاؤ اور حفاظت سے یہاں پہاڑ پر لے آؤ۔ یہ یاد رہے کہ اس معاملے میں تم اور سمبری ذمہ دار ہو۔ میں خود وہاں آکر انہیں نہیں مل سکتی کیونکہ ایسا کرنا قدیم معاہدے کے خلاف ہے۔ جس میں

تحریر ہے کہ مکانِ مقدس کی کاہنۂ اعظم سرزمین قالون میں سوائے جنگ کے داخل نہیں ہو سکتی۔ علاوہ بریں ان کا داخلہ اور طرح مقدر ہے"۔
یہ پڑھ کر سمبری نے کاغذ رکھ دیا اور کہا:۔ "معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ آوارہ گرد سیاح نہیں ہیں کیونکہ عزّا ان کی منتظر ہے"۔
خانم:۔ "واقعی یہ آوارہ گرد نہیں ہیں کیونکہ ان میں سے ایک کے لئے میرا دل بھی متلاشی تھا۔ لیکن عزّا وہ عورت نہیں ہو سکتی جس کی وجوہات تم جانتے ہو"۔
سمبری:۔ "اگر واقعی اس معاملے میں کسی عورت کا ہی دخل ہے تو اس کے علاوہ پہاڑ پر اور بھی عورتیں ہیں"۔
خانم:۔ "اور کسی کا ہو یا نہ ہو میرا تعلق ضرور ہے۔ میں اسے ہرگز پہاڑ پر نہ جانے دوں گی"۔
سمبری:۔ "بنت الاخت۔ عزّا بہت طاقت ور ہے۔ اس کے ان ملائم الفاظ میں زبردست تہدید پنہاں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ قدیم الایام سے صاحب قوت ہے۔ ہوا اور پانی میں اس کے خدمت گزار موجود ہیں۔ جنہوں نے اُسے ان کے آنے کی اطلاع پہنچا دی۔ میں جسے اس سے نفرت ہے اس کا معترف ہوں اور تمہارے شاہی خاندانِ رشان کو پشتہا پشت سے اس کا علم ہے اس لئے اس کے خلاف تمرد ہم سب کے لئے باعث مصیبت ہوگا۔ وہ خوفناک خبیث روح ہے۔ وہ کہتی ہے کہ ان کے جانے کا حکم ہو چکا ہے......"۔
خانم:۔ "اور میں کہتی ہوں کہ اُس کے نہ جانے کا حکم ہو چکا ہے۔ دوسرا چاہے تو چلا جائے"۔
سمبری:۔ "شمسہ! ہوش میں آؤ۔ تم اس شخص سے جس کا نام امین ہے کیا چاہتی ہو۔ کیا تم اُسے اپنا عاشق بنانا چاہتی ہو"۔
خانم:۔ "نہیں۔ میں اُسے اپنا خاوند بنانا چاہتی ہوں"۔

سمبری :- "اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ بھی بننا چاہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ نہیں چاہتا۔ علاوہ ازیں ایک عورت دو خاوند کیسے کر سکتی ہے"۔

خانم نے سمبری کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "میرا خاوند کوئی نہیں ہے۔ سمبری تم اسے خوب جانتے ہو۔ میں اسی خون کا واسطہ دے کر جو میری اور تمہاری رگوں میں جاری ہے حکم دیتی ہوں کہ ۔۔۔۔ ایک گلاس مجھے اور دو۔۔۔۔۔۔"

سمبری :- "یہ حکم دیتی ہو کہ قتل میں شریک ہو کر تم سے زیادہ وابستہ ہو جاؤں۔ نہیں شمسہ! مجھ سے یہ نہ ہوگا۔ ابھی کیا تمہارے گناہ کا بوجھ میرے سر پر کم ہے۔ تم بہت حسین ہو۔ ایمن کو اپنے جال میں پھنسا لو۔ یا بہتر یہ ہے کہ اس کا خیال چھوڑ دو"۔

خانم :- "میں اس کا خیال نہیں چھوڑ سکتی۔ کاش دل پر قابو ہوتا! میں اس کے عشق کے لئے اسی طرح مجبور ہوں۔ جیسے اس عورت سے نفرت کرنے کے لئے جس پر وہ عاشق ہے۔ لیکن کیا کروں کوئی خفیہ طاقت اس کے دل کو میری طرف سے پتھر کئے ہوئے ہے۔ اے ساحر اعظم۔ تم اسرار آشنا ہو۔ تم ماضی اور مستقبل کے واقعات کو دیکھ سکتے ہو۔ خدا کے لئے مجھے بتاؤ تمہارا نجوم اور قیافہ کیا کہتا ہے"۔

سمبری :- "شمسہ! میں نے پہلے ہی بہت سے اسرار کا انکشاف گھنٹوں محنت کر کے حاصل کر لیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تمہاری تقدیر اس کی قسمت سے الجھی ہوئی ہے لیکن تم دونوں کے درمیان ایسی دیوار حائل ہے جس کے عبور سے میری بصیرت قاصر ہے اور میرے موکل اس پر چڑھ نہیں سکتے اتنا علم مجھے ضرور حاصل ہو گیا ہے کہ انجام کے وقت وہ اور تم ایک جا ہو گے اور میں تمہارے قریب ہی ہوں گا"۔

خانم نے غرور سے بھری ہوئی آواز میں کہا "بس پھر موت آ جائے گی

اور اس کے بعد میں اپنا گوہر مقصود پاؤں گی "
سمیری :- اتنا یقین درست نہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ قوت موت کی تاریک گھاٹی میں بھی ہمارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ میرا یہ بھی خیال ہے۔ کہ عزا کی جاگتی ہوئی آنکھیں اس وقت بھی ہماری ارواح کا مشاہدہ کر رہی ہیں "
خانم :- تو تصورات باطلہ سے اس کی آنکھوں میں خاک جھونک دو۔ جیسا کہ تم کر سکتے ہو۔ کل کو پہاڑ پر عزا کے نام خط بھی لکھ دو کہ وہ بوڑھے مسافر آ پہنچے ہیں :- بوڑھے " کے لفظ کو یاد رکھنا اور جنس ذکور کا تذکرہ نہ کرنا اور یہ لکھ دینا کہ وہ سخت بیمار ہیں۔ دریا میں ان کے اعضا شکستہ ہو گئے ہیں۔ جب انہیں صحت ہو جائے گی تو خطاب الہی سننے کے لئے انہیں بھیج دیا جائے گا۔ یعنی تقریباً تین ماہ تک۔ شاید وہ تمہارا یقین کر لے اور انتظار میں بیٹھ جائے۔ نہیں کم از کم خط و کتابت کا سلسلہ تو موقوف ہو جائے گا۔ اب مجھے نیند آ رہی ہے اگر اب نہ سوئی تو میرا سر پھٹ جائے گا۔ مجھے وہ دوا دو جس سے آرام کی نیند آ جاتی ہے اس وقت مجھے اس کی اشد ضرورت ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ کسی کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے دروازے کی طرف دیکھا ۔

میں جلدی سے وہاں سے اتر آیا۔ ابھی میں راستہ میں ہی تھا۔ کہ مجھے اس دروازے کے کھلنے کی آواز آئی۔ میں نے خدا کا شکر کیا کہ اچھے وقت وہاں سے چلا آیا تھا ۔

باب ہشتم

سگانِ موت

آمادۂ پیکار شد دیوانۂ سر باختہ
جانِ رقیب روسیہ پیشِ سگاں انداختہ

اگلی صبح دس یا کچھ زیادہ بجے ہوں گے کہ ساحر سمبری میرے کمرے میں آیا اور مجھ سے پوچھا کہ رات نیند کیسی آئی ؟ میں نے کہا: " مجھے تو سو کر خبر نہیں رہی جس شخص کو دوائیں دی گئی ہوں اس کا بھی اس طرح سونا ممکن نہیں ہے "۔

سمبری : " بے شک دوست حنیف! مگر تم ماندہ معلوم ہوتے ہو "۔

میں : " مجھے خوابوں نے پریشان کئے رکھا اور میں اس کا عادی ہوں۔ لیکن دوست سمبری! آپ کی صورت سے نظر آتا ہے کہ آپ رات بھر نہیں سوئے کیونکہ میں نے آپکو کبھی اس قدر مضطر نہیں دیکھا "۔

سمبری : " واقعی میں بہت تھکا ہوا ہوں کیونکہ گذشتہ رات کو میں اپنے کام یعنی معائنۂ ابواب میں مصروف رہا "۔

میں : " کون سے ابواب ؟ وہی تو نہیں جن سے ہم آپ کی مملکت میں داخل ہوئے ہیں ؟ خدا بچائے ایسے سفر سے۔ تو ان کا معائنہ کرتے رہنا بدرجہا آسان کام ہے "۔

سمبری : " وہ نہیں بلکہ ابوابِ ماضی و مستقبل۔ تم کہہ سکتے ہو کہ جن سے تم داخل ہوئے وہی دروازے۔ کیونکہ خود غور کرو کیا تم عجیب و غریب ماضی

سے سفر کر کے ایسے مستقبل میں وارد نہیں ہوئے جس کا تم اندازہ نہیں کر سکتے"۔

میں "مگر یہ دونوں آپ کے لئے باعث دلچسپی ضرور ہیں"۔

سمبری "شاید! ہاں میں یہ کہنے آیا تھا کہ ایک گھنٹے میں تم شہر کو جاؤ گے۔ جہاں ابھی خانم تمہارے لئے تیاری کرنے کی غرض سے گئی ہیں"۔

میں "بہت اچھا۔ مگر آپ نے تو یہ کہا تھا کہ خانم کو گئے ہوئے کئی دن ہو گئے۔ خیر اب میں تندرست ہوں اور سفر کے لئے تیار ہوں۔ میرا متبنے بیٹا کیسا ہے"؟

سمبری "وہ بہت اچھا ہے۔ اب تم خود اُسے دیکھ لو گے خانم نے حکم دے دیا ہے۔ غلام کپڑے لے کر آ گئے ہیں۔ انہیں تمہارے پاس چھوڑے جاتا ہوں"۔

غلاموں کی امداد سے میں نے کپڑے پہنے۔ لباس میں ململ کا کرتہ اونی بڑے پائنچوں کا پاجامہ اور کمری اور ان سب پر پشمینہ کا سیاہ جبہ تھا یہ جبہ بہت ہی آرام دہ تھا۔ اسی قسم کی ایک ٹوپی تھی اور پیلے چمڑے کے جوتے تھے۔ میں لباس پہن ہی چکا تھا کہ زرد چہرے والے غلاموں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا اور راستوں اور سیڑھیوں کے راستے سے اس مکان کے دروازے پر لے آئے۔ خدا کا شکر ہے یہاں ایبن موجود تھا۔ اس کی صحت اچھی تھی۔ اگرچہ چہرے پر مُردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ اتنی زبردست بیماری کے بعد اس سے زیادہ توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ بالکل میرے جیسا ہی لباس اس کے بھی زیب بدن تھا۔ فرق اتنا تھا کہ اس کا لباس بڑھیا کپڑے کا بنا ہوا تھا اور جبہ سفید رنگ کا تھا۔ جس پر بازو پوش بھی لگا ہوا تھا۔ یہ سفید لباس اس کے قد و قامت پر بہت ہی زیب دے رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر ایبن اُچھل پڑا اور انتہائی گرمجوشی سے۔ جس سے سمبری بھی متاثر ہوا۔ میری مزاج پرسی کی اور پوچھا کہ تمہیں کہاں چھپا دیا گیا

ما۔ اس کا جواب میں نے صرف یہ دیا کہ "ابھی اتنا ہی غنیمت جانو کہ ہم دونوں
لٹھے ہو گئے ہیں۔ باقی حالات پھر بتاؤں گا" ۔

اسی اثنا میں پالکیاں آ پہنچیں۔ ان کے اگلے اور پچھلے سروں میں ایک
یک ٹٹو باندھا گیا تھا۔ بیچ میں بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ہم ان میں بیٹھ گئے۔
ور سمیری کے ایک اشارے پر غلاموں نے اگلے ٹٹوؤں کی لگامیں تھام
یں اور ہم اس سرحدی مکان کو جس میں سے شاید صدیوں میں یہ پہلا
قع تھا کہ کوئی مسافر آ کر گذرا ہو۔ پیچھے چھوڑ کر روانہ ہوئے ۔

میل بھر کے قریب تو راستہ پتھریلی وادی میں سے گذرتا تھا۔ یہاں
ک کہ یکایک ایک موڑ پر یہ راستہ ختم ہو کر سیدھی سڑک آتی تھی اور
الوں کی سرزمین سامنے نظر آتی تھی۔ عین اسی جگہ سے ایک دریا گذرتا
ا۔ جو شاید وہی تھا جس میں ہم کودے تھے۔ یہاں اس کا بہاؤ بہت تیز
ا۔ لیکن آگے چل کر میدانوں میں اس کی رفتار بہت سست ہو گئی تھی۔
ر میدانوں میں چکر کھاتا ہوا دور تک تا بحد نگاہ چلا گیا تھا ۔

شمال کی طرف یہ لامتناہی میدان اس پہاڑ سے محدود تھا جس نے
ماری رہبری کی تھی اور جس کا نام دارالنّار یا کوہ آتشین تھا۔ یہ ہم سے
ڑے فاصلے پر تھا کوئی سو میل کے قریب ہوگا۔ باوجود اس کے اس کی
ظمت و جبروت نمایاں تھی۔ یہ دامن چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کی صورت
یں کئی کوس میں پھیلا ہوا تھا اور وسط میں بیس ہزار فٹ کی بلندی پر
س کی سفید چمکدار چوٹی الگ نظر آ رہی تھی۔ اور اس کے دہانے کے
وسرے کنارے پر دہ عظیم الشان مینار نصب تھا۔ جس کے اوپر اس سے
یادہ عظیم الشان حلقہ خالص پتھر کا جڑا ہوا تھا۔ جس کی سیاہی اوپر روشن
سمان اور نیچے چمکدار برف کے مقابلہ میں ہیبت آفرین صورت میں
مودار تھی ۔

ہم نے اسے بنظر احترام دیکھا۔ یہی ہماری امیدوں کا مرجع تھا۔ اور

ہے اور ممکن ہے کہ انجام کار ہماری ہستیوں کا مزار بھی ثابت ہو۔ تاہم ہم محسوس کرتے تھے کہ ہماری تقدیر کا فیصلہ یہاں ہوگا۔ میں نے یہ بھی اندازہ کیا۔ کہ ہمارے ہمراہیوں نے بھی اس کا احترام کیا۔ جس کا طریقہ یہ تھا کہ اسے دیکھتے ہی پہلے سب نے سر جھکائے پھر دائیں ہاتھ کی شہادت کی اُنگلی بائیں ہاتھ کی اُنگلی پر رکھ کر اس طرف اشارہ کیا۔ ہم نے بعد میں معلوم کیا کہ یہ اشارہ اس کے بُرے اثرات کو رد کرنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ سمبری نے بھی یہی مراسم تکریم ادا کئے۔ اگرچہ مجھے اس سے توقع نہیں تھی۔ میں نے سمبری سے پوچھا:-

"کیا آپ کبھی اس پہاڑ پر گئے ہیں؟"

سمبری نے سر ہلا کر مبہم الفاظ میں جواب دیا۔ میدان کے لوگ اس پہاڑ پر قدم نہیں رکھتے۔ اس کے دامنوں میں دریا کے دوسرے کنارے پر وحشیوں کی آبادی ہے۔ ہماری ان سے اکثر لڑائی رہتی ہے۔ کیونکہ قحط کے زمانے میں وہ ہمارے مویشی اور پیداوار چرا لے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں جب پہاڑ کو جوش آتا ہے تو وہاں پگھلی ہوئی فلزات کی ندیاں بہنے لگتی ہیں اور مسافروں کی جان خطرہ میں ہو جاتی ہے۔"

ایمن "کبھی راکھ اور انگارے آپ کی زمین میں بھی گرتے ہیں؟"

سمبری "سنا جاتا ہے کہ غصہ کی حالت میں پہاڑ کی روح ادھر بھی انگارے پھینکا کرتی تھی۔ اسی وجہ سے ہم اس سے ڈرتے ہیں۔"

ایمن "یہ روح کون ہے؟"

سمبری "سردار! مجھے کیا علم ہے۔ کیا روح انسان کو نظر آیا کرتی ہے؟"

ایمن نے اس کے مومی چہرے اور مضطرب آنکھوں پر نظر ڈال کر کہا۔ "چند روز ہوئے جب تو معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو ارواح نظر آتی ہیں اور آپ ان کا مشاہدہ کر چکے ہیں۔"

سمبری "آپ خواہ مخواہ میری عزت بڑھاتے ہیں۔ میرے فن اور میری

بصیرت کی یہاں تک رسائی نہیں ہے ..... وہ دیکھئے گھاٹ نظر آ رہا ہے جہاں سے ہم کشتیوں میں سوار ہو کر چلیں گے۔ آگے تمام راستہ کشتیوں کا ہے "۔

ان کشتیوں میں کافی جگہ اور سامان آسائش تھا۔ سامنے اور پیچھے کے حصے کشادہ تھے۔ جن پر بادبان لگے ہوئے تھے۔ انہیں چپوؤں سے نہیں چلاتے تھے بلکہ کنارے پر جانور کھینچتے تھے۔ امین اور میں ان میں سے سب سے بڑی کشتی میں سوار ہو گئے اور خدا کا احسان تھا کہ سوائے ملاحوں کے اور کوئی ہمارے پاس نہ تھا۔ ہمارے پیچھے دوسری کشتی میں غلام اور خدمتگار سوار تھے اور کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو سپاہی معلوم ہوتے تھے کیونکہ وہ تلواروں اور کمانوں سے مسلح تھے۔ سوار ہونے کے بعد ٹٹو پالکیوں میں سے کھول لئے گئے۔ اور کشتیوں کے گڑوں میں سبز چمڑے کے رسے باندھ کر ان کے ساتھ ٹٹوؤں کو جوت دیا گیا۔ دریا کے کنارے کنارے کشتیاں کھینچنے کی عمدہ پختہ سڑک بنی ہوئی تھی۔ جہاں کہیں دریا میں معاون ندیاں داخل ہوتی تھیں یا نہریں نکالی گئی تھیں۔ وہاں مضبوط چوبی پل بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ ٹٹو روانہ ہوئے اور ہمارا سفر شروع ہوا۔ اس وقت امین نے کہا:۔

" خدا کا شکر ہے ہم پھر اکٹھے ہوئے۔ حنیف! آپ کو یاد ہے کہ جب ہم کور میں داخل ہوئے تھے تو ہمارا سفر کشتیوں ہی سے شروع ہوا تھا۔ پھر وہی قصہ دہرایا جا رہا ہے "۔

میں "میرا خود یہی عقیدہ ہے۔ اصل میں اب میرے عقاید ڈھلمل ہو گئے ہیں۔ امین! میں تو یہ کہتا ہوں کہ ہم مچھروں کی طرح مکڑی کے جالے میں پھنس گئے ہیں۔ جس میں خانم مکڑی کی طرح ہے اور ساحر سمبری اس کا محافظ ہے۔ یہ بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا گذری۔ لیکن ذرا جلدی کرو۔ مجھے بھروسہ نہیں کہ دیر تک یہ لوگ ہمیں اکیلا چھوڑیں گے "۔

ایمن :- "اچھا..... مجھے بوڑھے اور اس خاتون کی امداد سے دروازے تک پہنچنا تو یاد ہے۔ ہاں آپ نے مکڑی کا ذکر کیا تو مجھے اپنا اس چھڑے کے تسمے کے ساتھ لٹکنا یاد آ گیا۔ یوں تو میں اسے عمر بھر نہیں بھول سکتا۔ آپ کو علم ہے کہ میں نے چھڑے کو کاٹا کیوں تھا۔ بات یہ تھی کہ خوف و دہشت سے میرے حواس معطل ہوتے جا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ پاگل ہو کر مرنے سے صحیح الدماغ مرنا ہزار درجہ بہتر ہے۔ آپ کے ساتھ کیا ماجرا پیش آیا۔ کیا آپ پھسل گئے تھے؟"

میں :- "نہیں۔ تمہارے بعد میں خود کود گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اکٹھے مرجانا اچھا ہے تاکہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی اکٹھے ہم سفر ہوں۔"

ایمن کی آواز بھرا گئی اور آنکھوں میں آنسوں ڈبڈبا آئے اور اس نے محبت آمیز لہجہ میں کہا :- "آفرین۔ مرحبا۔"

میں نے کہا :- "اس کا ذکر چھوڑو۔ تمہیں یاد ہے تم نے کہا تھا کہ ہم اس دشواری کو بھی عبور کر لیں گے۔ یہ قول سچ نکلا۔ دیکھو ہم نے آخر عبور کر ہی لیا۔ ہاں اب اپنی داستان سناؤ۔"

ایمن :- "میری داستان دلچسپ ہے مگر بہت طویل نہیں۔ میں بیہوش ہو گیا اور جب آنکھ کھلی تو ایک حسینہ میرے اوپر جھکی ہوئی تھی۔ حنیف! پہلے میں سمجھا کہ یہ حسینہ وہ ہے اور اس نے مجھے بوسہ دے دیا ہے مگر بعد میں صرف خواب ثابت ہوا۔"

میں :- "نہیں یہ خواب نہیں تھا۔ میں نے خانم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے۔"

ایمن :- "مجھے یہ سن کر بہت ہی صدمہ ہوا۔ خیر وہاں وہ حسینہ موجود تھی اور یہ خانم تھی کیونکہ اس کے بعد میں نے اکثر اسے وہاں موجود پایا اور اعلیٰ درجے کی روزمرہ یونانی زبان میں اس سے باتیں بھی کیں۔ عجیب لطیفہ ہے کہ عذرا بھی یونانی زبان کی ماہر تھی۔"

میں :- "عذرا بہت سی قدیم زبانوں کی ماہر تھی جیسا کہ بہت سے انسان

ہوتے ہیں۔ آگے کہو کیا ہوا؟"

امین:- "خیر اس نے نہایت شفقت سے میری تیمارداری کی گذشتہ رات تک مجھے یہ یقین تھا کہ اس سے بڑھ کر ہمدردی کا اظہار نہیں ہو سکتا۔ مگر میں نے اتنی دانائی سے کام لیا۔ کہ اپنی گذشتہ زندگی کے حالات اُسے بتانے سے حتے الوسع اجتناب کیا۔ میں ہمیشہ بہانہ کرتا رہا گویا میری سمجھ میں اس کا سوال نہیں آیا۔ اور یہ پوچھتا رہا کہ تم کہاں ہو۔ کیونکہ ہوش میں آ کر میں نے تمہیں کہیں نہ پایا۔ میرا خیال ہے کہ میرے اس ٹھس پن سے وہ کچھ خفا بھی ہو گئی۔ کیونکہ اُدھر وہ کچھ دریافت کرنا چاہتی تھی اِدھر میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ مجھے اس نے سوائے اس کے کچھ نہ بتایا کہ وہ خانم ہے اور صاحب اقتدار ہے۔ اس اقتدار کا ثبوت بھی ملتا رہتا تھا۔ کیونکہ اگر کبھی کوئی نوکر یا غلام اس کی گفتگو میں جب کہ وہ مجھ سے کچھ کہلوانا چاہتی تھی مخل ہوتا تھا تو وہ اپنے کسی نوکر کو آواز دے کر حکم دیتی تھی کہ اسے نیچے گرا دو وہ بیچارا بھاگ کر سیڑھیوں سے اتر جاتا تھا اور بمشکل سے اپنی جان بچا سکتا تھا۔ غرض یہ کہ نہ مجھے کچھ اس کا بھید کھلا نہ میں نے اُسے کچھ بتایا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسے اجنبی مسافر سے اس قدر وابستگی کی آخر کیا وجہ تھی۔ سوائے اس کے کہ ..... او حلیف! آخر ..... آخر وہ کون ہو سکتی ہے؟"

میں:- "جب تم کہہ چکو گے تو میں اپنا خیال ظاہر کروں گا۔ ایک وقت میں ایک بات ہو لینے دو۔"

امین:- "بہت خوب! میں پھر تندرست اور مضبوط ہو گیا۔ یہاں تک کہ رات کے صدمے نے مجھے پھر اعتدال سے گرا دیا۔ بات یہ تھی کہ رات کو جب بوڑھا فسونگر سمبری مجھے کھانا کھلا کر چلا گیا اور میں سونے کو تیار ہوا تو خانم شاہی لباس زیب بدن کر کے میرے کمرے میں داخل ہوئی۔ واقعی شاہی اس کے ہر طور سے عیاں تھی۔ جیسے پریوں کی کہانیوں میں شہزادی کا حلیہ

ہوتا ہے سر پر سنہرا تاج تھا اور اس کی سیاہی مائل بھوری کاکل پیچاں شانوں اور کمر پر بکھری ہوئی تھیں + اس نے آتے ہی مجھ سے عشق کا اظہار شروع کیا اور کہنے لگی کہ ہم گذشتہ زمانے میں ضرور ایک دوسرے سے واقف تھے۔ اب بھی ہمیں مودت کو جاری رکھنا چاہئے + مجھ سے جہاں تک ہوسکا میں نے اسے ٹالنے اور بہلانے کی کوشش کی۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ ایک مرد کی جب کہ وہ بیمار پڑا ہو اور ایسی حسین ومہ جبین شہزادی سرہانے کھڑی اس کی مدحت سرائی کر رہی ہو کیا حالت ہوسکتی ہے + انجام یہ ہُوا کہ اس کے سوالات سے عاجز آ کر اور اس قصے کو روکنے کی نیت سے میں نے کہہ دیا کہ میں اپنی بیوی عذرا کی تلاش میں ہوں + آخر حنیف! عذرا میری بیوی ہی تو ہے۔ وہ مسکرائی اور کہا کہ تلاش کی ضرورت نہیں۔ اس کا منشا یہ تھا کہ وہی عورت ہے جس کی تلاش میں میں سرگرداں ہوں۔ واقعی اس نے ایسے وثوق سے کہا کہ میرے دل میں شبہات پیدا ہوگئے۔ اور میں نے سوچا کہ شاید اب عذرا کی صورت بدل گئی ہو۔ مگر میں ابھی سوچ رہا تھا کہ آخر کیا کروں کہ مجھے عذرا کی آخری یادگار اس کے بالوں کی لٹ یاد آئی اور سینے پر ہاتھ لگا کر میں نے اسے یہاں سے نکال کر خانم کے بالوں سے مقابلہ کیا۔ ان بالوں کو دیکھتے ہی اس کا رنگ سپید و متغیر ہوگیا + میرا خیال ہے کہ رشک کی آگ اس کے سینے میں مشتعل ہوگئی۔ کیونکہ اس کے بالوں کی نسبت یہ بہت لمبے تھے اور بالکل مختلف تھے +

"حنیف! میں سچ کہتا ہوں کہ ان بالوں کو چھوتے ہی اس پر ایسا اثر ہُوا جیسا شورے کے تیزاب سے جھوٹے سونے پر ہوتا ہے۔ میں کہہ چکا ہوں اس پر تغیر واقع ہُوا۔ اور اس کی فطری بدی فوراً عیاں ہوگئی + غصے میں اس کا لہجہ عامیانہ ہوگیا۔ اور غیر مہذب گفتگو پر اتر آئی۔ آپ کو علم ہے کہ غصے میں عذرا ہمارے نزدیک ظلم پر اتر آتی تھی اور یقیناً خوفناک ہو جاتی تھی۔ مگر کبھی شرافت اور تہذیب سے نہیں گرتی تھی۔ اسی وقت

ے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ خانم کوئی کیوں نہ ہو عذرا ہرگز نہیں ہے۔ اِن دونو
ں اتنا تفاوت ہے کہ یہ کبھی ایک نہیں ہو سکتی جیسا کہ اِن کے بالوں
ں فرق ہے۔ میں خاموش ہو کر پڑ گیا اور اسے بکنے دیا یہاں تک کہ اس
ے مجھے دھمکیاں بھی دیں۔ اور پھر اُٹھ کر کمرے سے چلی گئی۔ جاتے ہوئے
ہرے دروازہ مقفل کر گئی۔ میری تو اتنی سی کہانی ہے۔ کیونکہ مجھے خیال
ہ کہ ابھی تک خانم نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں
ں سے خائف ہوں۔"
ین: "ہاں! واقعی جو کچھ تم نے کہا ہے بہت ہے۔ اب ذرا خاموش بیٹھے
ہنا اور کسی حرکت سے استعجاب اور تحیر کا اظہار نہ کرنا کیونکہ مجھے اس
شتی بان پر جاسوس ہونے کا شبہ ہے اور بوڑھے سمبری کی نگاہیں ہماری
رف ہیں۔ بیچ میں دخل بھی نہ دینا کیونکہ ممکن ہے زیادہ دیر تک ہمیں خلوت
میب نہ ہو۔"
اس کے بعد میں نے جو کچھ دیکھا یا سنا تھا بے کم و کاست سنا دیا۔
ین حیرت زدہ خاموش بیٹھا سنتا رہا۔ جب میں کہہ چکا تو ایمن نے کہا۔
"اللہ اللہ! کیسے عجیب واقعات ہیں۔ تو اندازہ کرنا چاہئے کہ یہ عزرا
ہس نے پہاڑ پر سے نامہ بھیجا ہے کون ہے؟ اور یہ خانم کون ہے؟"
یں: "خانم کے متعلق تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"
مین: "میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ عورت ایمنارٹس ہے۔ جس نے پتی کے
کڑے پر وہ تحریر لکھی تھی اور جس کے متعلق عذرا نے کہا تھا کہ وہ ایک
صری شہزادی تھی۔ اور دو ہزار سال پیشتر میری بیوی تھی۔ یہ ایمنارٹس
ہے۔ جو نیا جنم لے کر پیدا ہوئی ہے۔"
یں: "بے شک میرا بھی یہی خیال ہے۔ میں نے بار بار تم سے یہ ہی کہا
ہے کہ اگر ہمیں اس ڈرامہ کا دوسرا نظارہ دیکھنا نصیب ہوا تو ایمنارٹس
ہمیں ضرور ملے گی۔ یا کم از کم اس کی روح کا اس میں دخل ہوگا۔ نہیں

یاد ہوگا میں نے پہلی یادداشت میں اس کا ذکر کیا تھا؟"
امین :- اگر بوڑھے بدھ مذہب کے پیرو راہب کاہن کو اپنی پہلی زندگیوں کے حالات یاد رہ سکتے ہیں، جیسے کہ ہزاروں بدھ مذہب والے دعویٰ کرتے ہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ یہ عورت جس کی تمنائیں معرضِ بحث میں ہیں۔ اور جسے بوڑھے جادوگر جارس الباب کی فسوں سازیوں کی امداد بھی حاصل ہے اپنی گذشتہ زندگی کی تھوڑی بہت یادداشت نہ رکھتی ہو؟"
میں :- علاوہ ازیں یہ بھی ممکن ہے کہ اب تک اس کی روح پر اس عشق کا اتنا اثر باقی ہو جو صدیوں تک اس کے کانونِ دل میں شعلہ زن رہا ہے کہ تمہیں دیکھتے ہی تم پر فریفتہ ہو جائے؟"
امین :- آپ کی دلیل معقول ہے اور اگر یہی واقعہ ہے تو مجھے خانم کی قسمت پر افسوس ہے کہ غریب کو انتخاب کی طاقت نہیں۔ گویا تقدیر اسے زبردستی اس عشق پر مجبور کر رہی ہے؟"
میں :- یہ ٹھیک ہے مگر تمہارا پاؤں پھر ایک جال میں پھنس گیا ہے۔ خدا کے لئے شرطِ احتیاط ہاتھ سے نہ دے بیٹھنا۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تم سے امتحان لیا جا رہا ہے اور اس سے کڑا امتحان اور بھی کوئی لیا جائے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کسی غلطی کے ارتکاب کی نسبت موت بہتر ہے؟"
امین :- میں جانتا ہوں۔ آپ اس کا فکر نہ کریں۔ گذشتہ زندگی میں اگر خانم کا کوئی تعلق مجھ سے تھا تو خواہ وہ تعلق کچھ ہی ہو مضائقہ مامضئے۔ اب تو میں عذرا اور صرف عذرا کی جستجو میں ہوں۔ اور ناہید فلک بھی مجھے پھسلا نہیں سکتی؟"

یکایک ہماری کشتی رکی۔ میں نے پیچھے پھر کر دیکھا تو سمبری اپنی کشتی سے اُتر چکا تھا اور ہماری کشتی میں داخل ہونے کو تھا۔ وہ آ گیا اور میرے سامنے ایک نشست پر بیٹھ گیا۔ اور کہا "رات ہونے والی ہے اور میں اندھیرے میں تمہارا ساتھ دینے اور حفاظت کرنے کو آیا ہوں" اس پر امین

نے دبی زبان میں کہا "اور اس لئے کہ کہیں ہم فرار نہ ہو جائیں" پھر کشتیاں روانہ ہوئیں اور سفر پھر شروع ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں سمبری نے کہا:۔

"پیچھے کو دیکھو وہ شہر نظر آ رہا ہے جہاں رات کو آرام کرنا ہے"۔

ہم نے پیچھے پھر کر دیکھا تو ہمیں ایک بڑا قصبہ نظر آیا جس کی چھتیں چپٹی تھیں۔ یہ بہت ہی اعلےٰ درجہ کی جگہ واقع تھا کیونکہ یہ ایک جزیرے پر آباد تھا جس کی سطح دریائی سطح سے قریباً سو فٹ بلند تھی۔ دوسری طرف سے دریا اس جزیرے سے ٹکرا کر دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا تھا اور دونوں طرف سے ہو کر پھر اس طرف آ ملتا تھا۔

یہ وسیع خطۂ ارض جس پر یہ شہر آباد تھا مصنوعی معلوم ہوتا تھا لیکن یہ بھی ممکن تھا کہ کسی زمانہ میں سیلاب کے وقت یہ خطہ بھی غرقاب ہو گا کیونکہ کنارے سے بر یتی کی ڈھلوان شروع ہو کر پھر بلندی پر مٹی کا تودہ سطح مرتفع کی صورت میں بنا ہوا تھا۔ سوائے ایک ستون دار گنبد والی عمارت کے جس کے گرد اگرد باغات تھے ہمیں اور کوئی عمارت عالی شان نظر نہ آئی۔

امین نے سمبری سے پوچھا:۔

"اس شہر کا کیا نام ہے"؟

سمبری:۔ "اس کا نام قالون ہے جیسے کہ اس تمام سرزمین کا اس زمانے میں بھی تھا جب ہمارے اسلاف آج سے دو ہزار برس پیشتر فتح کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ انہوں نے قدیم نام کو قائم رکھا مگر اس پہاڑ کی سرزمین کا نام انہوں نے مملکت عزّار رکھا کیونکہ وہ کہتے تھے کہ پہاڑ پر جو تکمہ نما مینار ہے وہ اس معبودۂ فطرت کا نشان ہے جس کا پرستاران کا سردار تھا"۔

امین نے دریافتِ صداقت کے لئے پوچھا "تو اب بھی شاید وہاں راہبات رہتی ہیں"؟

سمبری:۔ "ہاں اور راہب بھی رہتے ہیں۔ ان کی درسگاہ کی بنیاد فاتحوں نے

رکھی تھی۔ جنہوں نے کل مملکت پر قبضہ کر لیا تھا۔ یا یوں سمجھو کہ انہوں نے پہلی درسگاہ پر قبضہ جما لیا۔ جس کے راہبوں نے دارالعلم اور مندر تعمیر کئے تھے اور اس آتش کی پرستش کرتے تھے جو پہاڑ کے اندر ہے جیسا کہ اب قاقون کے باشندے کرتے ہیں۔"

امین :- "تو اب وہاں کس کی پرستش ہوتی ہے؟"

سمبری :- "کہتے ہیں کہ معبودہ عزا کی پرستش ہوتی ہے۔ لیکن ہمیں وہاں کے صحیح حالات معلوم نہیں۔ کیونکہ ہم میں اور وہاں کے لوگوں میں صدیوں سے عناد چلتا آیا ہے۔ وہ ہمیں مار ڈالتے ہیں اور ہم انہیں۔ انہیں اپنی عبادتگاہ کے متعلق سخت تعصب ہے۔ چنانچہ بغیر اجازت وہاں کوئی نہیں جا سکتا۔ سوائے اس کے کہ کوئی خطاب الٰہی سننے یا عبادت کیلئے جائے یا خان کی موت کے وقت مصیبت کی حالت میں قربانی کرنا مقصود ہو۔ یا دریا کا پانی سوکھ جائے اور خشک سالی واقع ہو یا جب پہاڑ سے راکھ کے تودے گرنے لگیں اور زمین زلزلوں سے ہلنے لگے یا وبا پھیل جائے۔ ان کے علاوہ جب تک وہ لوگ ہم پر حملہ نہ کریں ہم انہیں نہیں چھیڑتے۔ اگرچہ ہم سب لوگ فن سپہگری کے ماہر ہیں مگر بالعموم ہمارا گذران زراعت پر ہے اور اسی سے ہم دولت پیدا کرتے ہیں شہر کو دیکھو امن و عافیت کا نمونہ ہے یا نہیں؟"

ہم کشتی میں کھڑے ہو گئے اور اس سرزمین کی زرعی دولت کو دیکھنے لگے۔ چاروں طرف مویشیوں کے گلے چراگاہوں میں چرتے ہوئے یا گھوڑوں اور خچروں کی قطاریں اجناس سے لدی ہوئی۔ یا کاشت کئے ہوئے زمین کے مربع ٹکڑے درختوں سے گھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ کسان کھیتوں میں کام کر رہے تھے۔ اور بعض دن بھر کی محنت کے بعد آلات زراعت اٹھائے ہوئے اپنے اپنے گاؤں کی طرف جا رہے تھے۔

خشک صحراؤں اور خوفناک پہاڑوں کے مقابلے میں جن میں ہم اتنے

سالوں تک گھومتے رہے تھے یہ خطہ نمونۂ بہشت نظر آتا تھا۔ قریب غروب آفتاب کی سرخ شعاعوں میں فیضانِ بہار سے اس کی خوشنمائی اور بھی دوبالا ہوگئی تھی۔ یہ بات بھی عیاں تھی کہ زمیندار اور کسان یقیناً امن پسند لوگ ہوں گے اور ان کی دولت کو دیکھ کر پہاڑ کی وحشی قوموں کے منہ میں ضرور پانی بھر آتا ہوگا ؂

علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ میں آسکتا تھا کہ جب سکندر اعظم کی افواج کا بقیتہ السیف مصری سردار کے زیر کمان برفانی پہاڑوں کی فولادی فصیل کو توڑ کر اس بہارستان میں داخل ہوا ہوگا اور لوگوں کی نظر یہاں کے ہرے بھرے کھیتوں۔ سبز مرغزاروں۔ مویشیوں کے گلوں اور پُر عافیت گھروں پر پڑی ہوگی سب نے یک زبان ہو کر کہہ دیا ہوگا کہ ؂

جنت بھی اب ملے تو نہ محنت اُٹھائیں گے اس سرزمین کو چھوڑ کے ہرگز نہ جائیں گے
کعبہ سے مدعا ہے نہ کچھ دیر سے غرض ہم ڈیڑھ اینٹ کی یہیں مسجد بنائیں گے

یقیناً انہوں نے ایسا ہی کیا ہوگا۔ ایک ہی دن میں سلطنت جمالی ہوگی۔ اور یہیں اپنا گھر بنا کر آباد ہوگئے ہوں گے ؂

شام کا اندھیرا چھاتے ہی کوہ آتشین سے جو دھواں اُٹھ رہا تھا اس میں سے مدھم سی روشنی پیدا ہوئی۔ اندھیرے کے ساتھ ساتھ اس کی سرخی اور چمک میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آخر کار اس میں بڑے بڑے چمکدار شعلوں کا تانتا شروع ہوگیا۔ جو پہاڑ کے اندر سے تیزی کے ساتھ باہر کو آتے تھے اور خیرہ کر دینے والی شعاعیں اس عظیم الشان حلقہ کے خلا میں سے چاروں طرف پھینک رہے تھے۔ یہ شعاعیں زمین پر سفید راستہ بناتی ہوئی اور سرحد کے پہاڑوں کی برفانی چوٹیوں کو منور کرتی ہوئی دور دور نکل جاتی تھیں۔ ہوا میں بڑی بلندی تک ان شعاعوں سے فضا منور ہوتی تھی اور یہ ہمارے سروں پر سے ہوتی ہوئی شہر قادون کی چھتوں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں کو عبور کر کے یقیناً اس صحرا کے اوپر سے گزر کر اُس بلند چوٹی پر بھی

پڑ رہی ہوں گی جس پر سے ہم نے پہلے پہل ان کا نظارہ کیا تھا۔ واقعی یہ نظارہ بہت ہی تحیر آفریں اور دلکش تھا۔ ہمارے ہمراہی بھی اس سے بہت متاثر ہوئے۔ ہماری کشتی کے ملاح اور کنارے کے سائیس زور زور سے گنگنانے لگے اور دعائیں پڑھنے لگے۔ ایبن نے سمبری سے پوچھا "یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟"

سمبری: "سردار! یہ لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ روح الجبال خفا ہے اور یہ اڑتی ہوئی روشنی جب ہم "راہ عزا" کہتے ہیں ہماری سرزمین میں مصیبت نازل کرنے کو بھیج رہی ہے۔ اس لئے وہ اس کے سامنے استغفار کر رہی ہیں"۔

ایبن: "تو کیا یہ روشنی ہمیشہ اس طرح نہیں چمکتی؟"

سمبری: "نہیں بلکہ شاذ و نادر۔ پہلے قریباً تین ماہ ہوئے جب چمکی تھی اور اس کے بعد اب چمکی ہے۔ اس سے کئی سال پہلے سے اس کا چمکنا بند تھا۔ خدا کرے قالون اور اس کے باشندوں پر اس سے کوئی تباہی وارد نہ ہو۔"

چند لمحہ تک یہ روشنی اسی حالت میں قائم رہی۔ پھر جس طرح یکایک شروع ہوئی تھی اسی طرح یک لخت بند ہو گئی۔ اور پہاڑ کی چوٹی پر صرف مدھم سی سرخی باقی رہ گئی۔ اتنے میں چاند نکل آیا اور اس کی روشنی میں نظر آیا کہ ہم شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ مگر اس کے اندر پہنچنے سے پہلے ہماری تقدیر میں کچھ اور بھی دیکھنا لکھا تھا۔ ہم کشتی میں بیٹھے تھے۔ چاروں طرف خاموشی تھی۔ اور سوائے خچروں کے پاؤں اور کشتیوں کے پہلوؤں سے ٹکراتے ہوئے پانی کی ہلکی آواز کے اور کوئی شور نہیں تھا کہ ہمیں دور سے ایسی آواز آئی گویا کتے پوری طاقت سے شکار کے تعاقب میں دوڑ رہے ہیں۔

یہ آواز قریب آتی گئی۔ اور شور بڑھتا گیا۔ دریا کے مغربی کنارے

پر ایک سڑک تھی۔ اس پر ایک گھوڑے کے سرپٹ دوڑنے کی آواز آئی۔ اتنے میں ایک سفید اعلیٰ نسل کا گھوڑا نظر آیا جس پر ایک آدمی سوار تھا۔ بجلی کی سرعت کے ساتھ یہ سوار ہمارے سامنے سے گذر گیا گذرتے ہوئے اس نے ہماری طرف بھر کر دیکھا۔ چاند کی شعاعیں اس کے چہرے پر پڑیں۔ اس کے چہرے پر انتہائی خوف و دہشت کے آثار تھے جھپاکے سے وہ ہمارے سامنے سے گذر گیا اور اس کے بعد کتوں کی آواز آئی۔ اور ایک خوفناک سرخ رنگ کا کتا دوڑتا ہوا سامنے آیا اور اس نے منہ اٹھا کر دہشت انگیز تیز آواز حلق سے نکالی۔ اس کے ساتھ ہی اور بہت سے کتے پورے جوش میں تعاقب کرتے ہوئے آئے۔ ہر ایک کتا سڑک پر پہنچ کر بھونکتا تھا۔ ان کی مجموعی تعداد سو کے قریب ہوگی۔ میں نے ایمن کا بازو پکڑ کر کہا "ایمن یہ ہیں کلاب القضا!" ایمن "بے شک! اور یہ اس غریب کے تعاقب میں ہیں۔ وہ دیکھو شکاری بھی آرہا ہے"

ایمن کے کہتے ہی ایک اور سوار دکھائی دیا جس کا گھوڑا بہت ہی شاندار تھا۔ اس کے جسم پر ایک خوب صورت جبہ تھا جو ہوا میں لہرا رہا تھا اور ہاتھ میں ایک لمبا چابک تھا جسے وہ گھماتا جاتا تھا۔ یہ آدمی قدآور تھا۔ جب وہ گذرا تو اس نے بھی ادھر کو دیکھا۔ اوہ! اس کے چہرے پر دیوانگی کے آثار ہویدا تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں تھا۔ اس کی گہری آنکھوں اور وحشیانہ قہقہے میں جنون کا پورا زور نظر آتا تھا۔

سمبری نے جھک کر اور خوفزدہ ہو کر کہا "خان! خان!"

یہ بھی گذر گیا اور اس کے بعد اس کے محافظ آئے۔ ایمن نے شمار کیا تو یہ آٹھ تھے ان کے ہاتھوں میں بھی چابک تھے۔ جن سے وہ گھوڑوں کو اڑا رہے تھے۔ یہ سب ہمارے سامنے سے گذر گئے اور فاصلے پر آواز مدھم پڑ گئی۔ تو میں نے سمبری سے پوچھا:۔

"دوست سمبری: یہ کیا تماشا ہے؟"

سمبری "دوست ہنیف! اس کا یہ مطلب ہے کہ خان اپنے طریقے سے انصاف کر رہا ہے - یعنی مجرم کا شکار کھیل رہا ہے"

میں "یہ غریب کون ہے؟ اور اس سے کون سی ایسی خطا سرزد ہوئی ہے؟"

سمبری "یہ شخص اس سرزمین کا بڑا رئیس ہے - اور شاہی خاندان سے ہے - اس کا جرم یہ ہے کہ اس نے خانم سے کہا کہ تم پر عاشق ہوں اگر تم میری زوجیت قبول کرنے کا وعدہ کرو تو میں لڑ بھڑ کر خان کو مار دوں گا - خانم کو جیسے اور سب مردوں سے نفرت ہے اس سے بھی تھی اس نے یہ معاملہ خان کے سامنے پیش کر دیا - یہ ہے ساری کہانی!"

میں نے تعریفاً کہا "یقیناً وہ شہزادہ خوش قسمت ہے جس کی ایسی وفادار بیوی ہو"

شریر جادوگر سمبری نے یہ بات سن کر منہ پھیر لیا اور اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا - تھوڑی دیر بعد ہی ہمیں کتوں کے بھونکنے کی پھر آواز سنائی دی - پھر یہ سب ہماری طرف کو آ رہے تھے - اس دفعہ سامنے سے آتے دکھائی دیتے - پھر سفید گھوڑے والا سوار نظر آیا مگر صاف ظاہر تھا کہ گھوڑا اور سوار دونوں ہار گئے ہیں - مشکل سے گھوڑا کچھ دوں کی سڑک تک پہنچا - سڑک پر اس نے قدم رکھا ہی تھا کہ ایک عظیم الشان سیاہ کان والے کتے نے اس کی پیٹھ پر منہ مارا - خوف و دہشت سے گھوڑے نے ایک خوفناک چیخ ماری جو گھوڑے کا خاصہ ہے - سوار گھوڑے پر سے کود پڑا اور دریا کی طرف دوڑا - ہم ڈر گئے کہ شاید کشتیوں میں پناہ لینا چاہتا ہے - لیکن پانی میں قدم رکھنے سے پہلے کتوں نے اسے بھی آ پکڑا!

آہ! اس کے بعد جو واردات ہوئی ہیں اس کا بیان نہیں کرتا - مگر میں عمر بھر اس نظارے کو نہیں بھول سکتا جو ہمارے سامنے تھا - وہ جگہ

کتوں کے گچھے بن گئے تھے۔ جو انتہائی جوش و خروش سے شکار کو پلٹے ہوئے تھے اور سامنے پاگل خاں اپنے شیطانی کام سے لطف اندوز ہو ہو کر چیخ رہا تھا اور کتوں کو جرات دلا رہا تھا کہ وہ اس خونین کام کو ختم کر لیں۔ معاذاللہ ‌‌۔

باب نہم

محلسرائے قانون

بلب رسید مرا جان و بر نیامد کام
بسر رسید امید و طلب بسر نہ رسید

اس نظارے سے خوف زدہ ہو کر میرا دل بیٹھ گیا۔ کشتیاں آگے بڑھ رہی تھیں۔ واقعی خانم کا ایسے مجنوں دیوانے سے تنفر حق بجانب تھا۔ خانم آئین پر عاشق تھی۔ مجنوں خان میں رشک کا مادہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ جس کا اظہار اس نے کس مہیب پیرائے میں کیا۔ واقعی ہم سخت خطرے میں تھے۔ مگر میں نے اس نظارے کو درس عبرت جان کر اپنے حق میں مفید سمجھا۔

آخر ہم جزیرے کے کنارے پر پہنچ گئے جہاں سے دریا کی دو شاخیں ہو جاتی تھیں۔ یہاں کشتیوں نے لنگر ڈال دیئے اور ہم اترے۔ کنارے پر ایک محافظ دستہ افسر کی زیر نگرانی استقبال کو موجود تھا۔ یہ لوگ ہمیں شہر کی فصیل کے ایک دروازے میں سے اندر لے گئے۔ ہم ایک تنگ

کوچے میں سے گزرے جس کا فرش پتھر کا تھا۔ دونوں طرف چھوٹے چھوٹے سیدھے سادے مکانوں کی قطاریں تھیں۔ شاید لوگوں کو ہمارے آنے کا علم تھا۔ کیونکہ جا بجا کوچوں میں لوگ جمع تھے۔ بہت سے لوگ کھڑکیوں اور چھتوں پر سے ہمارے گزرنے کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ کوچے کے دوسرے کنارے پر ایک چوک تھا جسے عبور کر کے ہم ایک اندرونی دیوار کے دروازہ پر پہنچے۔ لوگوں کا ایک ہجوم ہمارے ساتھ تھا جو ہم پر فقرے کستے تھے۔ مگر ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ یہاں پہرہ دار نے ٹوکا اور سمبری کے ایک لفظ پر اجازت دے دی۔ ہم اندر باغات میں داخل ہوئے تو روش پر سے ہوتے ہوئے ایک بارہ دری یا محل میں پہنچے۔ جس میں اوپر گنبد تھے۔ اور تمام عمارت تراشے ہوئے پتھروں کی مصری وضع پر بنی ہوئی تھی۔ اس کے اندر داخل ہوتے ہی ایک صحن نظر آیا۔ جس کے چاروں طرف مسلسل برآمدہ سا بنا ہوا تھا جس میں مختلف کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ ان میں سے ایک دروازے میں ہو کر ہم ایک بڑے کمرے میں پہنچے۔ جس کے ملحق دو سونے کے کمرے بھی تھے۔ ان کمروں میں ہر قسم کا سامان آرائش و آسائش موجود تھا۔ مگر تمام کا تمام قدیم وضع کا تھا۔ اور پرانی وضع کے چراغ روشن تھے۔

یہاں سمبری نے ہمارا پیچھا چھوڑا اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ محافظ دستہ کا افسر باہر ہمارے انتظار میں بیٹھا رہے گا۔ تاکہ ہمارے تیار ہونے پر ہمیں طعام گاہ میں لے جائے۔ سونے کے کمروں میں نوکر یا غلام خاموشی سے اپنے فرائض پر تعینات تھے۔ انہوں نے ہمارے جوتے اور کپڑے تبدیل کیے۔ یہ نئے لبادے شیروانی کی وضع کے تھے مگر کسی سفید چیز کے بنے ہوئے تھے۔ کناروں پر بھاری ریشم لگا ہوا تھا۔ یہ لباس پہنا کر انہوں نے جھک کر مجرا کیا گویا ہمارے لباس کا کام پورا ہو چکا تھا۔ اس کے بعد وہ ہمیں باہر کے کمرے میں لائے جہاں وہ افسر بیٹھا تھا۔ یہ افسر ہمیں متعدد

کمروں میں سے ہوتا ہوا ایک بڑے کمرے میں لے گیا جہاں بہت سے چراغ روشن تھے۔اور اس وقت تک راتیں ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے لکڑیوں کی آگ سے کمرے کو گرم کیا گیا تھا۔ اس کمرے کی چھت چپٹی تھی جسے بھاری بھاری سنگین ستون سنبھالے ہوئے تھے۔ ان ستونوں کے پایوں پر کھدائی کا کام کیا ہوا تھا۔ دیواروں پر منقش کپڑے آویزاں تھے۔ جن سے راحت و آرام ہویدا تھی۔

کمرے کے ایک طرف ایک لمبی تنگ میز بچھی ہوئی تھی۔ جس پر چاندی کے برتن قرینے سے چُنے ہوئے تھے۔ ہم یہاں منتظر بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ خانساماں کشتیاں لئے ہوئے پردوں کے پیچھے سے برآمد ہوئے۔ ان کے بعد ایک شخص چاندی کی گھنٹی بجاتا ہوا آیا۔ پھر چند درباری جن میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ ہمارا جیسا لباس پہنے ہوئے آئے۔ عورتوں میں سے بعض جوان اور خوب صورت تھیں۔ ان کے خدوخال سڈول تھے اور رنگ صبیح تھا۔ مگر باقی عورتیں زرد رنگ کی تھیں۔ ہم نے انہیں جھک کر مجرا کیا اور انہوں نے ہمیں۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ درباری ہمیں دیکھتے رہے اور ہم ان کا اندازہ لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ نفیری کی آواز آئی اور زرد رنگ کی وردیوں میں پیادے داخل ہوئے۔ ان کے پیچھے پردے کے اندر سے دو انسان آتے دکھائی دیئے۔ یہ دونوں خان اور خانم تھے۔ جن کے پیچھے پیچھے سمبری تھا۔ اور چند عمائد تھے۔

اس وقت شاہی لباس پہنے اس طرف آتے ہوئے خان کی صورت دیکھ کر کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی دیوانہ وحشی انسان ہے جسے ہم نے اس وقت دیکھا جب کہ وہ اپنے شیطانی کتوں کے لشکر کو برابر کے انسان کا شکار کر کے کھا جانے کے لئے ابھار رہا تھا۔ اس وقت اس کا حلیہ یہ تھا کہ موٹے مضبوط جسم کا دراز قد انسان معلوم ہوتا تھا۔ مگر بے قرار نگاہوں سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ عقل کا خانہ خالی ہے۔ ساتھ ہی ایسے شخص

ہیں جذبات لطیفہ کی موجودگی ناممکن نظر آتی تھی۔ خانم کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اس کی وہی صورت تھی جو داخلہ والے مکان میں تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اضطراب بڑھا ہوا تھا۔ واقعی اس کی نگاہوں سے انتشار ٹپکتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ گذشتہ واقعات کا اثر بہت کچھ اس کے دل پر باقی ہے۔ ہمیں دیکھ کر اس کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ اور اس نے ہمیں آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور اپنے خاوند سے کہا:۔

"یہ وہ اجنبی ہیں جن کا میں نے ذکر کیا تھا۔"

اس کی کم فہم نگاہیں پہلے مجھ پر پڑیں اور میری صورت دیکھ کر اس نے زور سے قہقہہ لگایا اور وحشیانہ لہجے میں یونانی زبان میں کہا:۔

"کیا عجیب الخلقت بوڑھا جانور ہے۔ میں نے تمہیں پہلے تو کہیں نہیں دیکھا۔"

میں "نہیں خان اعظم! مگر! میں نے آپ کو آج رات شکار کھیلتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ کو کچھ لطف بھی آیا؟"

یکایک اس پر بیداری سی وارد ہوئی اور آنکھیں چمکا کر ہاتھ ملتے ہوئے کہا:۔

"بڑا مزا آیا۔ وہ بہت ہی دوڑا مگر میرے ننھے کتے کب چھوڑتے تھے۔ آخر اسے پکڑ لیا اور ......"

"یہاں اس کی بیوی نے دخل دیا اور تندہی سے کہا "اس وحشیانہ گفتگو کو بند کرو" اور خان اس کے پاس سے بچ کر آگے بڑھا۔ سامنے ایین تعارف کے انتظار میں کھڑا تھا اس سے ٹکر لگی۔ اس عظیم الشان سنہری ڈاڑھی والے انسان کی صورت نے اسے حیران کر دیا۔ اس نے ایین کو غور سے دیکھا اور پوچھا:۔

"کیا تم بھی خانم کے دوسرے دوست ہو جنہیں دیکھنے کو خانم سرحد کے کوہستان کی طرف گئی تھی۔ پہلے میں نہیں سمجھا تھا کہ خانم نے اس قدر تکلیف

کیوں برداشت کی ہے۔ مگر اب میں سمجھ گیا۔ ذرا سنبھل کر رہنا۔ ورنہ مجھے تمہارا بھی شکار کرنا پڑے گا۔"

اس پر امین کو جوش آیا اور جواب دینے کو تیار ہوا۔ مگر میں نے اس کے بازو میں چٹکی لی اور عربی میں کہا:-

"جواب نہ دو یہ تو پاگل ہے۔"

امین نے "بدمعاش ہے۔ اگر مجھ پر کتے چھوڑنے کی کوشش کرے گا تو میں یقیناً اس کی گردن توڑ دوں گا۔"

اس کے بعد خانم نے امین کو اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مجھے اپنے دوسرے ہاتھ پر اپنے اور سمبری کے بیچ میں جگہ دی۔ خان دو چار کرسیاں چھوڑ کر پرے جا بیٹھا اور دو سب سے زیادہ حسین لڑکیوں کو اپنے پاس بٹھا لیا۔

اس شان سے ہمارا داخلہ محلسرائے قالون میں ہوا۔ کھانا مقدار میں بہت تھا مگر سادہ۔ زیادہ تر مچھلیاں۔ بکری کا گوشت اور مٹھائی تھی۔ جو بڑے بڑے طباقوں میں چنی ہوئی تھی۔ کھانے میں تیز شراب بھی شامل تھی جو سب نے بغیر اندیشۂ مآل خوب پی۔ ہم نے اسے ہاتھ نہیں لگایا۔ خانم نے مجھ سے سفر کے متعلق ایک دو باتیں کر کے پھر امین سے گفتگو شروع کر دی اور باقی وقت اسی کے ساتھ مصروف گفتگو رہی۔ اور میں بوڑھے ساحر سمبری سے باتیں کرتا رہا۔ اس وقت اور اس کے بعد جو حالات مجھے اس کے ذریعہ سے دریافت ہوئے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

قالون کے باشندے تجارت سے قطعاً ناواقف تھے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ صدیاں گذریں جنوبی ممالک سے سلسلۂ آمد و رفت ٹوٹ چکا تھا۔ کیونکہ جس پل کے ذریعہ سے اس قعر عمیق کو عبور کیا جاتا تھا وہ ٹوٹ چکا تھا۔ یہ سرزمین جو بہت وسیع اور زرخیز تھی۔ چاروں طرف ناقابلِ عبور پہاڑوں سے محدود تھی۔ شمال کی طرف کوہ آتشین تھا۔ اس کی ڈھلوانیں اور اس کے ساتھ

ایک غیر معروف خطہ زمین دوسری طرف پھیل کر ایک صحرائے عظیم سے جا ملتا تھا۔ ان ڈھلوانوں اور زمین میں وحشی کوہستانی قومیں اور خونخوار پہاڑی نسلیں آباد تھیں۔ جو ہر اجنبی کو بغیر امتیاز قتل کر دیتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ بذریعہ کان کنی قیمتی دھاتیں اور جواہرات برآمد کئے جاتے تھے۔ مگر نہ قالون کے لوگوں میں نہ پہاڑ کے باشندوں میں سکہ کا مطلق رواج تھا۔ تمام کاروبار تبادلہ کے اصول پر کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ محاصل میں غلہ کی بٹائی وصول کی جاتی تھی۔ قالون کے اصلی باشندوں کی لاکھوں کی آبادی میں یہ مٹھی بھر حکمران قوم آباد تھی جو سکندر اعظم کی افواج قاہرہ کے بقیتہ السیف کی نسل سے تھی۔ مگر اب ان کے خون میں اصلی باشندوں کا خون بڑی حد تک شامل ہو گیا تھا جو جلد کی زردی مائل رنگت کی وجہ سے تاتاری النسل معلوم ہوتے تھے۔ حکومت اگر یہ حکومت کہلانے کے قابل تھی۔ شخصی اور نہایت ہی جابرانہ تھی۔ اور بسلسلۂ وراثت کسی خان یا خانم کو ملتی تھی جو بروئے نسب حقدار قرار پاتا تھا۔

مذاہب دو تھے ایک تو رعایا کا جو روح آتشین جبل کی پرستش پر مشتمل تھا اور دوسرا احکام کا جو سحر۔ ارواح اور علم الغیب وغیرہم پر اعتقاد رکھتے تھے۔ ان اعتقادات کا بھی رفتہ رفتہ سنگ بنیاد ہلتا جا رہا تھا کیونکہ حکمرانوں میں نسلاً بعد نسلٍ کمی واقع ہو رہی تھی یا اصل باشندوں میں جذب ہوتے جا رہے تھے۔ باوجود اس کے یہ حکومت برداشت کی جاتی تھی۔ میں نے سمبری سے اس کی وجہ پوچھی، تو اس نے کہا کہ یہاں کے لوگوں میں قوت ارتقا تو ہے ہی نہیں۔ حکومت جو قائم ہے اسی پہ تکیہ کئے زندگی گذار رہے ہیں۔

خانم حکمران خاندان کی آخری وارث تھی۔ اس کے خاوند او عمزاد بھائیوں کی نسل میں اصل باشندوں کا خون زیادہ شامل تھا۔ اسی وجہ سے

لوگ خانم کے گرویدہ تھے۔ علاوہ ازیں جیسا کہ حسین اور دلیر عورتوں کا خاصہ ہے وہ انصاف پسندی اور غربا پروری کی وجہ سے عوام میں ہر دلعزیز تھی۔ غربا کی تعداد بھی زیادہ تھی کیونکہ اس خطہ میں آبادی بہت ہی گنجان تھی جس کی وجہ سے زمین کا چپہ چپہ زیر کاشت تھا۔ ایک اور بات تھی وہ یہ کہ پہاڑی قوم کے لوگ وقتاً فوقتاً ان کی زراعت اور مویشیوں پر حملہ کرتے رہتے تھے اور لوگ خانم کی جرأت اور دانائی پر ان سے حفاظت کا بھروسہ رکھتے تھے۔ اگر رعایا کو اس کے خلاف کوئی شکایت تھی تو صرف یہ کہ اس کے اولاد نہ تھی جو اس کے بعد تخت و تاج کی وارث ہو۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اس کے انتقال پر تخت کے لئے پھر وہی جدوجہد ہو جو اس کے باپ کے انتقال پر ہوئی تھی۔ سلسلہ کلام میں سمبری نے کہا:

"بے شک لوگ کھلم کھلا کہتے ہیں کہ اگر خان جو متواتر رعایا پر ظلم کرتا رہتا ہے مر جائے تو اچھا ہو۔ تا کہ خانم دوسری شادی کرے۔ اس سے پیشتر کہ اس کا شباب شیب سے بدل جائے۔ اگرچہ خان مجنوں ہے مگر اس بات کو سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی سردار کو خانم کی طرف تاڑتے دیکھ کر بھڑک اٹھتا ہے جیسے تم نے آج رات دیکھا ہوگا۔ اگر خدانخواستہ کسی پر خانم مہربانی کا اظہار کرے تو اس کی موت آ جاتی ہے۔"

میں نے دبی زبان سے کہا: "اور شاید اسے اپنی زوجہ خانم سے عشق بھی ہے۔"

سمبری: "بہت ممکن ہے بفرض محال ایسا ہو بھی تو نہ خانم کو اس سے لگاؤ ہے۔ نہ اور کسی کو اس سے محبت ہے۔" یہ کہہ کر اس نے چاروں طرف دیکھا۔ واقعی کسی کی نظروں میں محبت کا وجود نہیں تھا۔ سب نے اس قدر شراب چڑھائی تھی کہ مدہوش ہونے کے قریب تھے یہاں تک کہ مستورات نے بھی کافی سے زیادہ مے نوشی کی تھی۔ خان کی حالت سب

سے زیادہ قابلِ نفرت تھی۔ کیونکہ وہ کرسی سے کمر لگائے ہوئے نشے میں اپنے انسانی شکار کی بابت کچھ بک رہا تھا۔ اس کی مصاحب عورتوں میں سے ایک نے اس کے گلے میں باہیں ڈال رکھیں تھیں اور دوسری سنہرے ساغر میں بھر بھر کر شراب دے رہی تھی۔ جس کا کچھ حصہ اس کی سفید پوشاک پر بھی گر گیا تھا۔

عین اسی وقت خانم کی نظر اٹھی اور اس کی یہ حالت دیکھ کر اس کے حسین چہرے پر سخت نفرت اور حقارت کے جذبات ظاہر ہوئے اور اس نے ایمن سے کہا "دیکھو! یہ ہے میرا شرِ یک زندگی۔ اس سے عبرت حاصل کرو کہ قانون کی خانم یا ملکہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے"۔

ایمن "تو تم ان لوگوں سے اپنا پیچھا کیوں نہیں چھڑاتیں؟"

خانم "اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ میرے درباری نہ ہوں تو دربار ہی باقی نہ رہے۔ جس طرح سور کو غلاظت کا ڈھیر مرغوب ہے اسی طرح ان لوگوں کو جو غریبوں کی محنت کی پیداوار پر گلچھرے اڑاتے ہیں شراب اور عیش مرغوب ہے۔ ان سے جلد ہی دنیا کا پیچھا چھوٹنے والا ہے کیونکہ عیش و عشرت کی زندگی ان کا خاتمہ کر رہی ہے۔ ان کی اولاد بہت کم ہے اور وہ بھی نحیف و نزار۔ کیونکہ قدیم خون ناقص ہو کر ختم ہوتا جا رہا ہے۔ خیر صاحب! اب تم تھک گئے ہو گے اب آرام کرو کل کو اکٹھے گھوڑوں پر سیر کو چلیں گے"۔

پھر ایک افسر کو بلا کر ہمیں ہماری آرام گاہ میں لے جانے کا حکم دیا۔ ہم اٹھے اور اسے سلام کر کے سپرہی کے ساتھ چل دئے۔ وہ کھڑی ہماری طرف تک رہی تھی۔ اس عشرت کدے میں اس کی غمگین شاہی ہستی الگ دکھائی دی تھی۔ خان بھی اٹھ کھڑا ہوا اور مکاری سے خانم کی باتوں کا مطلب تاڑ کر کہنے لگا۔

"تم ہمیں بتلاتے عیش سمجھتی ہو ہم کیوں عیش نہ کریں۔ جب زندگی

کے لئے کل کا اعتبار نہیں۔ اور زرد بالوں والی شمسہ کو اس طرح اپنی طرف مت دیکھنے دے۔ یہ میری بیوی ہے اگر تو نے دیکھنے دیا تو مجھے تیرا شکار ضرور کرنا پڑے گا"۔

اس مدہوشانہ بڑ پر درباری قہقہہ مار کر ہنسے۔ مگر سمبری نے امین کا بازو تھام لیا اور گھسیٹتا ہوا کمرے سے باہر لے گیا۔ باہر نکلتے ہی امین نے کہا "دوست! معلوم ہوتا ہے یہ تمہارا خان مجھے جان لینے کی دھمکی دیتا ہے"۔

سمبری "سردار! کچھ خوف نہ کرو۔ جب تک خانم دھمکی نہ دے۔ تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اس ملک کی اصل حاکم وہ ہے اور اس کے بعد میرا درجہ ہے"۔

امین "اچھا تو میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ اس شرابی بدمعاش کو پھر میرے سامنے نہ ہونے دینا ورنہ اگر مجھ پر حملہ ہوا تو یہ جان لینا کہ مجھے مدافعت بھی کرنی آتی ہے"۔

سمبری نے پُراسرار طریقہ سے مسکرا کر کہا "ایسے وقت آپ کو کون الزام دے سکتا ہے"۔

اس کے بعد سمبری چلا گیا۔ ہم نے ایک ہی کمرے میں دونوں پلنگ بچھا لئے اور تکان سے چور ہونے کی وجہ سے آرام سے پڑ کر سو رہے۔ یہاں تک کہ ہماری آنکھ صبح کو انہیں خوفناک کتوں کی آواز سے کھلی جنہیں قریب ہی کسی مکان میں کھانا دیا جا رہا تھا۔

خدا کی قدرت ہمیں تین مہینے تک اس شہر قالون میں رہنا پڑا۔ اور شاید ہماری زندگیوں میں اس سے زیادہ قابلِ نفرت وقت کبھی نہ گزرا ہوگا۔ اس تین مہینے کی زندگی کے مقابلے میں ہمارے وسط ایشیا کے برفانی پہاڑوں اور صحراؤں کے طویل سفر سیر و شکار معلوم ہوتے تھے۔ اور اس محلسرا کے مقابلے میں وہ دیر بہشت دکھائی دینے لگا۔ اس زمانے کے تمام

واقعات کا بالتفصیل بیان کرنا طول امل اور محض بیکار ہے۔ اس لئے میں مختصراً خاص خاص واقعات کا تذکرہ کرتا ہوں :-

ہمارے یہاں پہنچنے کے اگلے دن خانم نے دو اصیل سفید گھوڑے ہمارے پاس بھیجے۔ دوپہر کو ہم ان پر سوار ہو کر خانم کے ساتھ سیر کو چلے + ایک محافظ رسالہ ساتھ تھا + پہلے ہمیں وہ سگانِ موت یا کلاب القضا کے اصطبل میں لے گئی + اصطبل وسیع تھا اور اس کی چار دیواری فولادی سلاخوں کی بنی ہوئی تھی۔ جن میں جا بجا تنگ مقفل دروازے تھے۔ میں نے اس سے پہلے عمر بھر میں کبھی ایسے وحشی اور خونخوار درندے نہیں دیکھے تھے۔ ان کے مقابلے میں تبت کے شکاری کتے پلّوں کے برابر وقعت رکھتے تھے۔ ان کا رنگ سیاہ اور سرخ تھا اور سر شکاری کتوں کی صورت کے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی یہ کتے اچھل اچھل کر سلاخوں کی طرف آئے۔ ان کتوں کی حفاظت خاص خاندانی لوگوں کے سپرد تھی۔ جو پشتہا پشت سے ان کی رکھوالی کرتے آئے تھے۔ ان محافظوں اور خان کے ساتھ تو یہ بے حد ہلے ہوئے تھے مگر اجنبی بغیر خطرۂ جان قریب نہیں جا سکتے تھے + یہ کتے گویا سلطنت کے جلادوں کا کام دیتے تھے اس لئے کہ قاتلوں اور دوسرے مجرموں کو سزائے موت دینے کے لئے ان کے آگے پھینکا جاتا تھا۔ اور خان کو جس پر غصہ آتا تھا ان کے ذریعہ سے اس کا شکار کرتا تھا + معمولی پہاڑی ہرنوں کے شکار کا بھی کبھی کبھی ان سے کام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت تھی کہ ان کا وجود مملکت کے لئے باعثِ خوف و دہشت تھا۔ اور ہر شخص کو ان کے ہاتھوں اجل کا خوف دامنگیر رہتا تھا۔ ہر ملک و قوم میں "کتوں سے پھڑوا دینا" محاورہ موجود ہے مگر قاوان میں اس محاورے کے معنے بہت ہی مہیب تھے + کتوں کو لرزتے ہوئے دلوں کے ساتھ دیکھ کر ہم شہر پناہ کی سیر کو گئے + اس کے گرد باغات تھے جہاں لوگ شام کے وقت سیر و تفریح کے لئے آیا کرتے تھے۔ یہاں سوائے نیچے دریا اور اس سے پرے میدانوں کے

اور کوئی نظارہ قابلِ دید نہ تھا۔ فصیل اگرچہ چوڑی اور بلند تھی مگر جس طرح حکومت کے تمام شعبوں میں بے پروائی نے تباہی کے آثار پیدا کر رکھے تھے یہ بھی جا بجا شکستہ تھی۔

شہر میں بھی کوئی خاص سامان دلچسپی نہ تھا۔ زیادہ تر دربار کے حاشیہ نشین آباد تھے۔ اس لئے جب ہم شہر چھوڑ کر ایک پُل پر سے ہو کر میدانوں میں داخل ہوئے تو مجھے بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ اس وقت کسے علم تھا کہ اسی پُل پر آیندہ زندگی میں مجھے ایسا عجیب تماشا دیکھنا ہوگا جو کسی انسان کی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ علاقہ شہر سے بہت مختلف تھا۔ یہاں کسان آباد تھے۔ جو اصل باشندگان کی نسل سے تھے اور ابتدا سے زمین کی پیداوار پر گذارا کرتے چلے آئے تھے۔ زمین کا چپہ چپہ زیر کاشت تھا۔ اور آبپاشی کے بہترین وسایل موجود تھے۔ جہاں پانی بہہ کر نہیں جا سکتا تھا۔ وہاں رہٹ لگا کر پانی پہنچایا جاتا تھا۔ رہٹ کو خچر چلاتے تھے۔ میں نے خانم سے پوچھا کہ اگر کسی سال بارش نہ ہو تو کیا ہوتا ہے اس کا جواب خانم نے یہ دیا کہ ایسی حالت میں قحط پڑ جاتا ہے اور قحط کے بعد وبا پڑتی ہے۔ جس میں ہزاروں جانوں کا اتلاف ہو جاتا ہے۔ یہ قحط اور وبا وقتاً فوقتاً پڑتی رہتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو بہت جلد لوگ پھنسے ہوئے چوہوں کی طرح ایک دوسرے کو مار کر کھانے پر آمادہ ہو جاتے کیونکہ باہر جانے کا راستہ نہیں۔ اور آبادی روز افزوں ہے۔ اس سرزمین میں اتنی گنجایش نہیں ہو سکتی تھی۔ میں نے پوچھا:۔

"یہ سال بھی اچھا رہے گا یا نہیں؟"

خانم:۔ اس سال فصل کی بہتری کی امید نہیں۔ کیونکہ دریا میں کافی طغیانی نہیں آئی اور بارش بہت کم ہوئی ہے۔ نیز کل رات جو کوہ آتشیں پر روشنی نظر آئی تھی وہ فال بد سمجھی جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ [illegible] ناراض ہے اور اس کا نتیجہ خشک سالی ہے۔ خدا کرے وہ [illegible]

کہ یہ اجنبی جو آئے ہیں اپنے ساتھ نحوست لائے ہیں "۔

امین نے ہنس کر کہا "اگر لوگوں نے ایسا کہا تو شاید ہمیں فرار ہو کر پہاڑ پر پناہ گزیں ہونا پڑے "۔

خانم "تو گویا تم موت کے منہ میں پناہ لینا چاہتے ہو۔ اس کے متعلق میرے دوست اطمینان رہو کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں سرحد کا دریا عبور نہ کرنے دوں گی "۔

امین "اس کی وجہ "؟

خانم "میرے امین! یہی تمہارا نام ہے نا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری یہ مرضی ہے اور جب تک یہاں میری حکومت ہے میری مرضی ہی قانون ہے۔ چلو واپس گھر چلیں "۔

اس رات ہم نے کھانے کے کمرے میں کھانا نہیں کھایا بلکہ کھانا ہماری قیام گاہ پر ہی بھیج دیا گیا اور خانم اس کا ماموں ساحر بھی وہیں آکر شریک طعام ہوئے۔ میں نے حیرت زدہ ہو کر سلام کیا تو خانم نے کہا کہ میں تمہاری زیادہ توہین نہیں ہونے دینا چاہتی۔ اس لئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ آج کل ایک تیوہار شروع ہے اور میں تمہیں اپنی رعیت کی بیہودہ رسم دکھانا نہیں چاہتی۔ اس شام اور اس کے بعد ہم نے پھر کبھی بڑے کمرے میں جا کر کھانا نہیں کھایا اور دن آرام سے کٹتے رہے۔ ایسے اوقات میں خانم امین کی زبان سے وطن کے حالات اور سفر کی صعوبات کے ذکر سنا کرتی تھی۔ میں سکندر کی تواریخ بیان کیا کرتا تھا جس کے سردار رثان نے قالون فتح کیا تھا۔ اور مصر کے حالات سنایا کرتا تھا جہاں کا رثان باشندہ تھا۔ شمسہ بیٹھی امین کا منہ تکتی رہتی تھی اور باتیں سنا کرتی تھی۔

اسی طرح ہم نے قالون کی محلسرائے میں بہت راتیں گذاریں مگر درحقیقت ہم وہاں قیدیوں کی حیثیت میں تھے۔ اس قید میں ایام گذاری

دوبھر تھی + اگر کبھی ہم برآمدوں یا صحن میں چلے جاتے تھے تو درباری لوگ سوالات سے ہمیں پریشان کر دیتے تھے۔ عورتیں جن میں بعض حسین بھی تھیں کسی نہ کسی بہانے سے ہمیں باتوں میں اُلجھا لیتی تھیں اور امین سے اظہار تعشق کرتی رہتی تھیں۔ کیونکہ یہاں کے دُبلے نازک اندام مردوں کے مقابلے میں فراخ سینہ والا۔ سنہرے بالوں والا جوان اجنبی انہیں غنیمت معلوم ہوتا تھا۔ کبھی پھولوں کے گلدستے بھیجتی تھیں۔ کبھی نوکروں کے ہاتھ رقعے بھیجتی تھیں۔ جن میں ملاقات کے وقت مقرر کرتی تھیں۔ مگر امین کسی سے نہیں ملتا تھا +

اگر کہیں بازار کی طرف جا نکلتے تھے تو اور مصیبت آتی تھی۔ لوگ کام کاج چھوڑ کر ہمارے ساتھ ہو لیتے تھے۔ یہاں تک کہ گھبرا کر ہم پھر محلسرا کے باغات میں پناہ لیتے تھے + چنانچہ ہمارے لئے صرف ایک تفریح رہ گئی کہ گھوڑوں پر خانم کے ساتھ سیر کو نکل جائیں مگر دو چار دن کے بعد خان کے رشک نے یہ بھی بند کرا دیا۔ اس نے قسم کھائی اگر پھر ہم خانم کے ساتھ سیر کو گئے۔ تو وہ کتے لے کر تعاقب کرے گا + نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں محافظ دستے کے حلقہ میں اکیلے جانا پڑتا تھا تاکہ ہم بھاگ جانے کا ارادہ نہ کریں۔ اس پر یہ مزید طرفہ ہوتا تھا کہ کسان جمع ہو کر کبھی منت کرتے تھے اور کبھی دھمکاتے تھے کہ جو بارش ہم نے یہاں آکر روک لی ہے۔ اسے جاری کرا دیں۔ کیونکہ خشک سالی شد و مد سے شروع ہو گئی تھی +

ان سب باتوں کا ماحصل یہ نتیجہ ہوا کہ آخری تفریح دریا کے کنارے پر مچھلیاں پکڑنے کا بہانہ رہ گئی + پانی اتنا صاف شفاف تھا کہ ہمارے ہاتھ تو کچھ نہ آتا تھا مگر ہم کنارۂ دریا پر بیٹھے پُر اسرار ناقابل رسائی کوہ آتشین کا نظارہ کیا کرتے تھے اور بھاگ نکلنے کی یا دوہاں کی کاہنہ سے گفت وشنید کرنے کی تدبیریں سوچا کرتے تھے +

ہمارے دل و دماغ پر دو فکروں کا بوجھ تھا۔ ایک تو تلاش جاری

کرنے کا تاکہ ہم اس پہاڑ کی برفانی چوٹی پر سے گوہر مقصود حاصل کر سکیں۔ بشرطیکہ وہاں پہنچ سکیں ۔ دوسرا خانم شمسہ کے ہاتھ سے کسی غیر معین مصیبت کے نازل ہونے کے خوف کا ۔ سرحد والے مکان کی آخری رات کے بعد اس نے ایمن کے سامنے پھر کبھی عشق کا اظہار نہیں کیا۔ اگر وہ چاہتی بھی تو کامیاب نہ ہو سکتی۔ کیونکہ میں اسے ایک گھنٹہ بھی اکیلا نہ چھوڑتا تھا۔ ترکی حرم کی کوئی کنیزک اپنی مالکہ کے ساتھ اس طرح نہ لگی رہتی ہوگی جس طرح میں ایمن کے ساتھ رہتا تھا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اس کے جذبات میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔ جس طرح آتش فشاں پہاڑ کے جگر میں آگ سلگ سلگ کر بڑھتی رہتی ہے۔ اسی طرح خانم کے دل میں یہ عشق بھڑک رہا تھا اور کسی نہ کسی وقت برانگیختہ ہو کر گرد و نواح میں تباہی لانا لابدی تھا۔ اس آنے والی تباہی کے آثار اس کے لفظوں۔ اشاروں اور کنایوں سے ہر وقت ظاہر ہوتے رہتے تھے ۔

باب دہم

ساحر کے کمرے میں

قتل ایں خستہ بہ شمشیر تو تقدیر نبود
ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

ایک رات سمبری نے ہمیں محل کی بلند ترین منزل میں اپنے کمرے میں کھانا کھانے کی دعوت دی۔ اس وقت کیا علم تھا کہ یہ جگہ ہمارے

لئے کیا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ اس ڈراما کا آخری منظر اسی کمرے میں انجام پذیر ہُوا۔ خیر ہم نے اس تبدیلی کو غنیمت سمجھا۔ کھانا کھانے کے بعد امین پر استغراق کی کیفیت طاری ہوئی۔ اور اس نے اچانک سمبری سے کہا:۔

"دوست سمبری۔ میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ خانم سے ہمیں اپنے راستے پر چلنے کی اجازت لے دیجئے"۔

یہ سُنتے ہی بوڑھے ساحر کے چالاک چہرے پر تغیر واقع ہُوا۔ اور اس نے کہا "سردار۔ تم خود خاتون سے استدعا کرو تو بہتر ہے مجھے امید نہیں کہ آپ کی کوئی معقول استدعا مسترد ہو"۔

امین "ان فریب آمیز باتوں سے کوئی فائدہ نہیں۔ واقعات کو کیوں چھپایا جائے۔ میں نے دیکھ لیا ہے کہ خانم شمسہ کو اپنے خاوند سے نفرت ہے"۔

سمبری "تمہاری نگاہیں دور رس ہیں۔ اور انہوں نے تمہیں دھوکا نہیں دیا"۔

امین "میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ خانم مجھے ناجائز نگاہوں سے دیکھتی ہے"۔

سمبری "آہ۔ شاید تم نے سرحد کے مکان میں اس کا اندازہ کیا ہے جہاں کے واقعات کوئی دانا شخص نہیں بھول سکتا"۔

امین "مجھے بہت سی باتیں یاد ہیں جن میں آپ کا اور خانم کا تعلق ہے"۔

ساحر نے ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا اور کہا "ہاں۔ کہئیے"۔

امین "میرا مقصد یہ ہے کہ میں آپ کی ملکہ کے نام پر دھبہ لگانا نہیں چاہتا۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا"۔

سمبری "سردار! یہ تمہاری شرافت ہے۔ مگر یہاں لوگ ایسی باتوں کا کچھ خیال نہیں کرتے۔ اگر بغیر بدنامی کے معاملہ طے ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ بغرض محال۔ اگر خانم کا ارادہ دوسری شادی کرنے کا ہوگیا۔ تو رعیت

پھولی نہیں سمائے گی کیونکہ خانم حکمران خاندان کی آخری نام لیوا ہے"۔
امین "ایک خاوند کی زندگی میں دوسری شادی کیسے کر سکتی ہے"۔
سمبری "بے شک یہ درست ہے۔ میں نے بھی اسی مسئلہ پر غور کیا ہے مگر اس کا صرف ایک جواب نظر آتا ہے کہ انسان فانی ہے۔ فنا کسی کے لئے مخصوص نہیں۔ اور خان عرصے سے شراب خوری میں مبتلا ہے"۔
امین "تمہارا یہ مطلب ہے کہ انسان قتل کیا جا سکتا ہے۔ مجھ سے ایسے جرم کے ارتکاب کی توقع نہ رکھنا۔ آپ سمجھتے ہیں نا"۔

امین یہ کہہ ہی رہا تھا کہ مجھے سرسراہٹ کی آواز آئی اور میں نے پھر کر دیکھا پیچھے کی طرف پردے آویزاں تھے جن کے پیچھے سمبری سویا کرتا تھا۔ اور اپنے آلات مشاہدہ و معائنہ رکھا کرتا تھا۔ اب یہ پردے بیچ میں سے ہٹے ہوئے تھے اور وہاں شاہی لباس میں ملبوس خانم بت کی طرح خاموش کھڑی تھی + میرے دیکھنے پر اس نے پوچھا:۔

"جرم کا کس نے نام لیا تھا؟ کیا سردار امین تم نے یہ کہا تھا؟"
امین نے کرسی پر اٹھ کر اس کی طرف منہ کیا اور کہا "خاتون! مجھے مسرت ہے کہ تم نے میرے الفاظ سُن لئے۔ خواہ اس سے تمہیں رنج ہی ہُوا ہو"۔
خانم "مجھے رنج کیوں ہوتا۔ کیا یہ جاننا کہ دربار میں کم از کم ایک شخص ایسا ایماندار ہے کہ قتل و خون سے پرہیز رکھتا ہے۔ باعث رنج ہو سکتا ہے۔ بلکہ میں ان لفظوں کی وجہ سے تمہاری عزّت کرتی ہوں۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے احمقانہ خیالات میرے دل میں کبھی وارد نہیں ہوئے۔ مگر امین! جو مقدرات کا لکھا ہے ٹل نہیں سکتا"۔
امین "مقدرات میں کیا لکھا ہُوا ہے"۔

اس پر سمبری اُٹھ کر پردے کے پیچھے گیا اور ایک کاغذ نکال کر لایا اس میں سے اس نے پڑھ کر سُنایا "تقویم سیارگان کا حکم ہو چکا ہے کہ آئندہ ہلال کی رویت سے پہلے خان رشان اس اجنبی سردار کے ہاتھوں مار

جائے گا۔ جو پہاڑوں سے اس سرزمین میں نازل ہوا ہے"۔

امین "تو تقویم سیارگان کا حکم غلط اور جھوٹ ہے"۔

خانم "تم جو چاہو کہو۔ مگر یہ ضرور ہوگا۔ میرے یا میرے ملازمین کے ہاتھوں سے نہیں۔ بلکہ تمہارے ہاتھوں سے۔ پھر کہو تم کیا کہو گے؟"

امین "میرے ہاتھوں ہی کیا ضرور ہے۔ کیا حنیف کے ہاتھ سے نہیں ہو سکتا۔ بفرض محال یہ ہوا بھی تو اس کی غمزدہ بیوہ مجھے سزا دے گی اور میں کیفر کردار کو پہنچوں گا"۔

خانم "امین! تم یہ جانتے ہوئے کہ وہ میرا کس خوبیوں کا خاوند ہے میرا مذاق اڑاتے ہو"۔

اب میں نے سمجھ لیا کہ جس وقت سے ڈرتے تھے وہ آپہنچا۔ شاید امین نے بھی اس کا اندازہ کر لیا کیونکہ اس نے کہا:۔

"ملکہ تم جو کہنا چاہتی ہو کہہ دو۔ شاید اس میں ہم دونوں کی بہتری ہو"۔

خانم "سردار! میں تمہارے حکم کی تعمیل کرتی ہوں۔ مجھے اس تقدیر کا کچھ حال معلوم نہیں۔ مگر میں صرف اس صفحہ کو پڑھ سکتی ہوں جو میرے سامنے کھلا ہوا ہے۔ اس کا تعلق میری موجودہ زندگی سے ہے۔ بچپن سے تمہاری صورت میری آنکھوں میں پھرا کرتی تھی۔ جب میں نے تمہیں دریا کے کنارے پر سے دیکھا تو مجھے تمہاری صورت آشنا معلوم ہوئی۔ کیونکہ میں اُسے پہچانتی تھی۔ میں نے بارہا خواب میں اسے دیکھا تھا۔ میں ابھی بچی ہی تھی کہ ایک دن دریا کے کنارے پر پھولوں کی کیاری میں سوتے ہوئے مجھے پہلے یہ صورت نظر آئی۔ تم میرے ماموں سے اس واقعہ کی شہادت لے سکتے ہو۔ مگر اس وقت تمہارے چہرے پر لڑکپن تھا۔ اس کے بعد بارہا میں نے پھر اس صورت کو دیکھا اور نادیدہ عشق پیدا ہو کر میں نے سمجھ لیا کہ تم میرے ہو۔ یہ علم مجھے میرے دل کے جادو نے دیا۔ پھر سال گذرنا شروع ہوئے۔ اور مجھے محسوس ہوتا تھا

کہ تم ہر روز میری طرف کو آ رہے ہو۔ آہستہ آہستہ دنیا کی آبادی کو چھوڑ کر پہاڑوں میدانوں۔ صحراؤں دریاؤں اور برفانی طبقوں کو طے کرتے ہوئے میری طرف کو کھچے چلے آ رہے ہو + آخر کار انجام آپہنچا اور ایک شب جسے ابھی پورے تین ماہ نہیں گذرے۔ جب کہ میرا دانا ماموں اور میں بیٹھے مستقبل کا مشاہدہ کر رہے تھے اور ماضی کے حالات دریافت کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ مجھے ایک دریا نظر آیا۔ مجھ پر نیند طاری ہوئی اور میری روح سیلانی منازل غیر معروف کی طرف چلی۔ اس وقت میں نے تمہیں اور تمہارے ساتھی کو ٹوٹے ہوئے یخ کے ایک تودے میں چمٹے ہوئے دیکھا۔ میں جھوٹ نہیں بولتی۔ یہ سب کچھ اس ورق پر لکھا ہوا ہے۔ میں نے دیکھ لیا کہ میرے خوابوں کا مجسمہ تم وہاں موجود تھے + ہمیں جگہ کا پتہ تھا ہم وہاں پہنچے اور کنارے پر انتظار میں بیٹھ رہے کہ شاید تم دریا میں غرق ہو کر رہ گئے ہو۔ ہم انتظار ہی کر رہے تھے کہ برف کے کنارے پر دو چھوٹی چھوٹی انسانی صورتیں نظر آئیں۔ جہاں انسان کی رسائی ناممکن ہے۔ باقی حالات تمہیں معلوم ہیں۔ ہم اس نظارے سے مسحور ہو کر کھڑے دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ تم پھسل کر لٹک گئے اور پھر تم نے تسمہ کاٹ دیا۔ اور پھر یہ بہادر انسان ضعیف تمہارے بعد سر کے بل کود گیا ؛

"میرے ہی ہاتھ نے تمہیں کھینچ کر پانی سے نکالا جہاں تمہارا ڈوب جانا یقینی تھا + تمہیں ایین تمہیں! جو میری امیدوں اور آرزوؤں کا ماضی میں بھی مرجع رہے ہو اور اب بھی ہو۔ یہی روح تھی جس نے تمہارے خطرے کو دیکھا اور یہی ہاتھ تھا۔ جس نے موت کے پنجے سے تمہیں خلاصی دلائی۔ اور اب ـــ اب کیا تم ان کو مسترد کر دو گے جب کہ میں قانون کی خاتم خود پیش کر رہی ہوں" یہ کہہ کر اس نے میز پر کہنیاں ٹکا دیں اور التجا سے پر نگاہوں کے ساتھ ایین کو دیکھنے لگی + ایین نے کہا:-

"معزز خاتون! تم نے مجھے مرنے سے بچا لیا اس کا میں شکریہ ادا کرتا

ہوں۔ اگر تم مجھے مرنے دیتیں تو اچھا ہوتا۔ گستاخی معاف اگر یہ رام کہانی سچ ہے تو کیا وجہ ہے کہ تم نے دوسرے شخص سے شادی کر لی"۔

اس پر خانم لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی گویا کسی نے نشتر چبھو دیا۔ اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا:۔

"آہ۔ اس میں بے قصور ہوں۔ صرف مصلحتِ ملکی نے مجھے اس پاگل سے وابستہ ہونے پر مجبور کیا۔ مجھے لوگوں نے ورغلا دیا۔ یہاں تک کہ سمبری تم نے بھی مجھے ورغلایا —— اور اس کے بدلے میں تم پر لعنت ہو —— کہ رشان اور میری افواج کے جنگ کے خاتمے کے لئے یہ ضروری تھا تم نے کہا کہ میں اس حکمران خاندان کی آخری نام لیوا ہوں اور سلسلہ کو قائم رکھنا لازمی ہے۔ اور یہ کہ میرے خواب اور میری یادداشت محض تخیلات باطل ہیں + ہائے افسوس صد افسوس میں مان گئی تاکہ میری رعایا کو عروج حاصل ہو"۔

امین:۔ "اور سب سے زیادہ تمہیں عروج حاصل ہو۔ جیسا کہ میں سُن چکا ہوں خیر خانم! میں تمہیں الزام نہیں دیتا۔ اگرچہ تم صاف الفاظ میں کہہ رہی ہو کہ جو گرہ تم نے لگا لی ہے اسے میں تمہارے خاوند کی جان لے کر کاٹ ڈالوں جیسا کہ تقدیر میں جسے تم نے خود کھڑا کیا ہے لکھا ہوا ہے۔ ہاں تم چاہتی ہو۔ کہ جو کام تم سے نہیں ہو سکتا وہ میں کروں۔ علاوہ ازیں تقویم سیارگان کی کہانی اور اس رویا کی داستان جس نے تمہیں ہمارا پتہ دیا۔ سب کچھ غلط ہے خاتون تم دریا پر مجھے اس لئے ملنے گئی تھیں کہ صاحبہ القوۃ عزا نے جسے تم لوگ روح الجبال کہتے ہو تمہیں اس کا حکم دیا تھا"۔

شمسہ اُچھل پڑی بوڑھے سمبری کا منہ کھل گیا اور آنکھیں پٹپٹانے لگا + خانم نے کہا "تم سے کس نے کہا ہے"۔

امین:۔ "مجھ سے کون کہتا۔ جس طرح مجھے اور ہزاروں باتوں کا علم ہے اس کا بھی ہے۔ خاتون بہتر ہوتا اگر تم سچ بولتیں"۔

شمسہ کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں اور غصہ سے بھر کر اس نے اپنے ماموں سے کہا:۔

"ساحر! کیا تم نے کہا ہے؟ اوہ اگر ایسا ہوا تو یقین رکھو میں بنہ چلالوں گی۔ اور اگرچہ میں اور تم ایک ہی نسل سے ہیں مگر اس کا بدلہ میں سخت عذاب دے کر لوں گی"۔

سمبری نے اپنا پنجہ نما ہاتھ اٹھایا اور گڑگڑا کر کہنے لگا "شمسہ شمسہ! تمہیں معلوم ہے کہ میں نہیں بتا سکتا تھا"۔

خانم "تو پھر یقیناً میمون صورت آوارہ گرد خبیث روحوں کے ایلچی تم نے بتایا ہوگا۔ ہائے! میں نے تمہیں پہلے دن کیوں نہ مار ڈالا۔ خیر اس غلطی کا اب بھی ازالہ ہوسکتا ہے"۔

میں "خانم! تو کیا میں بھی ساحر ہوں"۔

خانم "ہاں میں کہتی ہوں تو جادوگر ہے اور تیری کوئی جورو ہے جو آگ میں رہتی ہے"۔

میں "تو خانم! ایسے خادم اور ایسی جورو سے بچ کر رہنا ہی اچھا ہے ۔ یہ بتاؤ کہ عزا نے ہمارے پہنچنے کی اطلاع کا کیا جواب دیا ہے"۔

اس سے پیشتر کہ وہ جواب دیتی امین نے کہا "سنو! میں اس پہاڑ کی چوٹی پر خطاب الہی سے ایک سوال کرنے جاتا ہوں تم چاہو یا نہ چاہو میں ضرور جاؤں گا۔ پھر تم خود فیصلہ کر لینا کہ تم میں سے کون زیادہ قوی ہے تم قالون کی خانم یا وادی النار کی عزا"۔

شمسہ تھوڑی دیر خاموشی سے کھڑی سنتی رہی۔ شاید اُسے کچھ جواب نہ بن پڑتا تھا۔ آخر اس نے ہنس کر کہا:۔

"تمہاری یہ مرضی ہے! میرا خیال ہے کہ وہاں ایسی کوئی عورت نہیں جس سے تم شادی کر سکو۔ وہاں تو آگ ہی آگ ہے۔ اور کوئی بے شرم حسین عورت نہیں جو ترچھی بانکی نگاہوں سے مردوں کے دل لبھا سکے۔

(یہاں ایک لمحہ کے لئے کسی اندرونی جذبے سے عاجز آکر اس کی زبان رک گئی پھر اسی لہجہ میں کہنے لگی) وہ سرزمین پُراسرار ہے جس کا دریافت کرنا اجنبیوں کے لئے ممنوع ہے۔ میں پھر تم سے کہے دیتی ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں اس پہاڑ پر قدم رکھنے کی اجازت نہیں۔ ایمن! یہ بھی یاد رکھنا کہ میں اپنے دل کا راز بیان کر چکی ہوں اور مجھے جواب یہ ملا ہے کہ تمہاری یہ طویل جستجو میرے لئے نہیں ہے۔ مجھے بیوقوفی سے اس کے برعکس یقین تھا۔ بلکہ یہ معلوم ہوا کہ تم کسی خبیث روح کی تلاش میں ہو جو عورت کے لباس میں ہے اور تمہیں کبھی نہیں ملے گی۔ اب میں تم سے کوئی استدعا نہیں کرتی نہ اس کا موقع ہے۔ مگر تم نے ضرورت سے زیادہ معلومات حاصل کر لی ہے۔ اس لئے آج شب بھر اچھی طرح سوچ لو اور صبح کو جواب دو۔ ایک دفعہ قول دے کر پھرنا میری عادت نہیں۔ کل کو اس کا فیصلہ کر کے مجھے بتاؤ کہ آیا جب وقت آئے گا تم مجھے قبول کر لوگے اور اس سرزمین پر حکومت کرتے ہوئے میری محبت میں پھولو پھلوگے یا تم اور تمہارا "واقف کار" دونوں موت کو ترجیح دوگے۔ شمسہ کے انتقام اور محبت میں سے کوئی سی چیز انتخاب کر لو۔ کیونکہ میں اپنی مملکت میں ایک اجنبی سے عشق کا اظہار کر کے اور مسترد کی جا کر مذاق اڑوانے کو تیار نہیں ہوں۔"

خانم کی زبان سے یہ الفاظ آہستہ آہستہ اس طرح صادر ہوئے جیسے کسی مہلک زخم سے خون ٹپکتا ہے۔ اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ یہ نظارہ عمر بھر میری آنکھوں میں پھرتا رہے گا۔ سامنے بوڑھا جادوگر اپنی مکار آنکھوں سے ہمیں گھور رہا تھا۔ جو اُلو کی آنکھوں کی طرح جھپکتی تھیں۔ اُدھر ملکہ خانم شاہی لباس میں غصہ سے بھری ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے خدوخال میں انتقام لکھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے قد آور ایمن خاموش کھڑا تھا۔ عزم و استقلال اس کے ہر بُن مو سے ٹپکتا تھا۔ اور بیم و رجا کو

ارادہ کے آہنی پنجہ سے روکے ہوئے تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ پر ئین۔ امین کا "واقفِ کار" کھڑا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ شمسہ مجھ سے سخت متنفر ہو چکی ہے۔ دیکھیں اب دنیا میں زندگی کے کتنے دن باقی ہیں "

اس طرح ہم ایک دوسرے کو تکتے ہوئے کھڑے تھے یہاں تک کہ یکایک چراغ کی لو متحرک ہوئی اور میرے رخسار پر تازہ ہوا کا جھونکا محسوس ہوا۔ میں نے پھر کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہاں ایک اور شخص موجود ہے۔ جو اندھیرے میں کھڑا ہے + یہ شخص آہستہ آہستہ وبے پاؤں آگے بڑھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے پاؤں ننگے ہیں۔ آخر وہ روشنی میں پہنچ گیا اور آتے ہی زور سے ایک وحشیانہ قہقہہ لگایا — یہ خان تھا"

شمسہ اس کی بیوی نے اسے دیکھا۔ میں دل میں اس غضب ناک عورت کی جرأت کی داد دئے بغیر نہ رہ سکا۔ اگرچہ میں نے سوائے اس کے حسن کے اور کسی حرکت کی آج تک داد نہیں دی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے چہرے پر نہ تو غصہ کے آثار ظاہر ہوئے اور نہ خوف کے بلکہ صرف حقارت اور نفرت کے جذبات ٹپکے پڑتے تھے۔ گو وہ خود جانتی تھی کہ اسے اس وقت خوفزدہ ہونا چاہیئے + شمسہ سے درشت آواز میں پوچھا:۔

" رنان! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ ننگے پاؤں میری کنوٹیاں لیتے پھرتے ہو۔ جاؤ واپس اپنی شراب اور رنڈیوں میں دفع ہو جاؤ"۔ مگر خان اسی وحشیانہ تضحیک میں مصروف رہا۔ شمسہ نے پھر کہا:۔

" تم نے ایسا کیا سن لیا ہے۔ کہ اس قدر ہنسی آرہی ہے "

رنان نے اس کے جواب میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا:۔

" بتاؤں۔ میں نے کیا سن لیا ہے۔ میں نے خانم کو بولتے سنا ہے۔ وہ خانم جو شاہی نسل کی آخری نام لیوا ہے۔ جو اس مملکت میں سب سے اعلیٰ

ہے۔ وہ مغرور شہزادی جو درباری عورتوں کے دامن سے مس کر کے اپنا دامن ناپاک کرنے سے متنفر ہے۔ اور میری بیوی ہے۔ جس نے خود پیغام دے کر مجھ سے شادی کی ——— اجنبی مہمانو! غور کرنا ——— اس نے خود مجھ سے شادی کی تھی۔ اس لئے کہ میں اس کے خاندان سے ہوں اور مقابلہ کا حاکم تھا۔ اس سرزمین میں میری ریاست سب سے بڑی تھی۔ اور اس ترکیب سے یہ اپنی طاقت اور سلطنت بڑھانا چاہتی تھی۔ میں نے اسے ابھی ایک اجنبی کو اپنا ہاتھ پیش کرتے سنا۔ جن کے منہ پر بڑی زرد ڈاڑھی ہے۔ میں نے اس اجنبی کی بات بھی سنی ہے۔ جو اس سے نفرت کرتا ہے اور فرار کو قرار پر ترجیح دیتا ہے۔ (زور سے پھر قہقہہ لگا کر) اس نے اس کو اس طرح مسترد کیا ہے کہ میں دربار کی کمترین سے کمترین عورت کو بھی نہ کرتا۔ میں نے یہ بھی سنا ہے۔ کہ میں دیوانہ ہوں۔ مگر یہ میں ہمیشہ سے جانتا ہوں کیونکہ اجنبیو! مجھے اس پیر موش نے (ممبری کی طرف اشارہ کر کے) میری شادی کی دعوت کے دن شراب میں کچھ زہریلی چیز ملا کر پلا دی۔ جس سے میں پاگل ہو گیا۔ اس دوا کی تاثیر نفرت پیدا کرنا تھی اور اس نے خوب اثر کیا کیونکہ میں دنیا میں کسی سے اس قدر متنفر نہیں جس قدر شمسہ سے نفور ہوں اس کے ہاتھ کا چھو جانا مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔ اس سے میں گھبرا اٹھتا ہوں۔ میں اس کے ساتھ ایک مکان میں رہنا دوبھر سمجھتا ہوں اس کی موجودگی سے ہوا ناپاک ہو جاتی ہے کیونکہ اس کے تنفس میں جادو کی بو ہے "

"زرد ریش! تمہیں بھی ایسے ہی خیالات ستاتے ہوں گے۔ اگر ہیں تو پیر موش سے کہو کہ کوئی اکسیر حب تمہیں پلا دے۔ اسے ایسے نسخے یاد ہیں۔ بس پھر تمہاری نظروں میں وہ حسین، شکیل اور نیک نظر آنے لگے گی۔ اور کچھ مہینے عیش و عشرت میں گذر جائیں گے۔ دیکھنا نادانی نہ کرنا۔ پیالہ جو تمہیں دیا جا رہا ہے۔ بہت خوشنما ہے۔ پیٹ بھر کے پی لینا۔ تمہیں

اگلے دن تک یہ پتہ نہیں لگے گا کہ اس میں کیا ہے۔ چاہے یہ زہر دے کر مارے ہوئے خاوند کے خون سے تیار کیا گیا ہو۔" یہ کہہ کر رشان نے پھر اپنے ناپاک انداز میں قہقہہ لگایا:۔

اس توہین آمیز تقریر کو جس میں حقیقت کے زہریلے نیش شامل تھے شمسہ خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر وہ ہم سے مخاطب ہو کر کہنے لگی:۔

"میرے معزز دوستو! میں آپ سے اس سب کی جس پر میرا اختیار نہیں ہے معافی چاہتی ہوں۔ تم اتفاق سے ایک بدکار گمراہ سرزمین میں آپہنچے ہو۔ جس کا سرتاج یہ کھڑا ہے + خان رشان! تیری موت آچکی ہے مجھے جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تقدیر نے ایک بار ہمیں یکجا کر دیا تھا۔ اگرچہ اس سارے زمانے میں میں نے تجھے سانپ سے زیادہ وقعت نہیں دی۔ جو زبردستی گھر میں گھس آیا ہو۔ اگر یہ نہ ہوتا تو دوسرا پیالہ تیری دیوانگی کا خاتمہ کر دیتا اور تیری ناپاک زبان کو خاموش کر دیتا۔ جس سے ایسے زہریلے الفاظ نکل رہے ہیں + ساحر ماموں! میرے ساتھ آؤ۔ اپنا ہاتھ دو کیونکہ میں شرم اور غم سے بے قابو ہو رہی ہوں "۔

بوڑھا ساحر آگے بڑھا۔ مگر جب خان کے مقابل پہنچا۔ تو کھڑا ہو گیا اور سر سے پاؤں تک دیکھ کر کہا:۔

"رشان۔ میں نے تجھے پیدا ہوتے دیکھا ہے۔ تیری ماں بدمعاش عورت تھی اور سوائے میرے تیرے باپ کا کسی کو علم نہیں تھا اس روز پہاڑ پر شعلہ بلند ہوا تھا اور ستاروں نے منہ چھپا لیا تھا۔ کیونکہ منحوس سے منحوس ستارہ بھی تجھ پر سایہ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے نکاح کے وقت تجھے دیکھا تھا جب تو شراب کے نشے میں کچھ ایک فاحشہ کے گلے میں باہیں ڈالے دعوت پر سے اُٹھا تھا۔ میں نے تجھے حکمرانی میں اپنی بے رحمانہ تفریح کے لئے ملک کو اجاڑتے شکار کے لئے زرخیز زمینوں کو میدان بناتے اور ان زمینوں کے کاشتکاروں کو فاقوں سے مارتے یا دریا میں ڈبوتے بھی دیکھا ہے۔ اور عنقریب تجھے

خاک و خون میں درد سے جان دیتے بھی دیکھوں گا۔ اس وقت اس شریف خاتون کی گردن پر سے جسے تو ذلیل کرتا ہے مصیبت کا جُوا اُترے گا۔ پھر تجھ سے بہتر انسان تیری جگہ لے گا اور اس کی اولاد تیرے تخت و تاج کی وارث ہوگی۔ اور زمانے کو راحت نصیب ہوگی۔"

میں یہ لفظ سُن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ خان کمر سے تلوار کھینچ کر بوڑھے کے دو ٹکڑے کر دے گا۔ کیونکہ جس نے یہ الفاظ نہیں سُنے وہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ کس قدر خوفناک تلخی سے یہ الفاظ کہے گئے تھے۔ مگر خان میں یہ حوصلہ کہاں تھا۔ بلکہ اس کے سامنے سے خوفزدہ ہو کر اس طرح دبک گیا جیسے ظالم آقا سے کُتا ڈرتا ہے۔ جب کہ اس کے ہاتھ میں چابک ہو۔ واقعی بغیر لب ہلائے وہ کانپتا ہوا گوشے میں چلا گیا۔ اور سہم کر کھڑا ہو گیا۔ اور سمبری شمسہ کا ہاتھ تھامے ہوئے کمرے سے چلا گیا۔ مگر جاتے جاتے دروازے کے قریب پہنچ کر پھرا اور اپنے عصا سے خان کی طرف اشارہ کر کے کہا:۔

"خان رشان! میں نے تجھے عروج پر پہنچایا تھا۔ اب میں ہی تجھے گراتا ہوں۔ جب خاک و خون میں درد سے تڑپنے لگے تو مجھے یاد کر لینا۔"

ان کے قدموں کی آواز بند ہو گئی تو خان گوشے میں سے دبے پاؤں چاروں طرف دیکھتا ہوا نکلا اور پیشانی پر سے آستین کے ساتھ پسینہ پونچھ کر کہنے لگا "وہ موش اور دوسری بندریا گئے نا"۔ میں نے دیکھا کہ خوف سے اس کا نشہ ہرن ہو گیا تھا اور عارضی طور پر دیوانگی بھی مفقود تھی۔ میں نے کہا "ہاں گئے"۔ اس نے جوش میں آ کر کہا:۔

"تم مجھے ڈرپوک سمجھتے ہو گے۔ افسوس یہ خیال سچ ہے۔ میں اس بوڑھے سے اور اس عورت سے ڈرتا ہوں جب کہ زردریش تم ڈرو گے جب تمہارا وقت آئے گا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ میری طاقت اور عقل کو انہوں نے اپنی بسموم دوا سے سلب کر دیا ہے۔ اور مجھے اس نوبت کو پہنچا دیا ہے۔ ان کی جادوگریوں کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ غور سے سنو۔ ایک زمانے میں میں شہزادہ

تھا۔ اور اس سرزمین کا نصف میرے زیر نگین تھا۔ میرے اوضاع و اطوار شریفانہ تھے اور میرا دل نیک تھا۔ اور میں اس کے نعتی حسن پر فریفتہ ہوگیا جیسا کہ ہر شخص کے لئے لازمی ہے جس کی نظر اس پر پڑے۔ اس نے مجھ سے شادی کی استدعا کی یہی موش پیر اس کا پیغام لے کر گیا تھا۔

میں نے خانہ جنگی کا خاتمہ کر دیا۔ خانم سے شادی رچالی اور یہاں کا خان بن گیا۔ مگر بخدا اگر میں فقیر بن کر اس کے باورچی خانے پر بھیک مانگنے آتا تو اس سے بدرجہا بہتر ہوتا کہ میں خاوند بن کر اس کے حجلۂ عروسی میں داخل ہُوا۔ کیونکہ شروع سے اُسے مجھ سے نفرت تھی اور جتنا میں چاہتا تھا وہ متنفر ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ شادی کی دعوت میں اس نے مجھے وہ زہر پلایا جس سے میرا دل بھی اس کی طرف سے پھر گیا۔ اور ہم میں افتراق پیدا ہوگیا۔ اسی کے اثر سے میرے دماغ میں جنون پیدا ہُوا۔

میں "خان! اگر وہ تم سے اس قدر متنفر تھی تو کیوں اس نے زیادہ تیز زہر پلا کر تمہارا خاتمہ ہی نہ کر دیا؟"

خان "کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصلحت اس کے خلاف تھی۔ میں نصف مملکت کا مالک تھا۔ اور یہ کہ میرا زندہ رہنا اس کے لئے فائدہ مند بھی تھا وہ میرا مذاق اُڑانا چاہتی تھی اور میری موجودگی میں دوسرے خاوند کی بلا اس کے گلے نہیں منڈھی جاسکتی تھی۔ وہ عورت نہیں ہے۔ ڈائن ہے۔ جو تنہا زندہ رہنا چاہتی ہے۔ مگر آج رات اس خیال کی غلطی ثابت ہوگئی" یہ کہہ کر اس نے ایین کی طرف دیکھا اور سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اگرچہ میں اس سے خائف رہوں گا مگر اس کی محبت کبھی میرے دل سے نکل نہیں سکتی اور اس طرح رشک رقابت میں میں دوسرے لوگوں سے اس کی جان بچانے کا آلۂ کار رہوں گا۔ اسی نے مجھے اس رئیس کے درپے کیا تھا۔ جسے میرے کتوں نے پھاڑ ڈالا۔ کیونکہ وہ طاقتور تھا۔ اس پر عاشق تھا اور انکار سے گھبرانے والا نہ تھا۔ مگر اب میں جان گیا کہ

کیوں وہ اس قدر مردوں سے نفور رہتی تھی۔ (اس نے پھر امین کی طرف دیکھا) اس کی وجہ یہ تھی کہ دنیا میں ایک انسان زندہ تھا جس کے دل کو پسیجنے کے لئے وہ اپنی آتشِ جذبات کو اپنے سینہ میں دبا رہی تھی۔"

اس وقت امین جواب تک خاموش تھا آگے بڑھا اور کہا "تو کیا تھوڑی دیر ہوئی وہ دل پسیجتا ہوا نظر آیا تھا؟"

خاں:۔ نہیں۔ بشرطیکہ تم جھوٹ نہ بول رہے ہو۔ مگر اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ آتش اچھی طرح مشتعل نہیں ہوئی۔ ذرا صبر کر دیکھو پھر دیکھنا اس کے بھڑکتے ہی تمہارا دل کیا کہتا ہے۔ کون ہے جو شمسہ کے عزم کا مقابلہ کر سکتا ہے؟"

امین:۔ اور اگر میں اس آگ سے بھاگنے کی کوشش کروں تو؟ خان! انہوں نے کہا تھا کہ تم میرے ہاتھ سے قتل ہو گے۔ مگر میں تمہارے خون کا پیاسا نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری زوجہ کو تم سے چھیننا چاہتا ہوں۔ مگر حاشا وکلا میری نیت میں ہرگز یہ بات نہیں ہے۔ ہم تمہارے شہر سے نکل بھاگنا چاہتے ہیں۔ مگر مجبور ہیں۔ کیونکہ شہر کے دروازے مقفل ہیں۔ اور ہم قیدی ہیں۔ . . . . . . میری بات سنو۔ تم میں یہ طاقت موجود ہے کہ ہمیں آزاد کر کے ہم سے پیچھا چھڑا لو؟"

خان نے مکاری سے امین کو دیکھا اور کہا "اگر میں نے تمہیں آزاد کر دیا تو تم کہاں جاؤ گے؟ تم اس قعر عمیق میں کود تو گئے تھے۔ لیکن اس کی بلندی پر چڑھنا صرف پرندوں کے بس میں ہے؟"

امین"۔ ہم کوہ آتشین کو جائیں گے جہاں ہمیں ضروری کام ہے۔"

خاں:۔ اب بتاؤ تم پاگل ہو یا میں؟ تم کوہ آتشین پر جانا چاہتے ہو؟ خیر اس سے مجھے کیا غرض۔ سوائے اس کے کہ مجھے تمہارا اعتبار نہیں بغرض محال یہی سہی۔ مگر پھر تم واپس آ سکتے ہو اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لا سکتے ہو شاید تم لڑائی کر کے پھر خاتمہ ندا ب سے اس شہر میں داخل ہو۔ اُدھر تو ہمارے

دشمن ہی دشمن ہیں"۔

امین :- "ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ مجھے نہ تمہاری بیگم کی ایک ادا کی ضرورت ہے نہ تمہاری سلطنت کی چپہ بھر زمین کی۔ عقل سے کام لو اور ہمیں آزاد کر دو۔ پھر جس طرح چاہو گے عیش کرنا"۔

کچھ دیر تک خاں کھڑا بازو ہلاتا رہا یہاں تک کہ کسی خیال سے اس کے چہرے پر مسرت کے آثار پیدا ہوئے اور وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور کہنے لگا "میں یہ سوچ رہا ہوں کہ صبح کو شمسہ اُٹھ کر کیا کہے گی جب پنجرے کو خالی پائے گی۔ وہ تمہیں ڈھونڈے گی اور مجھ پر غصہ اُتارے گی"۔

میں :- "مگر معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر اب خفا ہے اس سے زیادہ وہ خفا نہیں ہوسکتی۔ ہمیں ایک رات کا وقفہ مل جائے پھر وہ سر ٹیک کر بیٹھ رہے ہماری گرد تک نہیں پا سکے گی"۔

خاں :- "تم یہ بھول گئے کہ اُسے اور پیر ہوش کو جادو بھی آتا ہے۔ جنہیں یہ پتہ لگ گیا کہ تم کہاں اُترو گے۔ انہیں یہ علم بھی حاصل ہوسکتا ہے کہ تم کہاں ملو گے۔ مگر۔ مگر۔ اُسے غصہ میں بھرا ہوا دیکھنا بھی لطف سے خالی نہیں۔ بچاری کہتی پھرے گی۔ اے زرد ریش اے زرد ریش تو کہاں گیا۔ ارے واپس آ۔ میں تیرا دل پہچوں۔ اے زرد ریش" اور یہ کہہ کر پھر قہقہہ لگایا۔ اور پھر یکایک کہنے لگا "تم کب تیار ہوسکتے ہو"۔

میں :- "آدھے گھنٹے میں"۔

خاں :- "بہت خوب تم اپنے کمروں میں جا کر تیاری کرو۔ میں ابھی آتا ہوں"۔

یہ سن کر ہم فوراً چل دیئے۔

باب یازدہم

شکار

راہِ عشق ارچہ کمیں گاہِ کمانداران است

ہر کہ دانستہ رود صرفہ ز اعدا ببرد

ہم اپنے کمروں کو چلے آئے۔ راستے میں ہمیں کوئی نہیں ملا۔ اور تیاری شروع کی۔ پہلے ہم نے اپنی وزن داری پوشاکیں اُتار کر وہ گرم لباس پہنا۔ جس میں ہم قالون کے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ پھر ہم نے گودام میں سے جو کچھ کھا سکے کھا پی لیا۔ یہ سوچ کر کہ خدا جانے پھر کھانا کب میسر آئے۔ اور کندھے پر لٹکائے جانے والے تو بڑے گوشت اور پانی کی چھاگلوں سے بھر لئے۔ انہیں میں اور چند ضروریات کی چیزیں بھی رکھ لیں۔ اپنے بڑے شکاری چاقو پٹیوں سے باندھ لئے اور شکار کھیلنے کے بھالوں سے مسلح ہو گئے۔

امین:۔ "شاید خاں نے ہمیں مارنے کی ہی کوئی تدبیر سوچی ہو۔ اس لئے سامان مدافعت ہونا ضروری ہے۔"

میں نے سر ہلا دیا کیونکہ میرے کانوں میں خاں کا آخری قہقہہ اب تک گونج رہا تھا۔ اس میں مکاری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اور کہا "بہت ممکن ہے۔ مجھے اس دیوانے حیوان پر بھروسہ نہیں۔ کم از کم وہ ہم سے پیچھا ضرور چھڑانا چاہتا ہے۔"

امین:۔ "ہاں! مگر جیسا کہ اس نے کہا تھا۔ زندہ انسان پھر واپس آ سکتے ہیں۔ مردہ لوگ واپس نہیں آیا کرتے۔"

میں "شمسہ کا خیال اس کے برعکس ہے"

امین "تاہم اس نے ہمیں موت کی دھمکی دی تھی"

میں "کیونکہ شرم اور بے آبروئی کے خیال نے اس کے حواس کھو دئے تھے" پھر ہم خاموش ہو گئے

اس کے تھوڑی دیر بعد ہی دروازہ کھلا اور خان بھاری جُبے میں لپٹا ہوا داخل ہوا۔ اور کہا "تیار ہو گئے ہو تو آؤ" پھر ہمارے ہاتھوں میں بھالے دیکھ کر کہنے لگا "نہیں ان چیزوں کی کیا ضرورت پیش آئے گی۔شکار کھیلنے تو نہیں جا رہے ہو"

میں نے کہا "نہیں۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارا ہی شکار نہ ہونے لگے"

خان "اگر یہ اندیشہ ہے تو بہتر ہے کہ جہاں ہو وہیں ٹھہر جاؤ۔ یہاں تک کہ خانم زرد ریش سے گھبرا کر تمہیں دھکے دے دے"

میں "نہیں۔ اب ہم ٹھہرنا نہیں چاہتے۔ ہرچہ بادا باد" یہ کہہ کر ہم چل پڑے خان ہمیں خاموش رہنے کی تاکید کر کے آگے آگے روانہ ہوا۔ خالی کمروں میں سے ہو کر برآمدوں میں سے گزرتے ہوئے ہم صحن میں آئے تو خان نے ہمیں اندھیرے میں رہنے کی ہدایت کی۔ کیونکہ اس رات چاند نکلا ہوا تھا اور اس کی روشنی اس قدر صاف تھی کہ دیواروں پر پتھروں کی ریخوں میں جو سبزی اُگ آئی تھی صاف نظر آ رہی تھی۔ میں حیران تھا کہ دیکھیں دروازے سے کس طرح گزرتے ہیں۔ کیونکہ یہاں پہرہ قائم تھا۔ جسے خانم نے ہمارے آنے پر دوگنا کر دیا تھا۔ مگر خان اس دروازے کو چھوڑ کر باغ کی بیرونی فصیل کے قریب آیا۔ اور وہاں درختوں کے پیچھے ایک دروازے کا قفل کھولا۔ اس دروازے سے نکل کر ہم باہر آئے اور کتوں کے اصطبل کے قریب سے گزرے۔ کتے بھوکے شیروں کی طرح اپنی اپنی کوٹھری میں گشت کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر سب کے سب خوفناک آواز سے بھونکنے لگے۔ میں اس آواز سے کانپ اُٹھا نہ صرف اس لئے کہ یہ آواز خوفناک

تھی بلکہ اس لئے بھی کہ کہیں محافظ ان کی آواز سے بیدار نہ ہو جائیں۔ مگر خان نے قریب جا کر پکارا جس پر سب کُتے خاموش ہو گئے۔ خان نے واپس آ کر کہا:۔

"خوف نہ کرو۔ ان کے محافظوں کو علم ہے کہ آج انہیں بھوکا رکھا گیا ہے اس لئے چلا رہے ہیں۔ کیونکہ کل کو چند مجرم ان کے سامنے ڈالے جائیں گے۔"
اس سے گزر کر ہم محل کے پھاٹکوں کے پاس پہنچے وہاں خان نے ہمیں ایک دروازے میں چھپ جانے کو کہا۔ اور خود چلا گیا۔ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک ہی خیال ہمارے دلوں میں وارد ہوا۔ وہ یہ کہ خان جلادوں کو لینے گیا ہے اور ہمارا وقت آ پہنچا۔ مگر ہم غلطی پر تھے کیونکہ تھوڑی دیر بعد ہی خان دو سفید گھوڑے لئے ہوئے آیا۔ یہ گھوڑے وہی تھے جو شمسہ نے ہمیں دئیے تھے۔ خان نے کہا:۔

"میں نے گھوڑوں پر خود زین ڈالا ہے۔ رخصت ہوتے ہوئے مہمانوں کے لئے کوئی اس سے زیادہ کیا مدارات کر سکتا ہے۔ اب ان پر سوار ہو جاؤ اور میری طرح منہ چھپا لو اور میرے پیچھے پیچھے آؤ۔"

چنانچہ ہم سوار ہو گئے اور خان آگے آگے روانہ ہوا۔ صدر راستے کو چھوڑ کر ہم شہر کے ایک حصے میں سے گزرے۔ جس کے متعلق بہت بدخیالات مشہور تھے۔ راستہ میں کہیں کہیں کوئی تماشائی مل جاتا تھا اور کسی کسی گھر سے کوئی بدمعاش عورت گھوڑوں کے قدم کی آواز سن کر نکلتی تھی مگر پھر مایوس ہو کر اندر چلی جاتی تھی۔ آخر ہم شہر کے باہر دریا کے کنارے پہنچے۔ وہاں ایک جگہ ایک کشتی بندھی ہوئی تھی۔ خان نے کہا "گھوڑوں کو کشتی پر سوار کر لو اور کشتی لے کر دوسرے کنارے پر جا اترو۔ پلوں پر پہرے قائم ہیں۔ اور بغیر ظاہر ہوئے وہاں سے گزرنا ناممکن ہے۔"

کچھ وقت سے ہم نے گھوڑوں کو کشتی پر چڑھا لیا۔ میں نے ان کی لگامیں تھامیں اور ایبن نے چپو سنبھال لئے۔ خان نے کشتی کو پانی میں دھکیل

کر کہا "مردود مسافرو! دفع ہو جاؤ۔ اور جا کر روح الجبال سے دعا مانگو کہ خاتم اور اس کا استاد بوڑھا پیر موش تمہیں آئینۂ سحر میں نہ دیکھ رہے ہوں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوا تو ہماری ملاقات پھر ہو گی" پھر جب ہماری کشتی بہاؤ پر چڑھ گئی تو اس نے پھر وہی خوفناک قہقہہ لگایا اور چلا کر کہا "اجنبیو دوڑو۔ تیزی سے جان بچانے کو دوڑو۔ موت تمہارے تعاقب میں ہے"

امین نے چپو روک لئے اور کشتی ٹھہر گئی۔ اس نے پھر کر دیکھا اور کہا۔ "حنیف بہتر ہو کہ ہم پھر خشکی پر جا کر اسے مار ڈالیں۔ اس کی نیت فاسد ہے" یہ امین نے عربی میں کہا تھا۔ مگر شاید خاں نے لہجہ پہچان لیا۔ اور یہ کہہ کر کہ "بیوقوفو! اب کیا سوچتے ہو" آخری قہقہہ لگایا اور کنارے کی چڑھائی پر اس تیزی سے دوڑ کر چڑھا کہ اس کا جبہ پیچھے ہوا میں لہراتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اُس اندھیرے میں غائب ہو گیا + میں نے کہا "امین کشتی چلاؤ" اور امین نے پوری طاقت سے چپو مارنے شروع کئے۔ بہاؤ تیز تھا اور کشتی بھاری تھی اس لئے دوسرے کنارے تک پہنچنے سے پہلے دور تک بہاؤ کی رو میں بہتی چلی گئی۔ آخرکار مقابل کے ساحل پر جا لگی اور ہم نے اُتر کر گھوڑوں کو باہر کھینچا + کشتی کو کنارے پر باندھنے کا وقت نہیں تھا اس لئے ہم نے اُسے بہاؤ پر چھوڑ دیا اور گھوڑوں کے سینہ بند اور لگاموں کا معائنہ کر کے سوار ہو گئے۔ اور روشن دھوئیں کا رخ کیا جو دارالنار کی چوٹی پر سے نکل رہا تھا +

ابتدا میں ہماری رفتار بہت سست رہی کیونکہ راستہ تو کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ کھیتوں میں سے گزرنے اور ایسی نہروں کے پُل تلاش کرنے میں جنہیں گھوڑے پھلانگ نہیں سکتے تھے۔ بہت وقت صرف ہو جاتا تھا۔ ایک گھنٹہ تک اسی مصیبت سے راستہ طے ہوا + پھر ہمیں ایک گاؤں میں جہاں سب سو رہے تھے۔ یہاں سے ہم ایک سڑک پر ہو لئے۔ جو سیدھی پہاڑ کی طرف جاتی نظر آتی تھی۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ اصل راستے سے ہم میلوں

بھٹک گئے۔ اس سڑک پر ہم نسبتاً تیز روی سے بڑھے۔ مگر زیادہ نہیں اس خوف سے کہ کہیں گھوڑے تھک نہ جائیں اور اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر نہ گر جائیں۔

صبح صادق سے کچھ پہلے چاند پہاڑ کے پیچھے غروب ہو گیا۔ اور اس قدر تاریکی چھا گئی کہ راستہ دکھائی دینے سے رہ گیا۔ مجبوراً ہم اُتر کھڑے ہوئے اور گھوڑوں کی باگیں تھام کر انہیں فصل میں چرانے کو لے گئے۔ آخر صبح ہو گئی۔ دھوئیں میں سے روشنی غائب ہو گئی۔ اور صبح کی سرخی نے پہاڑ کی برفانی چوٹی کو رنگ دیا۔ ہم نے گھوڑوں کو نہر میں سے پانی پلایا اور سوار ہو کر پھر آہستہ آہستہ آگے چلے۔

رات کی تاریکی کے ساتھ ہمارے دلوں پر سے اندیشہ کی سل بھی اُٹھتی معلوم ہوئی۔ امید پیدا ہوئی اور مسرت کی لہر دل میں اُٹھی۔ وہ منحوس شہر پیچھے رہ گیا تھا۔ خانم اس کے پرجوش مہلک جذبات اور اس کا طوفانی حسن۔ سمبری جس کی عمر خفیہ گناہوں میں بسر ہوئی تھی اور اس کی سحر و ساحری۔ خاں جو نصف شیطان اور نصف شہید اور ایک ہی وقت میں ظالم اور بزدل تھا۔ اور اس کی دیوانگی اور قالون کا دربار سب پیچھے رہ گئے تھے۔ سامنے آتش اور برف اُن اسرار کو پوشیدہ کئے دکھائی دے رہے تھے جن کی جستجو میں ہم نے اتنے سال گزارے تھے۔ ہمارا عزم تھا کہ یا ان اسرار کو دریافت کر لیں گے یا جان دے دیں گے۔ انہیں خیالات میں خوشی سے راضی برضائے الٰہی ہم آگے بڑھے۔

کچھ گھنٹوں تک ہمارا راستہ مزروعہ زمینوں اور چھوٹے چھوٹے گاؤں میں سے گزرتا رہا۔ کھیتوں میں کسان اپنا کام چھوڑ کر اکٹھے ہو ہو کر ہمیں دیکھنے کو کھڑے ہو جاتے تھے اور گاؤں میں ہماری صورت دیکھ کر عورتیں بچوں کو اُٹھا اُٹھا کر بھاگ جاتی تھیں۔ یہ لوگ بیچارے سمجھتے کہ ہم دربار کے اہلکار ہیں جو ان کی جان و مال کو کوئی نقصان پہنچانے کے لئے آئے ہیں۔

ان کی دہشت سے ظاہر ہوتا تھا کہ ظالم حکومت کی وجہ سے ان پر کس قدر سختیاں ہوتی ہیں + دوپہر کے قریب اگرچہ چوٹی اتنی ہی دور نظر آ رہی تھی مگر زمین کی صورت میں تبدیلی واقع ہو گئی تھی۔ یہاں سے ہلکی سی چڑھائی شروع ہوتی تھی اور اس وجہ سے آبپاشی ناممکن تھی + یقیناً یہ علاقہ بارانی تھا اور اس سال بارش نہیں ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے اگرچہ آبادی اسی طرح گنجان تھی۔ اور تمام زمین میں ہل چلے ہوئے تھے۔ مگر فصلیں ناقص تھیں۔ پانی کی کمی کی وجہ سے بغیر دانہ پڑے فصل زرد ہو رہی تھی۔ مویشی گھاس کی تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے اور غریب کسان سنگلاخ پر بارش کی امید میں محنت کر رہے تھے +

معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کے لوگ ہمیں پہچانتے تھے کہ ہم وہی اجنبی ہیں جن کے آنے کا ہر طرف شہرہ تھا قحط کے خوف نے انہیں دلیر بنا دیا اور انہوں نے ہم پر آوازے کسنا شروع کئے کہ یہ وہی سبز قدم ہیں۔ جنہوں نے ہماری بارش روک لی تھی۔ کم از کم ہماری سمجھ میں یہی آیا۔ عورتیں اور بچے ہمیں دیکھ کر زمین پر ناک رگڑنے اور آسمان اور کھیتوں کی طرف اشارے کر کر کے کہنے لگے کہ ہماری بارش واپس دے دو + ایک جگہ کدالوں اور درانتیوں سے مسلح کسانوں نے ہم پر حملہ بھی کیا۔ مگر ہم گھوڑے سرپٹ اڑا کر بھاگ نکلے + ان سے آگے جس قدر ہم بڑھتے گئے زمین زیادہ بنجر اور سنگلاخ آتی گئی۔ اور آبادی میں کمی ہوتی گئی کچھ دور اور جا کر آبادی مفقود ہو گئی۔ کہیں کہیں کوئی بھولا بھٹکا مسافر یا اکا دکا مویشیوں کے گلے نظر آ جاتے تھے جو چارے کی تلاش میں ادھر ادھر پھر رہے تھے +

شام کے قریب ہم نے اندازہ کیا کہ ہم اس علاقہ میں پہنچ گئے ہیں جس پر وحشی پہاڑی اقوام حملہ آور رہتی ہیں۔ کیونکہ یہاں جا بجا بلند مضبوط سنگین مینارے بنے ہوئے تھے جو پہرہ داری کے علاوہ ضرورت کے وقت پناہ کا کام دیتے تھے میں نہیں کہہ سکتا کہ ان میں چوکیاں بھی مقرر تھیں یا نہیں۔ کم از کم ہمیں کوئی متنفس

نظر نہیں آیا۔ یہاں ہم نے گھوڑوں کو دم دلانے کا ارادہ کیا اور سوچا کہ چاند کی روشنی میں پھر روانہ ہو جائیں گے۔ مغلوب الغضب خانم کے خوف کے مارے وہاں زیادہ قیام کرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ اس وقت اُسے ہمارے فرار ہونے کا علم ہو چکا ہوگا کیونکہ آج شام کے وقت ایمن کو خانم کے سوال کا جواب دینا تھا۔ شاید اس کے ایلچی علاقہ میں ہمارے متعلق شور مچا بھی رہے ہوں گے اور سپاہی ہماری تلاش میں نکل چکے ہوں گے۔

ہم نے گھوڑوں کی زینیں اُتار لیں اور انہیں ریتیلی زمین پر لوٹ لگانے کے لئے چھوڑ دیا۔ تاکہ ان کی تکان دور ہو جائے۔ اور وہ لوٹ لگا کر تھوڑی بہت سبزی جو وہاں اُگی ہوئی تھی چرنے لگے۔ یہاں پانی نہیں تھا۔ مگر فی الحال اس کا کچھ فکر بھی نہیں تھا کیونکہ گھنٹہ بھر پہلے ہم نے ایک تال میں سے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا تھا۔ جو کھانا ہم ساتھ لائے تھے ہم اُسے کھا کر ہی بیٹھے تھے کہ کہ میرے گھوڑے نے دوبارہ لوٹ لگانے کی کوشش کی۔ میں نے اس کی باگ ڈور گھٹنے سے باندھ دی تھی تاکہ بھاگ نہ جائے۔ اس لئے اُسے زمین پر لیٹنے میں وقت کا سامنا ہو رہا تھا۔ میں بے توجہی سے اس کی کوششوں کو دیکھ رہا تھا کہ آخر کار چوتھی کوشش میں چاروں پاؤں اوپر کو کرکے کمر کے بل آ ہی رہا۔ ایمن نے سرسری طور پر پوچھا:۔

"اس کے سُم اس قدر سرخ کیوں ہیں؟ کہیں زخم تو نہیں کھا بیٹھا"۔

اتفاق سے اُس وقت میں نے بھی اس سرخی کو دیکھا۔ بالخصوص سم کے اندر کی طرف یہ زیادہ تیز تھی اور جب تک وہ اس طرح نہ لوٹتا نظر نہیں آسکتی تھی۔ میں اُسے دیکھنے کو اُٹھا۔ یہ سوچ کر کہ شاید شام کے جھٹپٹے میں ہمیں نظری دھوکا ہُوا ہو یا کسی سرخ رنگ کی مٹی میں سے گزرنے کا اتفاق ہُوا ہو۔ واقعی وہ بہت ہی تیز سرخ تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کوئی تیز سرخ رنگ سُم میں جذب ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات معلوم ہوئی کہ اس میں سے تیز دماغ سوز بُو نکل رہی تھی۔ جو بہت ہی ناگوار تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا خون میں

مشک اور مرچیں ملائی گئی ہیں + میں نے کہا:-
"یہ عجیب چیز ہے۔ دیکھیں تمہارے گھوڑے کو دیکھیں"
اُسے جو دیکھا تو اس کے پاؤں بھی اسی حالت میں تھے + امین نے کہا:-
"شاید یہ کوئی دوا ہے جو سُموں کی حفاظت کے لئے استعمال کی جاتی ہو گی"
میں تھوڑی دیر تک غرق تفکر رہا۔ یکایک ایک خوفناک خیال میرے دل میں آیا اور میں نے کہا۔
"میں تمہیں خوفزدہ کرنا نہیں چاہتا۔ مگر میرا خیال ہے کہ زین ڈال کر روانہ ہو جانا ہی ہمارے لئے مناسب ہے۔ جلدی کرنا چاہئے"
امین "کیوں؟"
میں "کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس بدمعاش خان کی شرارت ہے"
امین "کس لئے؟ تاکہ گھوڑے لنگڑا جائیں"
میں "نہیں اسلئے نہیں بلکہ اس لئے کہ خشک زمین پر گھوڑے تیز بو چھوڑتے جائیں"
امین کا چہرہ زرد ہو گیا۔ اور اس نے کہا "تو کیا آپ کی مراد یہ ہے کہ اُن کُتوں کے لئے؟" میں نے سر ہلا دیا اور بغیر مزید وقت گفتگو میں ضائع کئے ہم نے بہ عجلت تمام زین ڈالنا شروع کئے۔ جب میں زین کا آخری بند باندھ رہا تھا تو مجھے خیال ہوا کہ میرے کانوں میں کچھ آواز سی آئی۔ میں نے کہا "سنو!" آواز پھر آئی اور اس نے تمام شکوک رفع کر دئے۔ یہ آواز کُتوں کی تھی۔ امین نے کہا "خدایا! یہ کلاب القضا کی آواز ہے"
اس خطرے کی حالت میں میرے اعصاب میں فولادی قوت پیدا ہو گئی اور میں نے استقلال سے جواب دیا "ہاں۔ ہمارا دوست خان شکار کو نکل کھڑا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس نے آخری قہقہہ لگایا تھا"
امین "تو اب کیا کریں۔ گھوڑوں کو یہیں چھوڑ دیں"
میں نے پہاڑ کی طرف دیکھا اس کے نزدیک ترین دامن کو سوں "دور

تھے۔ میں نے کہا:۔

"اگر گھوڑوں کو چھوڑنا ہی پڑا تو کافی وقت ہے۔ پیدل اس پہاڑ تک پہنچنا ناممکن ہے۔ اور جب وہ گھوڑوں کو مار لیں گے تو ہمارا تعاقب قدموں کے نشانات پر یا کھلے میدان میں نگاہ کی مدد سے کر سکیں گے۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے گھوڑوں کو بگ ٹٹ اڑائے چلو۔"

یہ کہتے ہی ہم گھوڑوں پر سوار ہوئے اور روانگی سے پہلے میں نے پھر کر دیکھا۔ یہ یاد رہنا چاہئے کہ ہم ایک اُبھرے ہوئے میدان کو عبور کر کے آئے تھے۔ جس کا خاتمہ چٹانوں کی ایک قطار پر ہوتا تھا جو اُس جگہ سے تین میل پیچھے کو تھی جہاں ہم کھڑے تھے۔ آفتاب ان چٹانوں کے پیچھے غروب ہو چکا تھا۔ اس لئے اگرچہ روشنی باقی تھی۔ تاہم میدان میں اندھیرا چھا گیا تھا۔ میدان میں کوئی شے نظر نہ آتی تھی۔ مگر چٹانوں والے کنارے پر سے اگر کوئی شے گزرتی تو صاف دکھائی دے سکتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اس کنارے پر سے بیسیوں چھوٹے چھوٹے جاندار میدان میں کودے۔ ان کے پیچھے ایک آدمی تھا۔ جو اعلیٰ قسم کے گھوڑے پر سوار تھا اور ساتھ ہی ساتھ دوسرے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھا۔ ایمن نے مایوسی سے کہا:

"کتوں کا پورا لشکر ہے اور رثان اپنے ساتھ دوسرا گھوڑا بھی لایا ہے" اب میں سمجھا کہ وہ ہمیں بھاگے چھوڑنے کو کیوں کہہ رہا تھا۔ اور میرا خیال ہے کہ خاتمے سے پہلے ثابت ہو جائے گا کہ سمبری کی پیشین گوئی صحیح تھی۔"

ہم جھپٹ کر آگے بڑھے۔ اور اندھیرے میں سیدھے پہاڑ کی طرف ہو لئے۔ اس تیز رفتاری میں میں نے بچاؤ کے مواقع پر غور کرنا شروع کیا۔ ہمارے اعلیٰ نسل کے گھوڑے ابھی تک تازہ دم اور مضبوط تھے اگرچہ ہم کافی سفر طے کر چکے تھے مگر اُن سے بہت زیادہ محنت شاقہ نہیں لی تھی۔ بہر نوع ان کی حالت قابل اطمینان تھی۔ مگر یقیناً کتے بھی ضرور تازہ دم ہوں گے کیونکہ خاں یہ سمجھ کر کہ شاید رات کو ہم سوتے ہوئے مل جائیں۔ انہیں آہستہ آہستہ

لایا ہوگا۔ اور راستے میں گاؤں والوں سے ہمارا پتہ لے کر بڑھا ہوگا اور آخری گاؤں سے کتوں کو بُو پر لگایا ہوگا۔

اس کے علاوہ اس کے پاس دو گھوڑے تھے۔ اور ممکن ہے کہ اس کے پیچھے اس کے معاون بھی آرہے ہوں ــــ بعد میں یہ خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ وہ اس شرارت کو اکیلا ہی پورا کرنا چاہتا تھا ــــ اس لئے صاف ظاہر تھا کہ جب تک ہم ایسی جگہ جہاں اُسے قدم رکھنے کی جرأت نہ ہو یعنی پہاڑ کی چڑھائیوں پر نہ پہنچ جائیں۔ وہ ہمیں ضرور آلے گا۔ پہاڑ بہت ہی فاصلے پر تھا۔ ایک اور خیال تھا کہ شاید کتے تھک کر تعاقب چھوڑ جائیں مگر یہ بالکل ناممکن نظر آتا تھا۔ کیونکہ یہ کتے غیر معمولی تیزی اور قوت رکھتے تھے اور اس قدر وحشی تھے کہ ایک دفعہ خون کی بو پا کر جس میں یقیناً ہمارے گھوڑوں کے سُم رنگے ہوئے تھے۔ پھر تعاقب چھوڑنے کی جگہ جان دینے پہ آمادہ ہو جاتے تھے۔ خانم اور سمبری نے کئی دفعہ یہ بات ہمیں بتائی تھی۔ ایک اور موقع تھا وہ یہ کہ شاید وہ سراغ بھول جائیں مگر تو بہ تو بہ ان کی خاصیت کو جانتے ہوئے یہ خیال کرنا ہی فضول تھا۔ معمولی کتے سُرخ مچھلی کی بو کا جو زمین سے گز بھر اونچی لے جائی گئی ہو گھنٹوں سراغ نہیں بھولتے۔ یہاں تو ایسے کتے اور ایسی تیز بو تھی۔ جو یونہی ضائع ہونے والی نہ تھی۔ صرف ایک اور راستہ نظر آتا تھا وہ یہ کہ اگر مجبوراً ہمیں گھوڑے چھوڑنے پڑے تو ممکن ہے کہ ہم بچ رہیں اور کتے ان کے پیچھے ہولیں۔ بشرطیکہ ہمیں کہیں چھپنے کی جگہ اس وسیع میدان میں دستیاب ہو سکے۔ . . . . . . اگر نہ ہوتی تو ہم نظر بھی آتے رہیں گے اور کتے ہماری بو بھی ڈھونڈھ نکالیں گے۔

نہیں ہمارے بچاؤ کی کوئی سبیل نہیں تھی۔ مگر پہلے بھی کئی دفعہ ایسے مواقع پیش آچکے تھے۔ ہمارے سامنے تین میل کا فاصلہ کھلا ہوا تھا اور ممکن ہے کہ پہاڑ پر سے کوئی غیبی امداد ہمارے لئے آجائے۔ چنانچہ ہم پوری تیزی سے تیر کی طرح سرپٹ اڑے تاکہ روشنی میں جہاں تک پہنچ سکیں چلے

جائیں ؎

روشنی جلدی ہی ختم ہو گئی اور جب تک چاند پہاڑ کے پیچھے رہا چاروں طرف اندھیرا چھایا رہا۔ اندھیرے میں کتے کچھ قریب آگئے کیونکہ انہیں اس کی پروا نہیں تھی مگر ہم ٹھوکر کھا کر گرنے کے خوف سے اندھیرے میں گھوڑوں کو تیز نہیں چلا سکتے تھے۔ عین اس وقت قالون میں ہمارے داخلے کے بعد دوسری دفعہ کوہ آتشین کی چوٹی پر پھر شعلۂ روشن نظر آیا۔ جب ہم نے پہلی دفعہ اسے دیکھا تھا تو اس کی ایک تیز شعاع حلقۂ مینار میں سے مجتمع ہو کر اوپر بہت بلندی پر سے گزر رہی تھی۔ اسی طرح اب بھی یہ شعاع سیدھے خط میں بلندی پر سے گزر رہی تھی۔ مگر اب چونکہ ہم اس کے سامنے بہت قریب پہنچ چکے تھے۔ اس لئے ہم ایک ہلکی دودھیا روشنی میں نہا گئے۔ جیسے گرمی کے موسم میں چاند کی روشنی سمندر کی سطح پر دکھائی دیا کرتی ہے۔ یہ شاید بادلوں سے اور حلقۂ مینار کی چھت سے منعکس ہو کر میدان میں پڑ رہی تھی اور نیچے کی برف نے اسکو پھیلا دیا تھا ؎

اس آسمانی ہلکی ہلکی روشنی نے جو ہم پر پڑ رہی تھی۔ ہماری بہت امداد کی۔ واقعی اگر یہ نہ ہوتی تو ہم پکڑ لئے جاتے۔ یہاں کی زمین بہت ناہموار تھی۔ اور صحرائی جانوروں نے اسے کھود کھلا کر ڈالا تھا۔ اس طرح پہاڑ کی طرف سے ہمارے لئے دست تعاون بڑھا یہاں تک کہ چاند نکل آیا اور جس طرح یکایک یہ روشنی ظاہر ہوئی تھی اسی طرح یکایک غائب ہو گئی اور پہاڑ کی چوٹی پر دھندلی سی سرخ روشنی والا دھواں باقی رہ گیا ؎

شکار کے تعاقب میں لگے ہوئے کتوں کی آواز کو عموماً لوگ لاگ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں۔ میں سوچا کرتا تھا کہ جس ہرن یا لومڑی کا شکار ہو رہا ہے اور جان بچانے کے لئے بھاگ رہی ہے۔ اس کی سماعت میں یہ راگ کیا اثر پیدا کرتا ہو گا۔ اب جب ہم خود صید بنے ہوئے تھے تو تقدیر نے یہ سوال بھی حل کرا دیا۔ اور میں کامل وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ روئے زمین کے

کسی مہلک سے مہلک طوفان میں ایسا مہیب شور پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب یہ شور ہم سے کچھ اور قریب آ گیا تھا۔ اور رات کی خاموشی میں اس کی ہنہنی یکسانیت بہت ہی خوفناک معلوم ہوتی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی جدا جدا ہر کتے کی آواز پہچانی جاتی تھی۔ کم از کم ایک گہری گھنٹی کی طرح آواز جدا سنائی دیتی تھی۔ یہ آواز سنتے ہی مجھے یاد آ گیا کہ جب ہم کشتی میں آ رہے تھے اور اس بچارے رئیس کو خانم سے عشق کی سزا میں شکار کر کے فنا کیا گیا تھا تو میں نے یہی آواز سنی تھی۔ جس وقت کتے ہمارے پاس سے گزر رہے تھے۔ تو یہ آواز سب سے اگلے کتے کے حلقوم سے برآمد ہوئی تھی۔ جو سب سے قدآور سرخ رنگ کا تھا اور ایک کان تیز سیاہ رنگ کا تھا۔ دانت تیز سفید تھے اور منہ دہکتی ہوئی بھٹی کی مانند تھا۔ مجھے اس کا نام بھی یاد تھا۔ جو خان نے بتایا تھا۔ وہ اسے "استاد" کہا کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ تمام گلے میں کسی کتے کو اس سے دو چار ہونے کی جرأت نہیں اور اکیلا ایک مسلح آدمی کو مار سکتا ہے۔

اب جب اس کی آواز ہمارے کان میں پہنچی ہے تو "استاد" نصف میل سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔

چاند کی روشنی سے راستہ دکھائی دینے لگا۔ یہاں زمین زیادہ ہموار اور سخت تھی۔ اس لئے ہماری رفتار بڑھ گئی اور دو گھنٹے تک ہم کتوں سے زیادہ دور ہوتے گئے۔ اس حالت میں دو گھنٹے گزرے ہوں گے یا شاید کم۔ مگر ہمیں یہ دو صدیاں معلوم ہوتی تھیں۔ پہاڑ کے دامن اب دس میل سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھے مگر آخر کار ہمارے گھوڑوں کا دم رکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ اب تک غریب جانوروں نے ہمیں خوب گھسیٹا۔ اگرچہ ہم بھاری وزن کے انسان تھے۔ مگر تاہم ان کی قوت کی بھی حد تھی۔ بیچارے پسینے میں شرابور دھونکنی کی طرح ہانپ رہے تھے۔ سانس اکھڑ چکا تھا۔ ایک دو جگہ لڑکھڑائے اور بھالوں کے دستوں کی ضرب کا احساس بھی جاتا رہا۔ یا تو سرپٹ آ رہے تھے یا قدم قدم چلنے لگے۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ چند لمحے میں

وہ بالکل ٹھہر جائیں گے ◆

ہم نے ایک ہلکی سی چڑھائی کا کنارا عبور کیا۔جہاں سے زمین پھر آگے کو پستی کی طرف جاتی تھی۔اس پر چٹانوں اور جھاڑیوں کی کثرت تھی۔اور ہم سے چند کوس کے فاصلے پر وہ دریا بہہ رہا تھا جو دامن کوہ کو گھیرے ہوئے تھا+اس ڈھلوان کا تھوڑا سا حصہ طے کیا تھا۔کہ ہمیں دو ٹیلوں کے بیچ میں سے گزرنے کے لئے مُڑنا پڑا۔اور ہماری نظر اس بلند کنارے پر پڑی۔جو ہم سے تین سو گز کے فاصلے پر ہوگا +کتے وہاں پہنچ چکے تھے اور کود کود کر اُس پر سے گزر رہے تھے۔ان کی تعداد کم تھی۔بہت سے یقیناً تھک کر راستے میں رہ گئے تھے۔مگر پھر بھی بہت باقی تھے۔اس کے علاوہ ان کے ساتھ ساتھ خان بھی تھا۔مگر اب اس کے پاس دوسرا گھوڑا نہیں تھا۔شاید پہلا گھوڑا راستے میں تکان سے چور ہو کر گر گیا ہوگا۔ہمارے گھوڑوں نے بھی انہیں دیکھا اور ہوا ہو گئے۔پہلے سے بھی وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ جان بچانے کے لئے دوڑ رہے ہیں۔یہ میں نے اس بات سے اندازہ کیا تھا کہ جب کبھی کتوں کی آواز قریب آتی تھی۔توان کا سارا جسم اس طرح کانپ جاتا تھا۔جیسے میں نے بارہا دیکھا ہے کہ جنگل میں قریب شیر کی دہاڑ سن کر گھوڑے لرز اُٹھا کرتے ہیں + کتوں کو دیکھنے کے بعد نئی طاقت سے گھوڑوں نے دوڑنا شروع کیا۔اور چار میل تک ہمت نہ ہاری اب دریا نزدیک آگیا تھا کیونکہ اس کے پانی کی آواز کانوں میں آرہی تھی ◆

پھر رفتہ رفتہ گھوڑے رہ گئے اور کتوں نے ہمیں آلیا۔ہم نے پھر گھوڑوں کو تیز کیا۔اور ایک بلند جھاڑیوں کے جھنڈ کے پاس سے گزرے مگر دو سو گز کے قریب جا کر میں نے دیکھا کہ گھوڑے رہ گئے اور میں نے چلا کر امین سے کہا:۔

"امین لوٹو اور جھاڑیوں میں چل کر چھپ جاؤ" ہم نے ایسا ہی کیا اور جھاڑیوں میں پہنچ کر اُتر رہے تھے کہ کتے ہمارے نقش قدم پر ہوتے ہوئے

گزرے۔ ہم سے پچاس قدم کے فاصلے پر سے وہ زبانیں نکالے ہانپتے ہوئے گزرے۔ اب ان میں بولنے کی قوت باقی نہیں تھی ۔ ان کے گزرتے ہی میں نے امین سے کہا:۔

"یہاں سے بھاگو۔ کیونکہ ابھی ابھی وہ پھر بو پر واپس آئیں گے۔" یہ کہہ کر ہم دائیں طرف کو سیدھے ہو لئے تاکہ پھر اسی راستے سے نہ گزریں جس سے ہم آئے تھے ۔ کوئی سو گز کے فاصلے پر ایک چٹان تھی اور اس سے پیشتر کہ کتے ہمارے نقش قدم پر لوٹیں ہم وہاں جا پہنچے ۔ اسی وجہ سے ہم انہیں نظر نہیں آئے۔ ہم وہاں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ کتے واپس لوٹ کر جھاڑیوں کے پاس آئے اور ان کے پیچھے چلے گئے ۔ اس وقت ہم پھر آگے کو بھاگے جہاں تک ہم جا سکے۔ لوٹ کے دیکھنے پر میں نے دیکھا کہ ہمارے دونوں تھکے ہوئے گھوڑے میدان میں تیزی سے تقریباً اُسی راستے پر واپس جا رہے تھے۔ جدھر سے ہم آئے تھے۔ اگرچہ یہ بہت ہی تھکے ہوئے تھے مگر ہمارا بوجھ کم ہونے سے ان میں بھاگنے کی قوت آگئی تھی اور وہ کتوں سے آگے آگے پھٹ کر جا رہے تھے ۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ خان نے خالی گھوڑے دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ مایوس ہو کر ہم نے کیا تدبیر اختیار کی ہو گی۔ اور کتوں کو واپس بلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر فی الحال بالکل بے سود۔ کیونکہ کتوں کی نظر شکار پر پڑ چکی تھی اور وہ اُسے چھوڑنا نہیں چاہتے تھے ۔ یہ سب کچھ جھپاکے کیساتھ میری نظر میں آگیا اور مجھے تمام نظارہ پوری طرح یاد ہے۔ وہ عظیم الشان برفانی چوٹی جس پر ہر وقت درخشاں سلسلۂ وخان جاری رہتا تھا۔ میدان میں کوسوں تک اپنا سایہ ڈال رہی تھی ۔ وہ چٹیل میدان جس میں چاروں طرف جھاڑیوں اور چٹانوں کے جمگھٹے تھے۔ وہ اجل رسیدہ گھوڑے جو جان بچانے کے لئے آخری جہد میں بھاگے جا رہے تھے۔ ان کے پیچھے وہ گرگ نما کتوں کی قطار جو سرگرمی سے ان کا تعاقب کر رہی تھی ۔ اور ان سب میں خان جو اس وسیع منظر میں تن تنہا گھوڑے پر سوار تھا جس کی سیاہ جلد پر

جھاگ چمک رہا تھا یہ سب کچھ تصویر کی طرح میرے ذہن پر منقوش ہو گیا+ اس تمام نظارے پر نیلے آسمان میں گول چاند ایسی تیزی سے چمک رہا تھا کہ اس کی شفاف روشنی میں ہر شے یہاں تک کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھی صاف نظر آ رہی تھیں ÷

میری جوانی بلکہ درمیانی عمر بھی ختم ہو چکی تھی۔ اور اگرچہ اس بڑھاپے کے باوجود میرا جسم بہت مضبوط تھا۔ مگر میں اتنا دوڑ نہیں سکتا تھا جتنا پہلے دوڑ لیتا تھا+ علاوہ بریں تکان اور اتنے طویل سفر کی وجہ سے اعضا سخت ہو رہے تھے۔ اس لئے ہم کافی تیزی سے نہیں بڑھ سکتے تھے+ اس پر یہ طرہ ہوا کہ ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر میرا پاؤں بری طرح زخمی ہو گیا+ میں نے آیین سے منت کہا کہ تم چلے جاؤ اور مجھے چھوڑ جاؤ۔ کیونکہ ہم سمجھتے تھے کہ ایک دفعہ دریا میں پہنچ کر ہمیں بچاؤ کا راستہ ملنے کی امید تھی کیونکہ پانی میں سراغ گم ہو جاتا ہے+ عین اسی وقت میں نے "استاد" کتے کی باریک آواز سنی اور دوبارہ سننے کے انتظار میں کان لگائے+ پھر کتے ہمارے قریب پہنچ گئے تھے اور ہم سمجھ گئے کہ خان نے لوٹ کر ہمارا تعاقب شروع کر دیا ہے۔ اور ہمارا انجام آ پہنچا+ میں نے کہا "جاؤ! ایمن۔ خدا کے لئے جاؤ۔ میں چند لمحہ تک انہیں روک سکتا ہوں جس سے تمہیں نکل بھاگنے کا وقت مل جائے گا۔ یہ تلاش تمہارا ہی کام ہے میرا نہیں۔ عذرا تمہارے انتظار میں ہے میری منتظر نہیں۔ میں زندگی سے ہاتھ دھو چکا ہوں۔ میں موت کا خواستگار ہوں مجھے چھوڑ دو" یہ طویل تقریر میں نے لخت لخت کر کے کہی۔ جب کہ میں ایمن کا بازو تھامے لڑکھڑاتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ بڑھ رہا تھا۔ مگر ایمن نے مجھے کھینچتے ہوئے اور آگے بڑھتے ہوئے آہستہ آواز سے کہا:۔

"خاموش رہئے۔ ورنہ وہ آپ کی آواز سن لیں گے" ÷

اب ہم دریا کے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ پانی سامنے نظر آ رہا تھا۔ اور پیاس کی شدت سے میں چاہتا تھا کہ خوب پیٹ بھر کے پانی پیوں+ مجھے

اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت میری دل کی سب سے بڑی آرزو پانی پیناتھی۔ مگر کتے ہم سے اور بھی قریب آگئے تھے۔ اتنا قریب کہ ان کے پاؤں کی آواز اور خشک زمین پر خان کے گھوڑے کی ٹاپ صاف سنائی دینے لگی + ہم کنارے کے متصل چٹانوں کے پاس پہنچ چکے تھے۔ کہ یکایک امین نے کہا:۔

"اب کوشش بے سود ہے۔ ہم دریا کے پانی تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہیں ٹھہر جائیے۔ دیکھیں تقدیر کیا دکھاتی ہے" +

چنانچہ ہم چٹان سے کمر لگا کر اس طرف رخ کر کے کھڑے ہوگئے + کوئی سو قدم کے فاصلے پر کلاب القضا آرہے تھے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ صرف تین تھے۔ باقی گھوڑوں کے تعاقب میں چلے گئے تھے۔ اور بلا شبہ انہیں پکڑ لینے کے بعد آخر کار انہیں کھانے کے لئے ٹھہر گئے ہوں گے۔ اور یہاں سے کافی فاصلے پر انہیں یہ دعوت نصیب ہوئی ہوگی۔ اس لئے وہ تو کم از کم میدان جنگ سے خارج تھے + باقی صرف تین رہ گئے۔ وہ تینوں بھی کون سے۔ ایک تو سرخ اور سیاہ "استاد" اور دو اور اتنے ہی بڑے اور خونخوار کتے اور ان کے ساتھ خان گھوڑے پر سوار آرہا تھا اور اس کی صورت سے وحشت ٹپکتی تھی + امین نے کہا +

"آخر وقت آگیا۔ اگر آپ کتوں کو سنبھال لیں تو میں خان سے سمجھ لوں گا" یہ کہہ کر امین نے زمین میں مٹی پر ہاتھ ملے۔ کیونکہ پسینے سے ہاتھ تر تھے۔ میں نے بھی اس کی پیروی کی۔ پھر ہم نے بھالے دائیں ہاتھوں میں اور خنجر بائیں ہاتھوں میں سنبھال لئے۔ اور انتظار میں ٹھہر گئے +

کتوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور غراتے ہوئے اور بھونکتے ہوئے حملہ آور ہوئے۔ پوری قوت سے انہوں نے حملہ کیا اور مجھے یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آئی کہ میں خوف سے لرز گیا۔ کیونکہ اُن کے قد و قامت شیر کیطرح معلوم ہوتے تھے اور اُس سے زیادہ خوفناک صورت تھی۔ اِن کتوں میں سے سب سے چھوٹا باقی دو سے آگے بڑھ آیا اور سیدھا میری گردن پر حملہ آور ہُوا +

میں نہیں جانتا کہ کیوں اور کس طرح۔ لیکن عین اسی وقت میں بھی اس پر حملہ کرنے کو بڑھا۔ اور کتے کا پورا وزن میرے بھالے کی نوک پر آ رہا۔ پیچھے میری قوت کا دباؤ تھا۔ بھالا اس کی اگلی ٹانگوں کے بیچ میں گھس گیا۔ مگر کتے کے وزن کے صدمے سے میں پیچھے کو گر گیا۔ میں فوراً سنبھلا تو دیکھا کہ کتا سامنے پڑا تڑپ رہا ہے اور بھالے کے دستے کو چبا رہا ہے جو میرے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ باقی دونوں نے امین پر حملہ کیا تھا مگر وار خالی گیا۔ ایک کے منہ میں اس کے جبہ کا ٹکڑا آ گیا جو اس نے پھاڑ ڈالا۔ امین نے حماقت سے اس پر بھالا پھینک مارا۔ نشانہ خطا ہوا اور اس کے پیٹ کے نیچے سے ہوتا ہوا بھالا زمین میں گڑ گیا۔ اس جوڑی نے دوبارہ فوراً ہی حملہ نہیں کیا۔ شاید اپنے مرتے ہوئے ساتھی کو دیکھ کر وہ دونوں رُک گئے۔ کچھ ہی ہو۔ کچھ فاصلے پر کھڑے غراتے رہے۔ اور چونکہ ہمارے بھالے جا چکے تھے۔ ہم بھی بے بس تھے۔

اب خان بھی آ پہنچا۔ اور گھوڑے پر بیٹھا ہمیں گھورتا رہا۔ اس کا چہرہ بالکل شیطان کا چہرہ معلوم ہوتا تھا۔ مجھے تو امید تھی کہ وہ حملہ کرنے سے ڈرے گا۔ مگر اس کی آنکھوں کو دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا کہ ایسا نہیں ہو گا۔ غصے۔ حسد اور اتنی طویل دوڑ کے جوش نے اُسے دیوانہ کر رکھا تھا۔ اور مرنے مارنے پر آمادہ تھا۔ گھوڑے پر سے کود کر اس نے اپنی چھوٹی سی تلوار کھینچ لی اور اس سے میری طرف اشارہ کر کے کتوں کو چھچکار دیا۔ میں نے انہیں کود کر آتے اور خان کو امین پر جھپٹتے دیکھا اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ کیا ہوا۔

ایک کتے کے جسم میں میرا چاقو دستے تک اُتر گیا اور وہ زمین پر آ رہا۔ کیونکہ اس کا پیٹ پھٹ گیا تھا۔ اور زمین پر پڑا اچلاتے ہوئے میری طرف منہ پھاڑ پھاڑ کر آنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر دوسرے نے جو "استاد" کہلاتا تھا۔ کہنی کے نیچے سے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کے طاقتور جبڑے میں میری ہڈیاں چٹخ رہی ہیں۔ اس کی تکلیف اور دہشت سے میرے

ہاتھ سے چاقو چھوٹ گیا۔ اور میں نہتا رہ گیا۔ کمبخت نے مجھے چٹان کے پاس سے کھینچ لیا اور جھنجوڑنے لگا۔ اگرچہ میں پوری قوت سے اس کے پیٹ میں لاتیں مار رہا تھا۔ ایک جھٹکے سے میں گھٹنوں کے بل آرہا اور میرا بایاں ہاتھ اتفاق سے ایک نارنگی کے برابر پتھر پر پڑا۔ میں نے اُسے اُٹھالیا اور پھر کھڑا ہو کر اس کے سر کو پتھر سے کوٹنے لگا۔ پھر بھی اس نے بازو نہ چھوڑا۔ درحقیقت یہ میری خوبی قسمت تھی ورنہ اس کا دوسرا حملہ میرے حلق پر ہوتا۔

ہم دونوں یعنی وہ کتا اور میں۔ اس طرح گتھم گتھا اِدھر اُدھر لڑکھڑا رہے تھے۔ ایک چکر میں میری نظر پڑی تو دیکھا کہ خان اور ایبن گتھے ہوئے زمین پر لوٹ رہے ہیں۔ دوسرے چکر میں دیکھا کہ خان چٹان سے لگا بیٹھا ہے اور میری طرف دیکھ رہا ہے میرے دل میں آیا کہ خان نے ایبن کو مار دیا ہے اور اب کتے مجھے جھنجوڑ جھنجوڑ کر مار ڈالنے کا تماشا دیکھ رہا ہے۔

میرے حواس معطل ہونے ہی کو تھے کہ کوئی چیز جھپٹ کر ادھر کو آئی اور میں نے دیکھا کہ کتے کا جسم زمین سے بلند ہوا اس کے جبڑے کھلے اور میرا بازو آزاد ہو کر پہلو پر گر گیا۔ کتا ہوا میں چکر کھا رہا تھا۔ ایبن نے اُسے پچھلی ٹانگوں سے پکڑ رکھا تھا اور اپنی زبردست طاقت سے سر کے گرد گھما رہا تھا۔

دھڑ سے ایک آواز آئی۔ ایبن نے کتے کا سر چٹان پر دے مارا اور وہ مر کے سیاہ سرخ لوتھڑا سا زمین پر آرہا۔ خدا کی قدرت میں بیہوش نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ درد اور اعصابی صدمے نے میرے حواس کو قائم رکھا۔ میں نے ہانپتے ہوئے ایبن کو بالکل متانت سے کہتے سنا:۔

"چلو جی! یہ قصہ تو ختم ہوا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے ساحرہ سمبری کی پیشین گوئی کو پورا کر دیا ہے۔ چلو دیکھ کر اطمینان کریں۔" یہ کہہ کر ایبن مجھے تھام کر ایک چٹان کے پاس لے گیا۔ وہاں پتھر سے کمر لگائے خان بیٹھا تھا۔

ابھی تک اس میں جان باقی تھی۔ مگر ہاتھ پاؤں نہیں ہلا سکتا تھا۔ اس کے چہرے پر سے جنون کے آثار بالکل غائب تھے۔ اور اس نے غمگین نگاہوں سے ہماری طرف دیکھ کر کہا:۔

"تم بہادر لوگ ہو۔ اور طاقتور بھی ہو۔ کہ ان کتوں کو مار ڈالا اور میری کمر توڑ دی + بوڑھے چوہے نے جو پیشین گوئی کی تھی آخر کار پوری ہو گئی۔ تاہم مجھے شمسہ کو شکار کرنا چاہئے تھا نہ کہ تمہیں۔ خیر اب وہ میرا بدلہ لینے کو زندہ ہے۔ اگرچہ وہ بدلہ اس کے اپنے نفس کی خاطر ہو گا نہ کہ میری وجہ سے + زر دریش! وہ تمہارا شکار ان کتوں سے زیادہ خونخوار کتوں کے ذریعہ سے کر رہی ہے۔ وہ کتے اس کے مسترد جذبات ہیں + زردریش! میری خطا معاف کر دینا اور پہاڑ کی طرف بھاگ جانا۔ جہاں میں تم سے پہلے جا رہا ہوں۔ وہاں شمسہ سے زیادہ طاقتور ہستی موجود ہے"+

پھر اس کا منکا ڈھل گیا اور اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی +

باب دوازدہم

ایلچی

راہِ تو چہ راہ است کہ از غایت تعظیم

دریائے محیطِ فلکش ہمچو حباب است

میں نے کہا "خان ختم ہو گیا۔ اور دنیا کو کوئی نقصانِ عظیم نہیں پہنچا"

امین :- دنیا ہی اس غریب کو کیا فائدہ پہنچاتی تھی۔ اس لئے اب بیچارے کی بدگوئی کرنا فضول ہے۔ شاید جب اُسے دیوانہ بنایا گیا ہے تو یہ اچھا آدمی ہوگا۔ کم ازکم اس میں مردانگی کا جوہر تھا اور اب ایسے دوسرے انسان سے مقابلہ آرائی کرنے کی ہمت باقی نہیں "

میں :- تم نے اس کا خاتمہ کیسے کیا ؟"

امین :- میں نے اس کی تلوار کا وار خالی دیا۔ جھپٹ کر اُسے پکڑ لیا۔ اور اُٹھا کر پتھر پر دے مارا۔ صرف طاقت کے زور سے کامیاب ہوا اور کچھ نہیں اس میں شک نہیں کہ یہ فعل قاتلانہ تھا مگر کیا کرتا۔ زندگی اور موت کا سوال درپیش تھا۔ یا میں بچتا یا وہ۔ یہ خوش قسمتی ہے کہ میں جلدی فارغ ہوگیا اور تمہیں اس خونخوار درندے سے بچا سکا۔ ایسا کتا آج تک کہیں دیکھا ہے؟ اس کا قد و قامت گدھے کے برابر معلوم ہوتا ہے۔ حنیف آپ زیادہ مجروح تو نہیں ہوئے ؟"

میں :- اور کچھ نہیں۔ کہنی کے پاس سے میرا بازو چبا کر قیمہ کر دیا ہے۔ پانی کے قریب چلو اگر مجھے پانی نہ ملا تو میں بیہوش ہو جاؤں گا۔ اس کے علاوہ باقی کتے جو پچاس سے کم نہیں ہیں کہیں قریب ہی ہوں گے "

امین :- مجھے امید نہیں کہ اب وہ کتے ہمیں ستائیں گے۔ انہیں گھوڑے مل چکے ہیں۔ ایک لمحہ صبر کیجئے۔ میں ابھی آیا "

یہ کہہ کر امین گیا اور خان کی خوبصورت تلوار اُٹھا کر دوسرے کتے کو ایک ہی وار میں ختم کر دیا کیونکہ وہ ابھی تک درد سے چلا رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے دونوں بھالے اور میرا خنجر جمع کئے۔ اور کہا کہ شاید یہ کام آئیں۔ پھر خان کے گھوڑے کو آسانی سے پکڑ لیا۔ جو گردن جھکائے قریب ہی کھڑا تھا۔ اور اتنا تھکا ہوا تھا کہ اس خوفناک لڑائی سے بھی نہیں ڈرا۔ امین نے کہا :-

" آپ سوار ہو جائیں۔ آپ کی حالت پیدل چلنے کے قابل نہیں ہے۔" میں اس کی امداد سے گھوڑے پر سوار ہوگیا۔ امین نے باگ تھام لی اور ہم آگے

بڑھے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا تھا۔ دریا کوئی پاؤ میل کے فاصلے پر بہہ رہا تھا۔ درد کی شدت اور تکان کی کثرت کی وجہ سے مجھے یہ سفر بہت ہی طویل معلوم ہوا۔ آخر ہم کنارے پر پہنچ گئے۔ اور میں بغیر اندیشۂ جراحت گھوڑے پر کود کر کنارے پر اُلٹا لیٹ گیا اور خوب پیٹ بھر کے پانی پیا۔ میرا خیال ہے کہ مجھے عمر بھر میں کوئی چیز اس قدر لذیذ معلوم نہیں ہوئی تھی جیسا اس وقت وہ پانی معلوم ہوا۔ جب میری پیاس بجھ گئی تو میں نے پہلو بدل کر اپنا زخمی بازو پانی میں ڈبو دیا۔ اس کی خنکی سے درد میں قدرے تخفیف محسوس ہوئی۔ اتنے میں ایبن بھی پانی پی کر اٹھا۔ اس کی ڈاڑھی اور چہرے پر سے پانی بہہ رہا تھا۔ اس نے کہا:-

"اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ دریا سو گز سے زیادہ چوڑا ہے۔ پانی زیادہ گہرا دکھائی نہیں دیتا۔ مگر ممکن ہے کہ بیچ میں زیادہ گہرا ہو۔ اب اسے عبور کرنے کی کوشش کریں۔ جس میں غرق ہونے کا اندیشہ ہے یا صبح تک یہیں انتظار کریں اور کتوں کے مخاطرہ کو برداشت کریں؟"

میں "مجھ میں تو اب ایک قدم چلنے کی بھی ہمت نہیں چہ جائیکہ غیر معلوم دریا کو عبور کرنا"۔

دریا کے کنارے سے تیس گز کے فاصلے پر ایک جزیرہ سا تھا۔ جس پر گھاس اور نرسل اُگی ہوئی تھی۔ ایبن نے کہا:-

"شاید ہم اس جزیرہ پر آسانی سے پہنچ سکیں۔ آیئے۔ میں آپ کو کمر پر اٹھا لیتا ہوں۔ اور وہاں پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں"۔

میں نے بمشکل تمام اس تجویز پر عمل کیا۔ اور ایبن بھالے سے راستہ دیکھتا ہوا پانی میں بڑھا۔ پانی بہت کم گہرا ثابت ہوا۔ یہاں تک کہ کسی جگہ بھی اسکے گھٹنوں سے زیادہ بلند نہیں ہوا۔ اور ہم بغیر دقت جزیرے پر آ پہنچے۔ یہاں ایبن نے مجھے نرم نرم گھاس پر لٹا دیا اور پھر کنارے پر واپس جا کر باقی ماندہ ہتھیار اور سیاہ گھوڑے کو لے آیا۔ لاتے ہی گھوڑے کا زین اُتارا اور باگ دوڑ

گھٹنے سے باندھ کر چھوڑ دیا۔ غریب میں چرنے کی طاقت بھی نہیں تھی۔ فوراً زمین پر بیٹھ گیا۔

پھر امین نے میرے زخموں کو دھونا شروع کیا۔ میری خوش نصیبی تھی کہ میرا لبادہ بہت موٹا تھا۔ تاہم اس کے باوجود بازو کا گوشت پرزے پرزے ہو گیا تھا۔ اور ایک ہڈی بھی ٹوٹی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ امین نے نرم نرم گھاس جمع کی۔ پہلے زخم کو ایک رومال سے باندھا۔ اس پر گھاس رکھ کر دوسرا رومال لپیٹ دیا۔ پھر دو نرسل کی کھپچیاں لے کر سہارے کے طور پر اوپر رکھیں اور اپنے کرتے میں سے پٹیاں پھاڑ کر اسے مضبوط باندھ دیا۔ جب کہ امین اس کام میں مصروف تھا مجھے یا تو نیند آ گئی یا میں بیہوش ہو گیا۔ اتنا ضرور ہے کہ مجھے اس کے بعد یاد نہیں کہ کیا ہوا۔

x x x x

اسی رات کو امین نے ایک عجیب و غریب خواب دیکھا جو صبح اٹھ کر اس نے مجھے سنایا۔ یقیناً یہ خواب ہی ہو گا کیونکہ میں نے نہ کچھ سنا نہ دیکھا۔ خیر اس نے دیکھا — میں اسی کے الفاظ دہراتا ہوں — کہ اس نے ان کتوں کے پورے زور سے بھونکنے کی آواز پھر سنی۔ یہ آواز قریب آتی گئی۔ یہاں تک کہ کتے ہمارے نقش قدم پر جب دریا پر آ پہنچے۔ یہ سب وہ کتے تھے۔ جو گھوڑوں کے پیچھے چلے گئے تھے۔ دریا کے کنارے پر آ کر سب رک گئے اور خاموش ہو گئے۔ یہاں تک کہ ہوا کے ایک جھونکے کے ساتھ انہیں ہماری بو پہنچی اور ایک کتے نے زور سے آواز نکالی۔ باقی سب کتے اس کے گرد جمع ہوئے اور یکایک پانی میں کود پڑے۔

امین سب کچھ سن اور دیکھ رہا تھا۔ مگر خدا جانے کس وجہ سے اس کے اعضا میں ہلنے کی اور زبان میں بولنے کی طاقت نہ رہی۔ اور اس نے محسوس کیا کہ آخر کار ہمارا انجام آ ہی پہنچا۔

اس کے بعد خواب کا عجیب ترین حصہ آتا ہے۔ کتے بھونکتے ہوئے

کچھ تیر کر کچھ پانی میں غوطہ لگاتے ہوئے ہمارے جزیرے کے قریب آرہے تھے کہ یکایک ایبن نے دیکھا کہ ہم وہاں اکیلے نہیں ہیں۔ ہمارے سامنے پانی کے کنارے پر ایک عورت کا مجسمہ سیاہ لباس پہنے کھڑا تھا ایبن اس کا چہرہ یا صورت نہیں دیکھ سکا کیونکہ اس کی پشت اس طرف تھی۔ اُسے صرف یہ دکھائی دیا کہ وہ اس جگہ پہرہ دار کی طرح کوئی چیز ہاتھ میں لئے کھڑی تھی۔ جو اوپر کو اُٹھا ہُوا تھا۔ اچانک کتوں کی نظر اس مجسمے پر پڑی۔ نظر پڑتے ہی یہ معلوم ہُوا کہ کُتوں کے حواس باختہ ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ان کا جوشیلا شور خوف و دہشت کی چیخوں سے بدل گیا۔ ایک دو کے جو جزیرے کے قریب ترین تھے پاؤں اُکھڑے اور پانی میں بہہ گئے۔ باقی گھبرا کر کنارے کی طرف لوٹے اور دم دبا کر اس طرح بھاگ گئے جیسے پیچھے سے چابک پڑ رہے ہیں ⁂

پھر وہ سیاہ حاکمانہ مجسمہ جسے ایبن نے خواب میں پہاڑ کی وہ محافظہ سمجھا۔ جسے لوگ روح الجبال کہتے تھے یکایک غائب ہو گیا۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ جزیرے پر۔ اس کے قدموں کا کوئی نشان نہیں تھا۔ کیونکہ ہم نے اس کی جستجو کی تھی ⁂

x x x x x x x

جب صبح کے وقت بازو کے درد سے میری آنکھ کھلی تو صبح صادق کا وقت تھا۔ دریا اور جزیرے پر ہلکی سی دھند چھائی ہوئی تھی۔ ایبن میرے برابر لیٹا ہُوا سو رہا تھا۔ قریب ہی گھوڑا چر رہا تھا تھوڑی دیر تک گذشتہ واقعات پر تفکر کرتا ہُوا میں خاموش لیٹا رہا۔ اور یہ خیال کر رہا تھا کہ تعجب ہے کہ میں پھر جاگنے کے لئے زندہ بچ رہا۔ یہاں تک کہ پانی کے شور پر ایک اور آواز حاوی ہوئی اور مجھے سُنائی دی۔ یہ انسانوں کی باتیں کرنے کی آواز تھی۔ میں خوف سے لرز اُٹھا۔ اور بیٹھ کر نرسلوں میں سے کنارے کی طرف دیکھنے لگا۔ دھند کے اندر سے مجھے دو سوار نظر آئے جن میں سے ایک عورت تھی اور دوسرا مرد تھا ⁂

یہ دونوں زمین کی طرف اشارہ کر رہے تھے گویا ریت میں ہمارے قدم کا سراغ لگا رہے تھے۔ میں نے مرد کو کہتے سنا کہ کتوں کو کوہ آتشین کی سرحد میں داخل ہونے کی جرأت نہیں ہوئی۔ یہ فقرہ مجھے بعد میں یاد آیا۔ جب امین نے مجھے اپنا خواب سنایا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ ہم کسی جگہ ہیں۔ میں نے امین کو ہلا کر اس کے کان میں کہا:۔

"امین۔ امین۔ اُٹھو۔ لوگ ہمارے تعاقب میں آپہنچے ہیں"۔

امین اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اور آنکھیں ملتے ہوئے ایک ہاتھ سے بھالا اُٹھا لیا۔ کنارے والوں نے اسے دیکھا اور زنانی آواز نے کہا:۔

"میرے مہمان! بھالا رکھ دو۔ ہم تمہیں نقصان پہنچانے نہیں آئے"۔

یہ آواز خانم شمسہ کی تھی اور اس کا ساتھی بوڑھا جادوگر سمبری تھا۔ امین نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا کہ "اب کیا کرنا چاہئے"؟ کیونکہ وہ خانم اور سمبری کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے جواب دیا:۔

"کچھ نہیں۔ پہلے یہ دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں"۔

خانم نے کنارے پر سے کہا "ہمارے پاس آجاؤ۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ تمہیں کوئی صدمہ نہیں پہنچے گا۔ دیکھو ہم تنہا ہیں"۔

امین "مجھے کیا علم ہے۔ ہم وہاں نہیں آسکتے۔ اب تو یہیں قیام رہے گا جب تک پھر ہم عازم سفر نہ ہوں"۔

شمسہ سمبری سے باتیں کرنے لگی۔ ان کی باتیں سنائی نہیں دیتی تھیں کیونکہ وہ آہستہ آہستہ بول رہے تھے۔ مگر حرکات سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ سمبری سے کسی بات پر بحث کر رہی ہے۔ جس سے سمبری متفق نہیں۔ پھر یکایک دونوں نے دریا میں گھوڑے ڈال دئے اور پایاب پانی میں سے گزر کر ہمارے پاس آ گئے۔ دونوں یہاں آ کر گھوڑوں پر سے اُتر آئے۔ ہم ایک دوسرے کو تک رہے تھے۔ سمبری کے چہرے پر جسمانی تکان اور قلبی ہیجان کے آثار نمایاں تھے۔ مگر خانم اسی حسن و قوت کا مجسمہ تھی یہاں تک کہ اس کی ناقابل تحقیق صورت

پر جذبات اور ماندگی کا کوئی اثر نہیں آتا تھا۔ آخر شمسہ نے ہی مہر سکوت کو توڑا اور کہا۔

مہمانو! ہماری آخری ملاقات کے بعد تم نے بڑی تیزی سے طویل سفر طے کر لیا ہے اور جس راستے سے تم آئے ہو وہاں بڑی ہیبت آفرین نشانی چھوڑ آئے ہو۔ سامنے چٹانوں میں ایک مقتول کا لاشہ پڑا ہے۔ یہ بتاؤ کہ اس کے جسم پر زخم تو کوئی نہیں مگر وہ مر کیسے گیا؟"

امین نے اپنے ہاتھ پھیلا کر کہا "ان کے ذریعہ سے"۔

خانم "میں یہ جانتی تھی۔ اور تمہیں کوئی الزام نہیں دیتی کیونکہ مقدرات میں پہلے ہی یہ تحریر ہو چکا تھا۔ اور مقدرات پورے ہوئے بغیر نہیں رہتے تاہم اس کے خون کا مطالبہ کرنے والے بھی موجود ہیں۔ اور صرف میں تمہیں ان کے پنجے سے بچا سکتی ہوں"۔

امین "یا ان کے پنجے میں پھنسا سکتی ہو۔ خانم سچ کہو تم کیا چاہتی ہو"؟

خانم "میں صرف اس سوال کا جواب چاہتی ہوں۔ جو تمہیں اس وقت سے بارہ گھنٹے پیشتر دینا تھا۔ جواب دینے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ صرف میں ہی تمہاری جان بچا سکتی ہوں۔ اور تمہیں اس مردہ پاگل کے تخت و تاج کا مالک بنا سکتی ہوں"۔

امین "تمہیں اس سوال کا جواب اُس پہاڑ پر مل سکتا ہے۔ جہاں مجھے اپنے سوال کا جواب لینا ہے"۔

خانم کے چہرے پر زردی چھا گئی اور اُس نے کہا "اس طرف جانا موت کا استقبال کرنا ہے۔ کیونکہ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ اس کے محافظ ایسے وحشی لوگ ہیں جو رحم کے نام سے بھی واقف نہیں"۔

امین "یہی سہی۔ تم یوں سمجھ لو کہ میرا جواب "موت" ہے چلئے حنیف! موت کے استقبال کو چلیں"۔

خانم نے قطع کلام کر کے کہا "میں تم سے تسمیہ کہتی ہوں کہ جس عورت کی تلاش

میں تم ہو وہ وہاں نہیں رہتی۔ تمہارے رویا کی محبوبہ میں ہی ہوں جس طرح تم میرے رویا کی محبوب ہو"۔

ایلین "اگر یہ بات ہے تو پہاڑ پر چل کے ثابت کرو"۔

خانم "وہاں کوئی عورت نہیں رہتی۔ وہاں کچھ نہیں رہتا سوائے آتش کے اور ایک آواز کے وہاں کچھ نہیں"۔

ایلین "آواز کیسی؟"

خانم "آواز خطاب الٰہی کی ہے جو آگ میں سے بولتی ہے۔ یہ آواز ایک روح کی ہے جسے نہ کسی انسان نے آج تک دیکھا ہے نہ دیکھے گا"۔

ایلین نے کہا "آیئے حنیف!" اور گھوڑے کی طرف بڑھا۔

اس وقت سمبری نے کہا "تو کیا تم موت کے منہ میں جانا چاہتے ہو۔ سنو۔ میں اس خوفناک جگہ پر جا چکا ہوں کیونکہ بروئے رسم میں شمسہ کے باپ خان کا جنازہ وہاں لے کر گیا تھا۔ اور میں تمہیں تنبیہ کرتا ہوں کہ اس پہاڑ کی عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھنا"۔

میں نے کہا "جہاں تمہاری ملکہ نے ابھی کہا ہے کہ ہم پہنچ ہی نہیں سکتے"۔

ایلین نے کہا "ہم آپ کی تنبیہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں — حنیف جب تک میں گھوڑے پر زین ڈالوں۔ نگہ رکھنا کہیں یہ ہمارے ساتھ دھوکا نہ کریں"۔

میں نے اپنے غیر مجروح ہاتھ میں بھالا اٹھا لیا اور تیار ہو کر کھڑا ہو گیا مگر انہوں نے کوئی کوشش ہمیں نقصان پہنچانے کی نہ کی۔ بلکہ دو قدم ہٹ کر جلدی جلدی باتیں کرنے لگے۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ دونوں سخت پریشان ہیں۔ چند لمحے میں گھوڑا تیار ہو گیا۔ ایلین نے مجھے گھوڑے پر سوار کرا دیا اور کہا:۔

"ہم تقدیر کا لکھا پورا کرنے جاتے ہیں۔ خواہ وہ کچھ ہی ہو۔ مگر اس سے پیشتر کہ ہم جدا ہوں۔ خانم تمہاری عنایات کا جو تم نے ہم پر کی ہیں شکریہ یہ

ادا کرتا ہوں - اور استدعا کرتا ہوں کہ عقل سے کام لو اور ہمیں قطعاً دل سے بُھلا دو - تمہارے خاوند کا خون بغیر میرے کسی ارادے کے میری گردن پر ہے - اور یہی سبب ہمیشہ کے لئے ہماری جدائی کا ہونا چاہئے - ہمارے درمیان موت اور تقدیر کی دیوار حائل ہے - اپنی رعایا میں واپس جاؤ اور اگر اتفاقیہ مجھ سے کوئی خطا سرزد ہوئی ہو تو عنداللہ معاف کر دو - اچھا لو خدا حافظ "

شمسہ سر جھکائے سنتی رہی پھر غمگین آواز میں کہا:-

" میں تمہارے ملائم الفاظ کا شکریہ ادا کرتی ہوں - مگر امین ہم یوں آسانی سے جدا نہیں ہو سکتے - تم نے مجھے پہاڑ پر آنے کی دعوت دی ہے اور میں یقیناً تمہارے پیچھے پہاڑ پر آؤں گی - اور اس کی روح سے ملاقات کروں گی - جیسا کہ ازل سے مجھے علم ہے کہ مجھے جانا پڑے گا - اور سمبری کو بھی معلوم ہے - میں اپنے جادو کا اس کی جادوگری سے مقابلہ کروں گی جیسا کہ قضا و قدر کا حکم ہے - پھر جس تاج کے لئے صدیاں جنگ و پیکار میں گزری ہیں وہ تاج فاتح کا حق ہو گا "

یہ کہہ کر شمسہ یکایک گھوڑے پر سوار ہوئی اور اس کا رخ پھیر کر پایاب پانی میں سے ہوتی ہوئی کنارے کی طرف چلی - بوڑھا سمبری بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا اور جاتے جاتے خوف سے دعا مانگنے کو ہاتھ اٹھا کر بڑبڑانے لگا -

" شمسہ - تم علاقۂ ممنوعہ میں داخل ہو گئی ہو - فیصلہ کا دن ہم سب کے لئے آ گیا - ہمارے لئے بھی اور (پہاڑ کی طرف اشارہ کر کے) اس کے لئے بھی یہ تقدیر کا لکھا دن جنگ اور تباہی کا دن ہو گا "

امین نے مجھ سے پوچھا - " آخر ان دونوں کا مدعا کیا تھا؟"

میں " میں نہیں کہہ سکتا - البتہ مجھے یقین ہے کہ عنقریب ہمیں اس کا علم ہو جائے گا اور اس وقت ثابت ہو گا کہ ان کا مدعا خطرناک تھا - چلو اب دریا میں اترو "

دریا کو عبور کرنے سے پہلے دو تین جگہ مجھے یہ خیال آیا کہ ہمارے ڈوبنے کا دن بھی آ پہنچا۔ کیونکہ بعض جگہ دریا میں اس زور شور کی رو جاری تھی کہ گزوں ہمیں بہا بہا کر لے گئی۔ امین بھالے سے راستہ کا اندازہ کرتے ہوئے اور سہارا لیتے ہوئے جا رہا تھا۔ اور گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ آخر کار ہم صحیح سلامت دوسرے کنارے پر جا ہی پہنچے۔ کنارے کے بعد ایک وسیع خطہ دلدلی زمین کا تھا۔ اس میں سے ہم تیزی سے گزرے اس خوف سے کہ کہیں خانم اپنے سپاہیوں کو جنہیں اس نے شاید پشتے کے پیچھے چھپا رکھا ہو۔ لے کر ہمارے تعاقب کو نہ آ جائے۔ اس وقت ہمیں یہ علم نہیں تھا کہ دریا اور اس کے بعد کا علاقہ تمام و کمال مقدس تھا اور عملی طور پر قدم رکھنا ممنوع تھا۔ اس میں شک نہیں کہ قالون کے باشندوں نے جنگ کے وقت یہاں حملے ضرور کئے مگر ایسے اوقات میں ان کی فوج نیست و نابود ہو گئی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے دل میں یہ خیال جاگزین ہو گیا تھا کہ اس سرزمین کی محافظ کوئی مہیب روح ہے۔

دلدلیں عبور کر کے ہم ایک بنجر چڑھاؤ پر پہنچے۔ جس کے تین چار کوس کے بعد پہاڑ کا پہلا دامن شروع ہوتا تھا۔ اس جگہ ہر لمحے ہمارے دل میں خیال آتا تھا کہ وہ وحشی قوم ہم پر حملہ آور ہونے والی ہے۔ جس کے متعلق ہم اتنا کچھ سن چکے ہیں مگر ہمیں اس وقت تک ایک بھی متنفس نظر نہ آیا۔ یہ زمین دراصل صحرا تھی۔ جس میں کہیں کہیں چٹانوں کی دھاریاں موجود تھیں جو کسی وقت پگلا ہوا لاوا ہوگا۔ اس سے زیادہ مجھے اس کے اور مناظر یاد نہیں۔ کیونکہ بازو کے درد نے اس وقت میرے حواس باختہ کر رکھے تھے۔ آخر ہم ایک وادی کے کنارے پر پہنچے۔ جس میں سبزی کا نام و نشان نہیں تھا۔ تہ میں منجمد لاوا اور چٹانوں کے انبار تھے جو بارش یا چوٹی کی برف کے پگھلنے کے ساتھ لڑھک کر وہاں جمع ہو گئے تھے۔ یہ وادی سامنے کی طرف ایک چٹان سے محدود تھی۔ جس کی بلندی کم از کم پچاس فٹ ہوگی۔ اور اس میں سے

کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ تاہم ہم اس میں اُترے۔ اس جگہ خاص قسم کی تاریکی سی چھائی ہوئی تھی۔ اور چاروں طرف اداسی برستی تھی۔ آگے بڑھ کر ہمیں نظر آیا کہ زمین میں جا بجا کچھ سفید سی چیزیں بکھری ہوئی ہیں۔ جب ہم ایک کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ انسانی ہڈیوں کا پنجر ہے۔ ایسے ایسے پنجر ہزاروں کی تعداد میں اس جگہ موجود تھے۔ واقعی یہ وادی انسانی ہڈیوں کا زبردست ذخیرہ گاہ تھی بلکہ یوں کہو کہ ایک عظیم الشان قبرستان تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بڑا لشکر یہاں آکر فنا ہو گیا ہے۔

بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارا قیاس درست تھا۔ ماضی بعیدہ میں جب قالین کے باشندے اس سرزمین پر حملہ کیا کرتے تھے۔ نوان کا ایک لشکر اس وادی میں گھر گیا اور قتل کر دیا گیا۔ ان کی ہڈیاں بطور یادگار عبرت آموزی کے لئے یہیں چھوڑ دی گئیں۔ ان حسرت انگیز ڈھانچوں میں ہم افسوسناک خیالات لئے ہوئے بڑھتے گئے۔ اور سامنے کی چٹان میں راستہ تلاش کرنے لگے مگر کوئی نہ ملا۔ آخر مایوس ہو کر ہم ایک جگہ ٹھہر گئے۔ اس مقام پر ہمیں اس پہاڑ کا پہلو حیرت انگیز کرشمہ نظر آیا۔

اس وادی اور اس کے خوفناک پنجروں نے ہمارے قلوب پر گہرا اثر کیا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہم خوفزدہ بھی ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ گھوڑے پر بھی اس خوف کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ ایک آدھ دفعہ ہنہنایا پھر گردن نیچی کر کے کانپنے لگا۔ ہمارے قریب ہی ہڈیوں کا ایک ڈھیر تھا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ڈھیر اُن انسانوں کا بقیہ ہے جو زندہ یا مُردہ اوپر کی چوٹی پر سے گرائے گئے ہوں گے۔ اس ڈھیر کے اوپر ایک چھوٹی سی گٹھری سی اور نظر آتی تھی۔ اندھیرے میں ہم اُسے بھی ہڈیاں ہی سمجھتے رہے۔ میں نے اردگرد دیکھ کر کہا:۔

"اگر ہمیں اس لعنتی وادی میں سے نکلنے کا راستہ نہ ملا تو عنقریب ہم بھی یہاں کی خاموش آبادی میں شامل ہو جائیں گے"۔

جب یہ الفاظ میری زبان سے نکل رہے تھے تو آنکھ کے گوشے میں سے مجھے ایسا نظر آیا گویا وہ گٹھری متحرک ہوئی۔ میں نے پھر کر دیکھا۔ واقعی وہ گٹھری حرکت میں آئی اور کھڑی ہو کر ایک سفید برقع پوش انسان کی صورت بن گئی۔ میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ تاہم اس کے چہرے پر سفید نقاب تھا۔ جس میں آنکھوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ اور تمام جسم سفید برقعہ میں لپٹا ہوا تھا۔ اس مجسمے نے ہماری طرف قدم اُٹھایا۔ ہم دل میں کانپتے ہوئے اس طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں تک کہ گھوڑے کی جو اس پر نظر پڑی تو خوف سے کودنے لگا۔ میں بمشکل گرتے گرتے بچا۔ کوئی دس قدم کے فاصلے پر پہنچ کر یہ مجسمہ رکا اور ہاتھ بلند کر کے اشارہ کیا اس کا ہاتھ اور بازو بھی سفید پٹیوں سے لپٹا ہوا تھا۔ جیسے ممی پر کپڑا لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ امین نے کہا:۔

"تم کیا بلا ہو؟" اور اس کی آواز خشک پتھروں میں گونجنے لگی۔ مگر اُس نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ اُسی طرح اشارہ کرتا رہا۔ امین یہ دریافت کرنے کی نیت سے آگے بڑھا کہ کہیں ہماری قوتِ متخیلہ نے ہی یہ مجسمہ پیش نظر کر کے ہمیں دھوکے میں نہ ڈال رکھا ہو۔ امین کے قدم بڑھاتے ہی وہ پیچھے ہٹ کر پھر ہڈیوں کے ڈھیر پر جا کھڑا ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ان مردوں کے انبار میں سے ایک مردہ کفن پہنے ہوئے اُٹھ بیٹھا ہے۔ امین دریافت حقیقت کے لئے اور آگے بڑھا تو قریب پہنچنے پر اُس نے اپنا لپٹا ہوا ہاتھ بڑھایا اور آہستہ سے امین کے سینے پر مارا۔ امین بچ کر پیچھے ہٹا تو اس نے ہاتھ سے پہلے اوپر کو اشارہ کیا جو یا تو چوٹی کی طرف تھا یا آسمان کی طرف پھر اس دیوارِ سنگین کی طرف اشارہ کیا جو سامنے حائل تھی۔ امین میرے پاس واپس آیا اور کہنے لگا:۔

"حنیف! کیا کریں؟"

میں "میرا خیال ہے کہ اس کی پیروی کرو۔ ممکن ہے کہ یہ پہاڑ کی چوٹی کا

کوئی ایلچی ہو"۔

امین "یا تخت الشرلی کا۔ مجھے تو اس کی صورت سے خوف آتا ہے"۔

تاہم امین نے اس مجسمہ کو آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ یقیناً اس نے اس اشارہ کو سمجھ لیا اور بائیں طرف کو لوٹ کر ہڈیوں اور پتھروں میں سے دبے پاؤں گزرنا شروع کیا۔ کئی سو گز تک ہم اس کے پیچھے پیچھے چلتے گئے یہاں تک کہ چٹان میں ایک راستہ سا نظر آیا۔ ہم نے پہلے بھی یہ راستہ دیکھا تھا۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ تیس فٹ کے فاصلے پر پہنچ کر یہ راستہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے ہم اسے چھوڑ گئے تھے۔ یہاں تک وہ مجسمہ داخل ہوا اور غائب ہو گیا۔ امین نے مشکوک انداز میں کہا:-

"یقیناً یہ کوئی سایہ تھا"۔

میں "لاحول ولا قوۃ۔ سایہ مکا نہیں مارا کرتا۔ چلو آگے بڑھو"۔

چنانچہ امین گھوڑے کو تھامے ہوئے آگے چلا۔ سرے پر پہنچ کر راستہ ایک لخت دائیں طرف کو مڑتا تھا اور وہاں وہی مجسمہ ہمارے انتظار میں کھڑا تھا۔ یہ آگے بڑھا اور ہم پیچھے پیچھے چلے۔ یہاں راستہ زیادہ تنگ تھا اور روشنی اور بھی کم تھی۔ یہاں تک کہ ایک غار یا سرنگ کے دہانہ پر ختم ہو گیا جو چٹان میں کھود کر بنائی گئی تھی۔

یہاں ہمارا عجیب و غریب رہبر ہماری طرف کو واپس آیا بظاہر اس ارادے سے کہ گھوڑے کی لگام تھام لے۔ مگر اس کے اتنا قریب آنے سے گھوڑا بدکا اور پچھلے پاؤں پر گر گیا۔ جب یہ پھر کھڑا ہوا تو اس مجسمہ نے اسی غیر انسانی طریق سے اس کی پیشانی پر ہاتھ مارا جس طرح امین کے سینے پر مارا تھا۔ گھوڑا لرز اٹھا اور خوف کے مارے پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اور اس کے بعد بالکل مطیع ہو گیا۔ اسی مجسمہ نے ایک باگ اپنے لپٹتے ہوئے بازو میں ڈال لی۔ دوسری باگ کو امین تھامے رہا۔ اور ہم سرنگ میں داخل ہوئے۔

ہماری حالت خوشگوار نہیں تھی۔ ہمیں کچھ علم نہیں تھا کہ یہ خوفناک رہبر

ہمیں کہاں لئے جا رہا ہے۔ دل میں خیال یہ تھا کہ کہیں اندھیرے میں جل ہی ہماری دامنگیر نہ ہو جائے۔ علاوہ ازیں مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ ہم تنگ راستے پر جا رہے ہیں۔ جس کے ایک طرف گہری کھوہ ہے کیونکہ مجھے دور تک گرتے ہوئے پتھروں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ غریب گھوڑا مارے خوف کے بار بار پھنکارتا تھا اور پھونک پھونک کر قدم اٹھاتا تھا۔ آخر روشنی نظر آئی۔ اور مجھے بے انتہا مسرت ہوئی۔ دن کی روشنی میں نظر آیا کہ ہمارے دائیں جانب ایک عمیق گہرائی ہے اور جس راستے پر ہم چل رہے ہیں اس کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی بمشکل تین گز ہو گی۔

اب ہم سرنگ سے باہر آ کر پہاڑ کے اصلی دامن پر پہلی دفعہ پہنچ گئے تھے۔ سرنگ کی وجہ سے ہمیں طویل مسافت طے کرنے سے بچ گئی۔ یہاں پہاڑ میلوں اوپر تک چلا گیا تھا۔ جہاں حدود برف پر ختم ہو جاتا تھا۔ اسی جگہ پہنچ کر آبادی کے آثار نظر آئے یعنی کہیں کہیں زمین کے ٹکڑے زیر کاشت تھے اور فاصلے پر مویشیوں کے ریوڑ چرتے نظر آتے تھے۔

اس کے بعد ہم ایک اور وادی میں داخل ہوئے۔ جس میں سے ایک ناہموار راستہ ایک تیز بہتے ہوئے دریا کے کنارے کنارے جاتا تھا۔ یہ جگہ بالکل غیر آباد اور سنسان تھی۔ اس میں سینکڑوں لاوے کی بڑی بڑی چٹانیں بکھری پڑی تھیں اور اس کی چوڑائی نصف میل کے قریب تھی۔ میل بھر کا قریب سفر طے ہوا ہو گا کہ میں نے تیز سیٹی کی آواز سنی۔ جس کے ساتھ ہی یکایک ان چٹانوں کے پیچھے سے آدمی نکلے اور ہماری طرف جھپٹے۔ یہ کوئی پچاس کے قریب ہوں گے۔ اس وقت جو کچھ ہم دیکھ سکے صرف اس قدر تھا کہ یہ لوگ مضبوط اور وحشی معلوم ہوتے تھے۔ ان کے بال اور داڑھیاں بالعموم سرخ تھیں۔ اگرچہ رنگت زیادہ گوری نہ تھی۔ پہاڑی سفید بکروں کی کھالیں ان کا لباس تھا اور ہاتھوں میں بھالے اور ڈھالیں اٹھائے ہوئے تھے۔ یہ ہماری طرف چیخیں مارتے ہوئے جھپٹ کر آئے اور صرف بھا

ان کا ارادہ قتل و غارت کا تھا۔ امین نے دیکھا کہ ان کے ہاتھوں سے بچنا محال اور ہم چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں تو اس نے فوراً تلوار کھینچ لی اور کہا "لو حنیف خدا حافظ"۔

میں نے بھی "خدا حافظ کہا" اور دل میں سوچنے لگا کہ جب خانم اور سمبری نے کہا تھا کہ ہم پہاڑ پر پہنچنے سے پہلے مارے جائیں گے تو ان کا منشا اس واقعہ سے تھا۔

اس مصیبت کے وقت میں ہماری رہبر اگر یہ عورت تھی تو چٹان کے پیچھے غائب ہو چکی تھی۔ اور مجھے یہ خیال آیا کہ اس کا منشا یہی تھا کہ ہمیں اس جگہ لا کر ان وحشیوں کے پنجے میں دے دے اور خود غائب ہو جائے۔ مگر میں غلطی پر تھا کیونکہ در اصل اسی آفت سے بچانے کی غرض سے وہ ہمیں لینے آئی تھی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو ہمارا بچنا ناممکن تھا۔ وحشی چند قدم کے فاصلے پر تھے کہ یکایک وہ چٹان کے اوپر ظاہر ہوئی۔ اس کی صورت بالکل بت کی طرح تھی۔ اور اس نے ایک بازو پھیلا دیا تھا۔ اس کی زبان سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔ صرف بازو پھیلا رکھا تھا تاہم اس کا اثر عجیب و غریب اور فوری ہُوا۔

اُسے دیکھتے ہی وحشی لوگ سب کے سب سجدے میں گر گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان پر بجلی گر گئی ہے۔ اُس نے ہاتھ گرا کر اشارہ کیا جس پر ایک قد آور آدمی جو صورت سے اس جمعیت کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا۔ اُٹھا اور سر جھکائے ہوئے فرمانبردار کتے کی طرح آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچا۔ مجسمہ نے اشارے کرنا شروع کئے۔ پہلے قلۂ کوہ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر بازوؤں کو ایک دوسرے پر رکھ کر علیحدہ کیا مگر مطلق کوئی آواز سنائی نہیں دی۔ تاہم صاف عیاں تھا کہ یہ سرغنہ اس کی تمام باتوں کو سمجھ گیا کیونکہ اس نے حلق سے کچھ آوازیں نکالیں اور پھر سیٹی بجائی۔ جسے سنتے ہی باقی سب لوگ اُٹھے اور تیزی سے دوڑ دوڑ کر اِدھر اُدھر غائب ہو گئے۔ اور

ایک لمحہ میں میدان خالی ہوگیا۔ پھر ہماری رہبر نے ہمیں چلنے کا اشارہ کیا۔ اور خود ایسی بے پروائی سے آگے بڑھی گویا کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

دو گھنٹہ تک اس وادی میں سفر کرنے کے بعد ہم ایک اترائی کے کنارے پر پہنچے۔ یہاں آگ جل رہی تھی اور اس پر ایک مٹی کے برتن میں کوئی چیز اُبل رہی تھی اگرچہ نزدیک و دور کوئی متنفس اس کا خبر گیراں نظر نہیں آتا تھا۔ یہاں اُس مجسمہ نے مجھے گھوڑے سے اُترنے اور اس برتن میں جو کچھ پک رہا تھا اُسے کھانے کا اشارہ کیا۔ اس کی ہم نے بڑی مسرت سے تعمیل کی۔ گھوڑے کے لئے بھی آگ کے پاس سبز گھاس کی ایک گٹھری رکھی ہوئی تھی۔ ایمن نے زین اُتار کر گھوڑے کے آگے چارہ ڈالا اور مٹی کے پیالوں میں جو پاس ہی رکھے تھے۔ کھانا اتارنے لگا۔ میں سیل کے کنارے پر گیا۔ پہلے خوب پانی پیا پھر زخمی بازو کو ٹھنڈے پانی میں ڈبو دیا۔ اس سے بہت آرام محسوس ہوا۔ اس وقت تک مجھے یقین ہوگیا تھا کہ کُتے کے دانتوں نے صرف چھوٹی ہڈی تک زخم پہنچایا تھا۔ اور اس دریافت پر میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اس سے فارغ ہو کر میں نے پانی سے چھاگل بھر لی اور واپس چلا۔

راستے میں ایک خیال آیا اور میں نے اپنے پُراسرار رہبر کے قریب پہنچ کر جو بت کی طرح ساکت کھڑی تھی۔ پانی پیش کیا کہ شاید وہ نقاب اُٹھا کر پانی پیئے۔ اس وقت اس کی ایک حرکت سے ظاہر ہوا کہ شاید وہ انسان ہے یا یہ صرف میرا خیال ہی تھا کہ اُس نے شکریہ میں سر کو ذرا سی جنبش دی۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس کے بعد اس نے میری طرف پشت کر دی یعنی پانی پینے سے انکار کر دیا۔ میں نے نتیجہ نکالا کہ یا تو وہ پانی پیتی نہیں یا پی نہیں سکتی۔ نہ اس نے کچھ کھایا کیونکہ بعد میں جب ایمن نے کھانا پیش کیا تو اسی طرح انکار کر دیا کھانا اتر چکا تھا۔ اور اس کے ٹھنڈا ہوتے ہی ہم نے کھانا شروع کر دیا۔ کیونکہ بھوک بہت لگی ہوئی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد امین نے پھر میرا زخم دھو کر باندھا۔ اور ہم چند لمحے ستانے کے لیئے بیٹھ گئے۔ شاید تکان کی وجہ سے ہمیں نیند سی آنے لگی کیونکہ میری آنکھ چہرے پر سایہ پڑنے سے کھلی۔ میں نے دیکھا کہ ہماری کفن پوش مردہ نما رہبر قریب کھڑی ہے۔ اس نے پہلے سورج کی طرف اشارہ کیا۔ پھر گھوڑے کی طرف ہاتھ بڑھایا یعنی ابھی بہت سفر باقی ہے اور دن تھوڑا رہ گیا ہے۔ ہم نے اُٹھ کر پھر زین ڈال لیا اور تازہ دم ہو کر روانہ ہوئے۔ کم از کم بھوک کی تلخی غائب ہو چکی تھی۔

ہم دن بھر سبزہ زار چڑھائیوں کو عبور کرتے ہوئے سفر میں رہے۔ راستہ میں آدمی کوئی نظر نہ آیا۔ اگرچہ کبھی کبھی اُسی قسم کی سیٹی کی آواز سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وحشی ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ غروب آفتاب کے قریب زمین کی صورت بدل چکی تھی۔ کیونکہ گھاس اور سبزی کی بجائے چٹانیں اور درخت نظر آنے لگے۔ پہاڑ کے دامن ختم ہو چکے تھے اور اصل پہاڑ کی چڑھائی شروع ہو گئی تھی۔ سورج چھپ گیا اور ہم شام کے جھٹپٹے میں سفر کرتے رہے۔ یہ روشنی بھی ختم ہو کر اندھیرا چھا گیا اور اب راستہ دیکھنے کے لئے صرف ستاروں کی روشنی تھی یا ہلکی سی روشنی چمکدار دھوئیں کی تھی۔ جو برف سے منعکس ہو کر راستے پر پڑ رہی تھی۔ ہم آگے بڑھتے گئے اور ہم سے چند قدم آگے ہماری اَن تھک رہبر جا رہی تھی۔ پہلے ہی اس کا حلیہ مہیب اور غیر انسانی تھا مگر اندھیرے میں سفید کفن پہنے ہوئے خاموشی سے پتھروں اور درختوں میں سے گزرتی ہوئی بالکل بھوت معلوم ہوتی تھی۔

اب ہمیں راستے کا کوئی اندازہ نہیں رہا تھا کبھی دائیں کبھی بائیں طرف مڑتے ہوئے ہم ایک کھلی سطح پر سے گزرے۔ پھر ایک جنگل میں سے ہو کر چاند نکلتے ہی ایک وادی میں آ گئے۔ پھر اس میں سے ایک راستے کے ذریعہ سے ایسی جگہ پہنچے جو بہت وسیع تھی اور چاروں طرف چٹانوں سے محدود تھی گویا کسی نے کاٹ کر بنایا ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ جگہ لوگوں نے مدافعت

کے لئے انتخاب کر لی ہے۔ کیونکہ اس کا راستہ تنگ اور ناہموار تھا انجام پر پتھروں سے دروازہ تعمیر کیا گیا تھا جس میں سے ایک وقت میں صرف ایک آدمی گزر سکتا تھا۔ اس کے پرلی طرف ایک کھلی جگہ کچھ مکانات تعمیر شدہ تھے ۔ ان مکانات کے سامنے کھلے میدان میں کئی سو عورتیں اور آدمی جمع تھے جو نصف دائرے کی صورت میں کھڑے تھے۔ چاند کی روشنی پوری طرح ان پر پڑ رہی تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی مذہبی عبادت میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں کے سامنے نصف دائرے کے مرکز کی جگہ ایک قوی ہیکل سرخ ڈاڑھی والا بوڑھا کھڑا تھا۔ اس کا جسم سوائے ایک چرمی ازار بند کے بالکل ننگا تھا۔ یہ شخص اپنے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ہوتے آگے پیچھے جھوم رہا تھا اور پکار پکار کر کچھ گا رہا تھا جو ہماری سمجھ میں سوائے "ہو! ہا ہو!" کے کچھ نہ آتا تھا جب وہ آگے کو جھکتا تھا تو حاضرین سب کے سب آگے کو جھکتے تھے اور پھر سیدھے ہو کر یک زبان "ہو" کا نعرہ لگاتے تھے جس کی آواز دور دور تک پہاڑوں میں گونجتی تھی۔ اسی پر بس نہیں تھی۔ بلکہ اس بوڑھے کے سر پر ایک سفید بلی بھی چمٹی ہوئی تھی ۔

میں نے عمر بھر میں اس نظارے سے بڑھ کر حیرت انگیز اور تخیل آفرین نظارہ نہیں دیکھا۔ بالخصوص اس وحشت آفرین مقام میں چاند کی روشنی سے اور بھی اس کی ہیبت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ سرخ مو عریاں تن مرد و عورت و یونیڈ او بوڑھا راہب پر اسرار سفید بلی جو اس کی کھوپڑی کو چاروں پاؤں سے پکڑے دم ہلاتی ہوئی اس عبادت میں حصہ لیتی معلوم ہوتی تھی۔ ناپاک گیت اور اس کی سمع خراش گونج سب چیز مل کر عجیب اثر پیدا کر رہی تھیں۔ اس کا فوری اثر اس لئے بھی ہمارے دلوں پر زیادہ ہوا کہ اس وقت ہم نکل نہیں سمجھتے تھے کہ اس سے مراد کیا ہے۔ اگرچہ ہمارا خیال تھا کہ شاید قربانی یا بھینٹ کی ابتدا ہے۔ اس کی بے معنی اصلیت نگاہوں میں ڈراؤنے خواب کی طرح نظر آ رہی تھی ۔

جہاں یہ لوگ عبادت کر رہے تھے اس کے گرد ایک پست دیوار تھی جس
میں ایک دروازہ بھی تھا۔ ہم بے خوفِ دریافت اس کی طرف بڑھے کیونکہ
اس طرف بہت سے درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ ہماری رہبر نے ہمیں ان درختوں
کے وسط میں پہنچ کر ہمیں ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ ہم اس وقت دروازے سے چند
قدم کے فاصلے پر دائیں طرف کو تھے۔ پھر وہ دیوار میں ایک رخنہ کے قریب جاکر
اس طرح کھڑی ہوگئی گویا وہ اندر کا نظارہ دیکھ رہی ہے۔ ہم یہ سمجھ رہے تھے
کہ اُسے ایسی چیز دکھائی دے رہی ہے جسے وہ دیکھنا نہیں چاہتی تھی اور اس
وجہ سے اُسے غصہ آ رہا ہے چند لمحہ میں اس نے دل میں کچھ فیصلہ کیا اور ہماری
طرف پھر کر ہمیں کھڑے رہنے کی ہدایت کی اور نقاب پر اُنگلی رکھ کر خاموش
رہنے کا تقاضا کیا۔ اور غائب ہوگئی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں گئی اور کس
طرح چلی گئی۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ یکایک غائب ہوگئی۔ ایمن نے
میرے کان میں کہا:۔

"اب ہمارا کیا حشر ہوگا؟"

میں نے کہا "ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ جب تک وہ لوٹ کر آئے یا کوئی اور
واقعہ پیش آئے ہم یہیں کھڑے رہیں۔"

چنانچہ ہم اس خوف میں کہ کہیں گھوڑے کے ہنہنانے سے یا کسی اور طرح
ان وحشیوں کو ہمارا پتہ نہ چل جائے ورنہ جان کا اندیشہ ہے۔ ہم وہاں کھڑے
رہے۔ مگر بہت جلدی ہم اپنی حالت کو بھول کر اس وحشیانہ نظارے کی دید
میں مستغرق ہوگئے۔ جس کا خوفناک ترین حصہ اب شروع ہوگیا تھا۔ معلوم ہوتا
تھا کہ یہ نظارہ جس کھیل کا افتتاحی باب تھا۔ اور وہ کھیل چند مجرموں کی جان
کا مواخذہ تھا یہ ہمارا اندازہ تھا۔ کیونکہ تھوڑی دیر بعد وہ وحشیانہ راگ بند
ہوگئے اور سفید بلی والے بوڑھے کے سامنے سے لوگ پھٹ کر ایک
طرف ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی اس کے پیچھے ایک غار میں سے دھواں اُٹھا۔
شاید کسی خفیہ کھڈے میں آگ دے دی گئی تھی۔ جو جگہ لوگوں کے ہٹنے سے کھل

اور سمجھتے تھے۔

"ڈائن۔ ڈائن۔ ڈائن!"

جلاد جو بلی کے اس انتخاب کے منتظر تھے جھپٹ کر آگے بڑھے اور لڑکی کو کشاں کشاں آگ کی طرف لے چلے۔ اس کے قریب کا قیدی جسے درست طور پر ہم اس کا خاوند قیاس کرتے تھے۔ اُسے بچانے کی کوشش کرنے لگا مگر غریب کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے اس لئے کچھ نہ کر سکتا تھا۔ ایک جلاد نے لکڑی مار کر اُسے نیچے گرا دیا۔ اس کی بیوی نے اپنے بازو چھڑا لئے اور اپنے خاوند پر گر گئی مگر جلادوں نے اُسے پھر اُٹھا لیا۔ اور دھکیلتے ہوئے پھر آگ کی طرف چلے۔ تمام حاضرین پوری قوت سے چلا رہے تھے۔

ایمن نے کہا "میں اسے برداشت نہیں کر سکتا یہ تو قتل ہے سراسر قتل!"

میرا بھی دل اس نظارے کو دیکھ کر اُبل رہا تھا۔ مگر میں نے کہا "ان وحشیوں کی حرکات میں دخل نہ دو خاموشی سے کھڑے رہو" میں نہیں کہہ سکتا کہ ایمن نے میری بات سنی یا نہیں۔ البتہ اتنا معلوم ہے کہ وہ خان کی تلوار گھماتا ہوا اور شور مچاتا ہوا دروازے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ میں نے بھی گھوڑے کے ایڑ لگائی اور اس کے پیچھے دوڑا۔ دس منٹ میں ہم ان کے اندر پہنچ گئے۔ ہمیں دیکھتے ہی وحشی لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے اور ہمیں دیکھنے لگے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں ارواح سمجھے۔ اس طرح ایمن پیدل اور میں سوار اس جگہ پہنچ گئے۔

جلاد اور ان کا شکار آگ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ آگ تین گز مربع جگہ میں چیڑ اور دیار کی روغن آلود لکڑیوں سے زور شور کے ساتھ بھڑک رہی تھی۔ اس کے قریب ایک تپائی پر راہب بیٹھا تھا۔ اور اس نظارے کو بے رحم آنکھوں سے دیکھتا ہوا بلی کو کچے گوشت کے لقمے ایک تھیلی میں سے نکال نکال کر کھلا رہا تھا۔ اس میں وہ اس قدر منہمک تھا کہ جب تک اس کے

سر پر نہیں جا پہنچے۔ اس نے ہمیں نہیں دیکھا
اس عورت کو چھوڑ دو" اور جلادوں پر حملہ ک
بازو اُڑا دیا۔ جسے وہ گردن سے پکڑے ہوئے

غصے اور درد سے ایک چیخ مار کر وہ
کی طرف کر کے خوف و دہشت سے اس طرف
نے دیکھا کہ لڑکی جلادوں کے ہاتھ سے چھوٹ
نکلی اور غائب ہو گئی + اسی اثنا میں راہب
اُٹھا اور ایبن کو اپنی زبان میں گالیاں دینے
میں جو مُنہ پر آیا کہنا شروع کر دیا ٭

اس وقت میرا خیال ہے کہ شور سے
انمازی کی وجہ سے بلی جھلائی اور جھپٹ کر
ایبن نے بائیں ہاتھ سے راستے میں ہی اُسے و
زمین پر دے ٹپکا۔ جہاں وہ تڑپ کر دم توڑ
دل میں کیا خیال آیا کہ اُس نے اس شیطا
دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیا + شاید غص
ساقط کر دئے تھے۔ اور وہ نہیں جانتا تھا کہ

اس خوفناک توہین پر ــــ یقیناً وہ
ــــ حاضرین سے شورِ نفرین بلند ہوا اور
کی طرح موج مار کر ہماری طرف جھپٹے + میں
دیکھا پھر لوگوں نے مجھے گھوڑے پر سے اُتار
لے چلے۔ اس کے کنارے پر مجھے ایبن بھی اسی
اپنی طاقت کی وجہ سے لڑ رہا تھا اور لوگ اُس
میں نے ایبن کو اس وقت یہ حماقت
کو آگ میں جھونک کر یہ آفت سر لی"۔ در

مجھے سوائے اس کے کچھ معلوم نہ تھا کہ ہم آگ میں جھونکے جانے والے ہیں۔
میں عین کنارے پر پہنچ چکا تھا اور پیشانی پر اس کی گرمی محسوس ہونے لگی
تھی کہ یکایک جن ہاتھوں نے مجھے زور سے پکڑ رکھا تھا اور آگے کو دھکیل
رہے تھے ڈھیلے ہو کر پیچھے ہٹے اور میں کمر کے بل پیچھے کی طرف زمین پر آ رہا۔
اور پڑا پڑا سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔
جو کچھ میں نے دیکھا یہ تھا۔ آگ کے سامنے غصے سے کانپتی ہوئی
کفنی میں لپٹی ہوئی ہماری رہبر کھڑی تھی اور ہاتھ سے قوی ہیکل سرخ بالوں
والے راہب کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ لیکن اب وہ اکیلی نہیں تھی۔ بلکہ
اس کے ساتھ بیس آدمیوں کے قریب سفید جبے پہنے ہوئے اور تلواریں
لگائے ہوئے موجود تھے۔ یہ لوگ سیاہ چشم فلسفیانہ صورت کے آدمی تھے
سر اور ریش و بروت منڈائے ہوئے تھے اور ان کی کھوپڑیاں آگ کی روشنی
میں چمک رہی تھیں۔ ان کی صورت دیکھ کر وحشیوں پر خوف طاری ہو گیا
تھا اور چند لمحہ پہلے جو لوگ دیوانے سانڈوں کی طرح اُبلے چلے آ رہے تھے
اب کتوں کی طرح دُم دبائے اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔ ان سفید پوشوں
کے سردار نے جس کے چہرے پر متانت برستی تھی اور ہر وقت ایک خاص قسم
کی مسکراہٹ موجود رہتی تھی۔ راہب سے کچھ کہا اور میں نے کچھ کچھ سمجھ
لیا۔ اس نے آہستہ آہستہ مگر پُر زور الفاظ میں کہا:۔
"کتے! او مردود کتے! حیوانوں کو پوجنے والے! تو ابھی ابھی صاحب
ۃ اُم الجبل کے مہمانوں سے کیا سلوک کرنے والا تھا۔ کیا تیری اور تیرے
بت پرست قوم کی اب تک جان بخشی کا صلہ یہی ہے؟ جواب دے۔ جلدی
کر۔ اگر تجھے کچھ کہنا ہے تو کہہ لے۔ ورنہ تیرا وقت بہت قریب آ گیا ہے"۔
خوف سے کانپتا ہوا قوی الجثہ وحشی گھٹنوں کے بل زمین پر گر گیا مگر
اس راہب اعظم کے سامنے نہیں جس نے اُسے مخاطب کیا تھا بلکہ ہماری
لرزتی ہوئی رہبر کے سامنے گرا اور کانپتی ہوئی آواز میں رحم کی التجائیں

کرنے لگا۔

راہب اعظم نے کہا۔ "خاموش! یہ تو حکمراں ہے جس کا کام عدل ہے اور تلوار ہے جس کا کام قتل ہے۔ مگر میں اس کی سماعت اور گفتار ہوں۔ بول اور مجھے بتا کہ کیا تو ان آدمیوں کو جنہیں مہمان نوازی سے استقبال کرنے کا تجھے حکم دیا جا چکا تھا۔ اس لئے آگ میں جھونکنے والا تھا کہ انہوں نے تیری شیطنت کے شکار کو بچا لیا اور تیری پالی ہوئی خبیث روح کو مار ڈالا میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے جان لے کہ یہ سب کچھ تجھے پکڑنے کے لئے پھندا بنایا گیا تھا۔ تجھے بہت دیر تک زندہ رہنے کی اجازت مل چکی ہے"

مگر وہ بدستور برقعہ پوش مجسمے کے سامنے تڑپتا ہوا رحم کی التجا کرتا رہا۔

راہب اعظم:۔ "ایلچی! اس کا اختیار آپ کو ہے۔ حکم دیجئے"۔

ہمارے رہبر نے آہستہ سے ہاتھ اٹھایا اور آگ کی طرف اشارہ کیا۔ یکایک اس کا منہ فق ہو گیا اور چیخ مار کر پیچھے کی طرف گر گیا۔ میرا خیال تھا کہ خوف و دہشت سے اس کی جان نکل گئی۔ بہت سے آدمی فرار ہو گئے تھے۔ تاہم کچھ باقی تھے۔ راہب اعظم نے درشت آواز میں انہیں آواز دی اور قریب آنے کا حکم دیا۔ وہ ہاتھ پاؤں کے بل اس کے پاس آئے۔ راہب نے اس کی لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "دیکھو اور عزا ام الجبل کے عدل سے ڈرو۔ ہاں اور یقین رکھو کہ جو کچھ اس کے ساتھ گزری ہے تم پر بھی گزرے گی۔ اگر تم اس کے احکام سے سرتابی کرو گے یا جادوگری اور قتل و خون کا ارتکاب کرو گے۔ اس مردہ کتے کو جو تمہارا سرغنہ تھا اٹھاؤ"۔

ان میں سے کچھ نے بڑھ کر اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اور راہب اعظم نے کہا:۔

"اب اسے اس بستر میں لٹا دو جو اس نے اپنے شکاروں کے واسطے تیار کیا تھا"۔

انہوں نے آگ کے کنارے پر پہنچ کر اس کی تعمیل کی اور اس کا وزنی جسم دھماکے سے آگ میں گر گیا اور وہاں غائب ہو گیا + راہب اعظم نے کہا۔ لوگو سنو اور جان لو کہ اس شخص کے لئے مقتضائے انصاف یہی سلوک تھا۔ تمہیں علم ہے کہ یہ اس عورت کو کیوں مارنا چاہتا تھا۔ جسے اجنبیوں نے بچا لیا ؟۔ تمہارا خیال ہے کہ بلّی نے اُسے ڈائن منتخب کیا تھا۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ غلط ہے۔ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ یہ عورت حسین تھی اور وہ اُسے اس کے خاوند سے چھیننا چاہتا تھا۔ جیسے کہ پہلے اُس نے بہت سی عورتوں کو چھینا ہے۔ مگر وہ منکر تھی۔ مگر آنکھ نے دیکھا۔ گفتار نے تنبیہ کی اور ایلچی نے فیصلہ کر دیا۔ وہ اپنے دام میں آپ گرفتار ہو گیا۔ یہی حشر تم میں ہر ایک کا ہو گا جو بدی کا خیال کرنے کی جرأت کرے گا یا ہاتھوں سے بدی کرے گا ؎

عزا کا یہی عادلانہ حکم ہے جو اُس نے پہاڑ کے آتشکدے میں اپنے آتشین تخت پر سے تم پر نازل کیا ہے ؎

باب سیزدہم

عزا کا دار العلم

خلوت خاص است و جائے امن و نزہت گاہ اُنس
اینکہ مے بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

وحشی قوم کے لوگ ایک ایک کر کے آہستہ آہستہ غائب ہو گئے جب

میدان خالی ہوگیا تو راہب اعظم نے بڑھ کر اپنی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر امین کو سلام کیا۔ اور اسی بگڑی ہوئی یونانی زبان میں جو قالون کے دربار میں استعمال ہوتی تھی کہا:۔

"سردار میں یہ نہیں پوچھتا کہ آپ کو کوئی ایذا تو نہیں پہنچی کیونکہ جب سے تم نے مقدس قدم رکھا اور اس سرزمین میں داخل ہوئے تم اور تمہارے ساتھی ایک پوشیدہ قوت کی حفاظت میں ہیں۔ اور کوئی انسانی یا روحانی قوت تمہیں صدمہ نہیں پہنچا سکتی تھی۔ خواہ کیسے ہی خطرے کا سامنا بظاہر کیوں نہ ہوا ہو۔ تاہم تمہارے جسموں پر ناپاک ہاتھ لگے ہیں اور اس مادر کا بھی حکم ہے جس کا میں مطیع ہوں کہ اگر تمہاری خواہش ہو تو جس جس نے تمہیں چھوا تھا ابھی تمہارے سامنے قتل کر دیا جائے گا۔ اگر یہ منشا ہے تو کہہ دو"۔

امین:۔ "نہیں! ان کی عقلیں گم اور آنکھیں بند تھیں۔ ہماری خاطر کسی کے خون کا قطرہ تک نہیں گرنا چاہئے۔ ہمیں صرف اس قدر ضرورت ہے کہ —— ہاں آپ کا اسم مبارک کیا ہے"۔

راہب اعظم:۔ "مجھے معدن کہتے ہیں"۔

امین:۔ "دوست معدن! آپ کا نام پہاڑ پر رہنے کی حیثیت سے خوب ہے۔ ہمیں اس وقت صرف کھانے اور آرام کی ضرورت ہے۔ اور ہم چاہتے ہیں کہ جلدی اُس خطاب الٰہی کے پاس پہنچ جائیں۔ جسے تم "مادر" کہتے ہو اور جس کی تلاش میں ہم اتنی دور دراز سے سفر طے کر کے آئے ہیں"۔

معدن:۔ "کھانا اور جائے استراحت تیار ہیں۔ اور کل جب تم آرام کر چکو گے تو مجھے تمہیں وہاں لے جانے کا حکم ہے۔ جہاں تم جانا چاہتے ہو اس لئے میرے ساتھ چلو"۔ اور یہ کہہ کر وہ آگ کے پاس سے گزر کر پچاس گز کے فاصلے پر چٹان کی قدرتی دیوار کے قریب ایک عمارت کے قریب پہنچا۔ یہ مکان مہمان خانہ معلوم ہوتا تھا یا کم از کم اس مطلب کے لئے تیار

کیا گیا تھا کیونکہ یہاں چراغ روشن تھے اور خفگی کی وجہ سے آگ جل رہی تھی اس میں دو درجے تھے۔ دوسرا درجہ سونے کا کمرہ تھا اور پہلے میں سے گزر کر ہم دوسرے کے سامنے پہنچے۔ راہب اعظم نے کہا:۔

"یہاں آیئے۔ تمہیں منہ ہاتھ دھونے کی ضرورت ہوگی اور تمہیں ——— مجھے مخاطب کر کے۔ اس بازو کے زخم کے لئے جو کتّے کے دانتوں سے لگا ہے علاج کی ضرورت ہوگی۔"

میں: "آپ کو یہ کیسے علم ہوا؟"

معدن: "اس کا کچھ مضایقہ نہیں۔ مجھے معلوم ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ میں نے دوا دارو کا انتظام کر لیا ہے۔"

دوسرے کمرے میں بھی پہلے کی طرح روشنی اور آگ موجود تھی۔ علاوہ ازیں دھات کے برتنوں میں گرم پانی اور چارپائیوں پر سفید کپڑے اور سیاہی مائل جُبے جن میں قیمتی پشم لگی ہوئی تھی رکھے تھے۔ ایک چھوٹی سی تپائی پر مرہم۔ پٹیاں اور لکڑی کی کھپچیاں بھی رکھی تھی۔ ان کی موجودگی بہت تعجب انگیز تھی کیونکہ اس سے ثابت تھا کہ میرے زخم کی نوعیت تک ان کو معلوم تھی۔ مگر میں نے پھر اور سوالات نہیں کئے۔ کیونکہ اول تو میں تھکا ہوا تھا دوسرے میں جانتا تھا کہ سوالات کرنا بے سود ہے۔ اس کے بعد راہب معدن نے میرے جسم پر سے پھٹی ہوئی پوشاک اُتاری۔ بازو پر سے وہ پٹیاں کھولیں اور گرم پانی میں کچھ ادویات ملا کر اس سے زخم کو دھویا۔ پھر بغور زخم کا معائنہ کیا۔ اور کہا:۔

"دانت بڑی گہرائی تک اُتر گئے تھے اور چھوٹی ہڈی شکستہ ہے۔ مگر تمہیں زیادہ نقصان نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ زخم کا نشان تاعمر باقی رہے گا۔"

پھر زخم پر مرہم کی پٹی چڑھا کر اس نرمی سے باندھا کہ مجھے مطلقاً کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔ اور کہا کہ کل تک ورم اُتر جائے گا پھر ہڈی

جوڑ دی جائے گی۔ چنانچہ یہی ہوا۔

اس کے بعد اُس نے میرا مُنہ دھلایا اور کپڑے پہنائے پھر ایک رُمال گردن میں باندھ دیا۔ جس میں میں نے بازو لٹکا لیا۔ اس عرصہ میں ایبن بھی کپڑے بدل چکا تھا اور جب ہم باہر آئے تو ہم بالکل مختلف حالت میں تھے۔ بیرونی کمرے میں کھانا تیار تھا اور ہم نے خاموشی سے خدا کا شکر کرتے ہوئے کھانا کھایا۔ کھانا کھاتے ہی خمار پیدا ہوا جس کی وجہ انتہائی تکان تھی۔ ہم اُٹھ کر اندر آئے لبادے اُتار اُتار کر پھینک دیئے اور بستروں پر لیٹتے ہی بے سدھ سو گئے۔

آدھی رات کے قریب یکایک میری آنکھ کھُل گئی جس طرح اکثر لوگوں کی آنکھ کھُل جاتی ہے جب کوئی اُن کی خواب گاہ میں داخل ہوتا ہے۔ چاہے کسی قسم کا کوئی شور نہ ہو۔ آنکھیں کھولنے سے پہلے مجھے محسوس ہوا کہ ہماری خواب گاہ میں کوئی غیر موجود ہے اور میں غلطی پر نہیں تھا۔ کمرے میں ایک چھوٹا سا چراغ روشن تھا۔ اس کی روشنی میں مجھے ایک دھندلا سا وجود دروازے کے قریب کھڑا نظر آیا۔ پہلی نظر میں تو مجھے اس پر بھوت کا شبہ ہو گیا تھا مگر پھر فوراً یاد آیا کہ یہ تو ہماری کفن پوش رہبر ہے۔ جو غور سے ایبن کی چارپائی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کم از کم اس کا سر اُس طرف جھکا ہُوا تھا۔

پہلے تو وہ خاموش کھڑی رہی۔ پھر اُس نے زور سے آہ بھری۔ اس آہ کی آواز خوفناک تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ عین دل کی گہرائی سے نکلی ہے۔ اس سے مجھے معلوم ہُوا کہ یہ ہیولی صفت مجسمہ طاقت گفتار سے عاری نہیں ہے جیسا کہ میں سمجھتا ہوں بلا شبہ اسے تکلیف کا احساس ہو سکتا تھا اور اس کا اظہار وہ انسانی طریقہ سے کرنے کی قابلیت رکھتی تھی۔ اس پر یہ طرفہ ہُوا کہ اس نے اپنے چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے ہاتھ اس طرح ملنے شروع کئے جیسے کوئی مصیبت کی حالت میں ملتا ہے۔ اسی وقت معلوم ہُوا کہ ایبن کو بھی اس

کی موجودگی کا احساس شروع ہو گیا ہے۔ کیونکہ اُس نے کروٹ بدلی اور بڑانا شروع کیا۔ ابتدا میں اس کی آواز اس قدر ہلکی تھی کہ مجھے صرف لب ولہجہ سے معلوم ہُوا کہ وہ عربی میں بول رہا ہے۔ پھر مجھے ایک لفظ سنائی دیا جو اس نے دو دفعہ دہرایا:۔

"عذرا ..... عذرا"

وہ کفن پوش صورت آگے بڑھی اور اس کے قریب آکر رک گئی۔ ایمن گہری نیند میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں اسی طرح بند تھیں اور دونوں ہاتھ بڑھا کر اس طرح حرکت دی گویا کسی کو آغوش میں لینا چاہتا ہے۔ پھر جذبہ سے پُر آواز میں کہا:۔

"عذرا۔ میں نے موت میں اور حیات میں تیری ہی جستجو کی ہے۔ میرے دل کی مالک آ۔ میری تمناؤں کی ابتداء اور انتہا میرے پاس آ"

وہ صورت اور آگے بڑھی۔ میں نے عذرا کو دیکھا تو وہ کانپ رہی تھی اور ہاتھ پھیلائے ہوئے تھی۔ پلنگ کے قریب آکر وہ پھر ٹھہر گئی۔ ایمن پھر لیٹ گیا۔ کمر تک ایمن کا لحاف بیٹھنے سے اُتر گیا تھا اور اس کا سینہ ننگا ہو گیا اس پر وہ چمڑے کا بٹوہ موجود تھا۔ جس میں عذرا کے بالوں کی لٹ تھی اور ہمیشہ ایمن کے سینے پر رہتا تھا۔ ایمن گہری نیند میں تھا اور اب اس مجسمہ کی نگاہیں بٹوے پر جمی ہوئی تھیں۔ ایک لمحہ میں اُس نے حرکت کی اور لپٹی ہوئی اُنگلیوں سے پھرتی کے ساتھ بٹوے کی گھنڈی کھول کر اس نے بالوں کی چمکدار لٹ نکال لی۔ دیر تک وہ اُسے دیکھتی رہی پھر نرمی سے اُسے بٹوے میں رکھ دیا اور گھنڈی بند کر دی۔ اور کچھ دیر تک کھڑی روتی رہی + وہ اس طرح کھڑی تھی کہ سوتے ہوئے ایمن نے پھر بازو پھیلائے اور اسی جذ سے پُر آواز میں کہا:۔

"میری محبوبہ۔ میری حسینہ۔ میری پیاری میرے پاس آ"

ان الفاظ پر اس صورت نے ایک چیخ ماری اور خوفزدہ جانور کی طرح

جلدی سے لوٹی اور دروازے سے باہر نکل گئی ؛

x x x x x

جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ چلی گئی تو میں نے زور سے سانس لیا۔ اور تحیر کی انتہائی حالت میں سوچنے لگا کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ خواب تو یہ ہرگز نہیں تھا۔ میں بالکل بیدار تھا اور یہ ماجرا یقیناً واقعی ہے۔ آخر اس کے معنے کیا تھے؟ یہ کفن پوش مردہ نما مجسمہ جو ہمیں زبردست خطرات سے محفوظ و مامون نکال کر لایا کون ہے۔ یہ کیسا ایلچی ہے جس کی صورت سے لوگ پتّے کی طرح لرزتے ہیں اور جو ہاتھ کے ایک اشارے سے ایک قوی ہیکل وحشی کی جان لے سکتا ہے۔ اس آدھی رات کے وقت اس کا اس طرح دبے پاؤں ہماری خواب گاہ میں آنا جیسے کوئی روح اپنے معمول کو دیکھنے آتی ہے کیا معنے رکھتا ہے۔ اس کی موجودگی میں میری آنکھ کا کھلنا اور ایمن کا خواب میں بڑبڑانا کس وجہ سے تھا۔ اس نے وہ بالوں کی لٹ کیوں نکالی۔ یقیناً اسے کس طرح علم ہوا۔ کہ اس بٹوے میں بالوں کی لٹ ہے۔ پھر کیا وجہ تھی کہ ایمن کے اُن عاشقانہ اور جذوبانہ الفاظ کو سُن کر وہ خوفزدہ ہو کر بھاگ گئی ؛

راہب معدن نے اُسے حاکم اور تیغ کے نام سے موسوم کیا تھا۔ جن کا کام نفاذ و اجرائے احکام ہے۔ لیکن اگر وہ احکام بھی اسی کے ہوں تو؟ اگر یہی وہ ہستی ہوئی جس کی تلاش میں ہم سرگرداں تھے یعنی عذرا بہ نفس نفیس تو؟ مجھے اس خیال سے لرزہ کیوں پیدا ہوا۔ حالانکہ اگر یہی ہوا تو ہماری تلاش کا پھل مل گیا اور گوہر مقصود ہاتھ آ گیا۔ شاید اس لرزہ کی وجہ یہ ہے کہ اس مجسمہ کے وجود میں ایک غیر انسانی اور خوفناک خصوصیت تھی۔ اگر اس کفن میں عذرا ہے تو یقیناً وہ اُس عذرا سے بدرجہا مختلف ہے جسے ہم پہلے دیکھ چکے تھے اور اس کی پرستش کر چکے تھے مجھے ملکہ مطاع الکل کی برقعہ پوش صورت اچھی طرح یاد تھی اور یہ بھی یاد تھا کہ کس طرح اس روئے زیبا سے نقاب اُٹھنے سے مدت پیشتر ہم نے اس زیر نقاب حسن اور شوکت کا اندازہ

لگا لیا تھا جسے برقعہ کا معمولی پردہ چھپانے سے عاجز تھا۔

آخر اس مجسمہ کی حقیقت کیا ہے؟ میں اس خیال کی پیروی نہیں کرسکتا تھا کہ وہ عذرا ہے۔ میرا خیال غلطی پر تھا۔ بلاشبہ وہ بقول راہب معدن ایک نیم روحانی ہستی ہے جسے چند قوتیں عطا کی گئی ہیں اور وہ اس رات کے اندھیرے میں ہماری حالت کا اندازہ کرنے کو اس غرض سے آئی تھی کہ ان قوتوں کے عطا کنندہ کے پاس جا کر اس کا بیان کرے۔

اس طرح اپنے دل کو تسلی دے کر میں پھر سو گیا۔ تکان ان تمام خیالات پریشان پر غالب آ گئی۔ صبح کو جب ان خیالات کا ہیجان کچھ کم ہو گیا تھا۔ تو میں نے بعض وجوہات سے مصمم ارادہ کر لیا کہ امین کو اپنے اس مشاہدہ کا حال کچھ دنوں تک نہ بتاؤں۔ اسی وجہ سے میں نے کئی دن تک اس کا ذکر نہ کیا۔

جب میں جاگا تو خوابگاہ میں روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اور راہب معدن میری چارپائی کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے بیٹھ کر وقت دریافت کیا تو اس نے جواب دیا کہ دوپہر میں صرف دو گھنٹے رہ گئے ہیں۔ اور دبی آواز سے یہ بھی کہا کہ میں ہڈی جوڑنے کو آیا ہوں۔ اس طرح آہستہ بولنے کی وجہ یہ تھی کہ امین ابھی تک سو رہا تھا۔ اس نے میرے بازو کی پٹیاں کھول لیں اور کہا:۔

"انہیں سونے دو۔ کیونکہ بہت سے مصائب برداشت کر چکے ہیں اور شاید اور بھی برداشت کرنے پڑیں"۔

میں نے جلدی سے پوچھا "دوست معدن! تمہارا کیا مطلب ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم نے ہم سے کہا تھا کہ اس پہاڑ پر ہم محفوظ رہیں گے"۔

معدن: "دوست ـــــ" اور میرے منہ کی طرف دیکھنے لگا۔

میں: "مجھے حنیف کہتے ہیں"۔

معدن: "دوست حنیف! میں نے کہا تھا کہ تمہارے جسم محفوظ رہیں گے۔

تمہارے باقی حصہ کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا انسان کی ہستی صرف گوشت اور خون پر مشتمل نہیں ہے۔ روح اور ذہن بھی اس کے ضروری اجزا ہیں۔ اور انہیں بھی ایذا پہنچ سکتی ہے "۔

میں "ہماری روح کو ایذا دینے والا یہاں کون ہو سکتا ہے"۔

معدن "تم اور تمہارے ساتھی اس پُراسرار سرزمین میں اتفاقی طور پر وارد نہیں ہوئے ہیں۔ ورنہ اب تک تمہاری گرد بھی باقی نہ رہتی۔ بلکہ تم دل میں خاص مدعا لئے ہوئے آئے اور اُن اسرار کو عریاں کرنا چاہتے ہو جو پشتہا پشت سے سربستہ رہے ہیں۔ تمہارا مقصد معلوم ہے اور بہت امکان ہے کہ تم کامیاب بھی ہو جاؤ۔ لیکن اگر پردہ اُٹھ گیا تو ممکن ہے کہ تمہیں ایسا نظارہ دکھائی دے جس کے خوف سے لرزاں اور پریشاں ہو کر تم جنون اور مایوسی کے بگولوں میں اُڑ جاؤ۔ سچ کہو تمہیں اس کا خوف ہے یا نہیں ؟"

میں "ہے تو سہی۔ مگر میرے متبنے بیٹے کی اور میری نگاہوں نے لگجوائے چشم ما بسیار ازیں خواب پریشاں دیدہ است۔ بہت سے عجائبات عالم کا مشاہدہ کیا ہے اور ہم زندہ بچ رہے ۔ ہم نے خاص نورِ حیات کو پوری طاقت کے ساتھ لہریں لیتے دیکھا ہے۔ ہم ایک غیر فانی ہستی کے مہمان رہ چکے ہیں۔ ہم نے موت کے پنجہ کو اس پر قابض ہوتے دیکھا اور ہم بچ گئے۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ یہاں آکر ہم بزدل ہو جائیں گے۔ نہیں ہم تحریر پیشانی کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھ کر رہیں گے۔ ہرچہ باد اباد "۔

ان الفاظ سے معدن پر نہ حیرت چھائی اور نہ استعجاب بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ پہلے سے ان باتوں کو جانتا ہے ۔ اس نے مسکرا کر کہا:۔

"بہت خوب ایک گھنٹہ کے بعد تم تحریر پیشانی کو پورا کرنے کے لئے راہگرا ہو جاؤ گے۔ اگر میری باتوں میں تنبیہ کا رنگ محسوس ہُوا ہو تو معاف کرنا کیونکہ مجھے ایسی ہی ہدایات تھیں۔ شاید ان سے تمہاری آزمائش مقصود تھی۔ کیا اس گفتگو کو اِن سردار کے پاس دہرانے کی بھی ضرورت ہے ؟"

میں :۔ "امین کے پاس ؟"

معدن :۔ "امین۔ ہاں امین کے پاس۔ (یہ اس نے اس طرح کہا گویا اسے نام تو معلوم تھا مگر ذہن سے نکل گیا تھا) مگر آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔ میں نے پوچھا تھا کہ آیا یہ گفتگو اُن کے پاس دہرائی جانا ضروری ہے ؟"

میں :۔ "قطعاً نہیں۔ مگر تم ضروری سمجھو تو اس کے جاگنے پر دہرا بھی دینا ؟"

معدن :۔ "تمہارے ساتھ میرا بھی یہی خیال ہے کہ اب ضرورت نہیں۔ کیونکہ ـــ گستاخی معاف ہو۔ جس چیز کا مقابلہ بھیڑیا کر سکتا ہے شیر اُسے پیٹھ نہیں دکھا سکتا۔ دیکھو اب تمہارے بازو کے زخم بہت اچھے ہیں۔ ورم بھی غائب ہے۔ اب میں اس پر پٹی چڑھائے دیتا ہوں اور چند ہفتہ میں بازو صحت کی اسی حالت پر آ جائے گا جس پر کہ خان رشان سے شکار کھیلتے ہوئے جنگل میں ملاقات ہونے سے پیشتر تھا۔ ہاں عنقریب آپ پھر اُسے اپنی حسین بیوی کے ساتھ دیکھنے والے ہیں ؟"

میں :۔ "دیکھنے والے ہیں ؟ تو کیا اس پہاڑ پر مُردے بھی زندہ ہو جایا کرتے ہیں ؟"

معدن :۔ "نہیں۔ بلکہ بعض مردے یہاں دفن کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں۔ قالون کے والیوں کو بالخصوص یہ رعایت حاصل ہے علاوہ ازیں میرا خیال ہے کہ خانم خطاب الٰہی سے کچھ سوالات بھی کرنا چاہتی ہے ؟"

میں :۔ "خطاب الٰہی کیا ہے ؟"

معدن ـ (مبہم طریقہ سے) "خطاب الٰہی ایک آواز ہوتی ہے۔ وہی آواز یہاں بھی ہے ؟"

میں :۔ "یہ تو درست ہے۔ خانم نے بھی یہی کہا تھا۔ مگر آواز کے وجود سے بولنے والے کا وجود لازم آتا ہے۔ کیا یہ بولنے والی ہستی وہی تو نہیں جسے تم سب لوگ "مادر" کے لقب سے بلاتے ہو ؟"

معدن: "شاید"

میں: "تو کیا یہ مادر کوئی روح ہے؟"

معدن: "اس سوال پر طول طویل مباحثے ہو چکے ہیں۔ شاید میدان کے رہنے والوں نے تمہیں یہ بتایا ہے۔ پہاڑی لوگ بھی یہی سمجھتے ہیں۔ کم از کم یہ نظریہ قرین عقل ضرور ہے کیونکہ ہماری ہستی جسم اور روح سے مرکب ہے خیر تم خود اس کا فیصلہ کر لو گے پھر ہم اس مسئلہ پر گفتگو کر سکتے ہیں..... تمہارا بازو باندھا جا چکا ہے۔ اب ذرا خیال رکھنا کہ اس پر چوٹ نہ لگے یا تم گرنے نہ پاؤ۔ دیکھو تمہارا ساتھی بھی جاگ اُٹھا"

کوئی گھنٹہ بھر کے بعد ہم چڑھائی کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ میں پیرخان کے گھوڑے پر سوار ہوا اور ایمن کے لئے ڈانڈی لائی گئی۔ مگر ایمن نے یہ کہہ کر اس پر سوار ہونے سے انکار کر دیا کہ میں اب آرام حاصل کر چکا ہوں اور عورتوں کی طرح ڈولی میں بیٹھ کر جانا نہیں چاہتا۔ چنانچہ اپنے بھالے سے عصا کا کام لیتے ہوئے ایمن میرے ساتھ ساتھ پیادہ پا روانہ ہوا۔ ہم اس آگ کے گڑھے کے پاس سے گزرے جس میں جادوگر راہب اور اس کی خوفناک بلی کی راکھ سفید خاکستر میں ملی ہوئی پڑی تھی۔ ہمارے کفن پوش رہبر آگے آگے تھے۔ گاؤں کے لوگ جو اب گھروں پر آ گئے تھے اسے دیکھ کر سجدے میں گر گئے اور جب تک ہم گزر نہ گئے وہ اسی حالت میں رہے مگر ان میں سے ایک عورت اُٹھی اور ہمارے ہمراہی راہبوں کے گروہ میں سے چیرتی پھاڑتی ایمن کے پاس پہنچی اور گھٹنوں کے بل گر کر اس کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ یہ وہی نوجوان لڑکی تھی جس کی جان ایمن نے بچائی تھی۔ اس کے بشرے پر شرافت برستی تھی۔ شانوں پر سرخ بالوں کی لٹیں پھیلی ہوئی تھیں اور اس کے پاس اس کا خاوند کھڑا تھا۔ جس کے بازوؤں پر ابھی تک تسمہ کے نشانات باقی تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ واقعہ ہمارے رہبر کو بھی نظر آ گیا۔ مگر خدا جانے کس طرح۔ یہ ضرور ہے کہ وہ پھر اور کچھ اشارہ

کیا۔ جس کی ترجمانی معدن نے کی۔ اس نے اُس عورت کو بلایا اور پوچھا کہ اسے کس طرح اپنے ناپاک ہونٹوں سے اس اجنبی کے ہاتھوں کو چھونے کی جرأت ہوئی + اس نے جواب دیا کہ شکر گزاری کے جذبہ نے اسے مجبور کر دیا + معدن نے کہا کہ "اچھا اس وجہ سے تمہیں معاف کیا جاتا ہے۔ مزید برآں اس نے جو تکالیف برداشت کی ہیں ان کے صلہ میں تمہارے خاوند کو قوم کا سردار بنانے کا حکم ملا ہے اور تا رضائے ناد وہ سردار رہے گا۔ تمام لوگوں کو متنبہ ہو جانا چاہیئے کہ اپنے رواج کے مطابق اپنے سردار کی اطاعت کرتے رہیں۔ اور اگر وہ ظلم و ستم کا شیوہ اختیار کرے تو اطلاع دو تاکہ اُسے سزا دی جائے + یہ کہہ کر اس نے دونوں کو پیچھے ہٹا دیا اور اُن کا شکریہ اور لوگوں کے نعرے سُنے بغیر قافلہ کو روانہ کر دیا +

جس وادی میں سے گزر کر ہم گزشتہ شب گاؤں میں پہنچے تھے۔ ہم اس میں سے گزر رہے تھے کہ ہمارے کانوں میں گانے کی آواز آئی۔ موڑ پر پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ سامنے سے ایک انبوہ چلا آرہا ہے۔ جن کے آگے آگے حسین خانم بہ نفس نفیس گھوڑے پر سوار آرہی تھی۔ اس کے پیچھے اس کا بوڑھا ماموں ساحر سیمبری تھا۔ ان دونوں کے بعد سفید لباس سے منڈھے ہوئے راہبوں کا گروہ تھا جنہوں نے ایک جنازہ اُٹھا رکھا تھا جس پر خان کی لاش سیاہ کفن پہنے منہ کھولے پڑی تھی۔ خان کا چہرہ اس وقت زندگی کی نسبت زیادہ اچھا معلوم ہوتا تھا کیونکہ موت نے اس مخبوط الحواس مجنون کے چہرے میں وہ شان پیدا کر دی تھی جس کا زیست میں وہ محتاج رہا +

یوں ہماری دوبارہ ملاقات ہوئی۔ ہماری رہبر کے سفید جسم کو دیکھ کر خانم کا گھوڑا اس زور سے بدکا کہ میں سمجھا خانم اب گری۔ مگر اس نے چابکدستی اور اپنی آواز سے اُسے سنبھال لیا اور پکار کر کہا:۔

"یہ کون کفن پوش فقیرنی ہے جسے خانم شمسہ اور اس کے متوفی خاوند کا

راستہ روکنے کی جرأت ہوئی ہے۔ میرے مہمانو! میں تمہیں بڑی مصاحبت میں دیکھتی ہوں کیونکہ میں سمجھتی ہوں کہ کوئی خبیث روح تمہاری کسی بدقسمتی کی طرف رہبری کر رہی ہے۔ تمہاری رہبر یقیناً کوئی قابل نفرت شے ہے کیونکہ اگر وہ کوئی حسین عورت ہوتی تو اپنا مُنہ چھپائے نہ پھرتی۔"

اس موقع پر سمبری نے اس کی آستین کو جھٹکا دیا اور راہب معدن نے جھک کر التجا کی کہ "خدا کے لئے خاموشی اختیار کیجئے اور ایسے بدفال الفاظ زبان سے نہ نکالئے ورنہ خدا جانے ہوا ان الفاظ کو کہاں لے جائے گی۔"

مگر شمسہ پر نہ جانے کس جبلی نفرت کا جذبہ قابو پا گیا تھا کہ اس نے زبان بند نہ کی۔ بلکہ ہماری رہبر سے صاف تو تکار سے مخاطب ہوئی۔ اور چلّا کر کہا:۔

"ہوا کی جہاں مرضی ہو میرے الفاظ لے جائے۔ ساحرہ! ان چیتھڑوں کو اتار کر مجھ سے آنکھ ملا۔ یہ کفن تو کسی مردے کا مال معلوم ہوتا ہے۔ ذرا صورت تو دکھا۔ دیکھوں تو ہے کیا چیز۔ بُوم صورت ہستی! تو مجھے اس موت کے بھیس سے ڈرانا چاہتی ہے۔ جو صرف تیری نحوست کو چھپائے ہوئے ہے۔"

راہب معدن پر پہلی دفعہ اضطراری کیفیت پیدا ہوئی اور اس نے کہا "بس بس۔ خانم۔ خاموش۔ یہی تو حاکم ہے اور اسی کو قوت حاصل ہے" خانم "قوت حاصل ہے تو مجھے" شمسہ۔ خانم قالون کو کیا؟ قوت! دیکھیں اس میں کونسی قوت ہے۔ اگر ہے تو اس کی ذاتی نہیں بلکہ پہاڑ کی ساحرہ کی قوت ہے۔ جو روح ہونے کا ادعا کرتی ہے۔ اور جس نے اپنی جادوگریوں سے میرے مہمانوں کو کھینچ بلایا۔ اور میرے خاوند کی جان ضائع کرائی۔"

بوڑھے ساحر سمبری نے کہا "بھابھی! خدا کے لئے چپ رہو" اس کے جھریاں پڑے ہوئے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ معدن نے اپنے ہاتھ اس طرح اوپر کو اٹھائے گویا وہ کسی غائب قوت سے دعا کر رہا

ہے اور کہا:۔

"اے وہ جو دیکھنے والا اور سننے والا ہے میں التجا کرتا ہوں کہ اس عورت پر رحم کر اور اس کا گناہ معاف کر۔ کہیں مہمان کے خون میں تیرے خدمتگاروں کو ہاتھ نہ رنگنے پڑیں۔ اور ہماری عبادتوں کی قدیم شاندار روائتیں افسانوں کی نگاہوں میں مضحکہ انگیز نہ نظر آنے لگیں"۔

معدن ان لفظوں میں دعا مانگ رہا تھا۔ اور اگرچہ اس کے ہاتھ اوپر کو اٹھے ہوئے تھے مگر اس کی نگاہیں ہماری نظروں کی طرح ہماری رہبر پر جمی ہوئی تھیں۔ جب کہ وہ بول رہا تھا میں نے دیکھا کہ اس کا بازو اٹھا بالکل اسی طرح جس طرح اس وقت اٹھا تھا جب اس نے پہاڑیوں کے راہب پر موت کا فتوےٰ دیا تھا۔ پھر وہ کسی سوچ میں مستغرق ہو گئی اور راستے میں اس کا ہاتھ ٹھہر گیا اور خانم کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ نہ وہ ہلی نہ اس نے کوئی آواز نکالی۔ صرف اشارہ کیا اور شمسہ کی زبان پر غصہ سے بھرے ہوئے الفاظ آتے آتے رک گئے۔ اس کی آنکھوں کا جوش کافور ہو گیا۔ اور چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ واقعی اس کی خاموشی اور چہرے کی زردی مردہ خان کے مشابہہ ہو گئی۔ اس غائب طاقت سے عاجز ہو کر وہ اس قدر گھبرائی کہ اس نے گھوڑے کے زور سے کوڑا لگایا اور گھوڑا اچھل کر سرپٹ ہمارے قریب سے ہوتا ہوا گاؤں کی طرف ہوا ہو گیا جہاں اس جنازے کے ساتھیوں کو کچھ دیر آرام کرنا تھا۔

جب سمبری اس کے پیچھے چلا تو معدن نے اس کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور کہا:۔

"ساحر۔ ہم پہلے بھی مل چکے ہیں مثلاً اس وقت جب تمہاری خانم کا باپ دفن کرنے کے لئے لایا گیا تھا۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خانم کو متنبہ کر دینا کہ وہ آئندہ اس سرزمین کی مالکہ کی شان میں گستاخی کی مرتکب نہ ہو۔ تمہیں اس کی قوتوں اور طاقتوں سے کسی حد تک وقوف حاصل ہے۔

میری طرف سے اُس سے کہہ دینا کہ اگر وہ جنازے کے ساتھ نہ ہوتی اور اس وجہ سے مستثنےٰ نہ سمجھی جاتی تو یقیناً وہ بھی اپنے خاوند کے ساتھ جنازہ بنا دی جاتی۔ اچھا رخصت! کل کو پھر ملاقات ہوگی"۔ یہ کہہ کر اس نے لگام چھوڑ دی اور آگے بڑھ گیا ×

جنازے والے بہت ہمارے پیچھے رہ گئے اور ہم وادی میں سے نکل کر برفانی چڑھائی کی طرف بڑھے۔ جب ہم اس تاریک وادی میں سے نکل کر دیار کے گھنے جنگل میں پہنچے تو میں نے دیکھا کہ ہماری رہبر غائب ہے۔ میں نے معدن سے پوچھا کہ:۔

"کیا وہ خانم سے بحث کرنے کے لئے واپس چلی گئی ہے"؟

معدن:۔"نہیں! میرا خیال ہے کہ وہ آگے اطلاع دینے کو چلی گئی ہے کہ عزا کے مہمان قریب آپہنچے ہیں"×

میں نے پہاڑی کی سامنے والی چڑھائی پر نظر دوڑائی۔ یقیناً وہاں سے چوہا بھی بغیر نظر آئے گزر نہیں سکتا تھا۔ تاہم میں نے کہا کہ:۔"ہاں میں سمجھ گیا وہ آگے چلی گئی ہے"۔ اور معاملہ یہیں ختم ہو گیا لیکن حقیقت یہ تھی کہ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر وہ گئی کس طرح۔ البتہ پہاڑ میں جا بجا غار اور سرنگیں موجود تھیں۔ میں نے قیاس کر لیا کہ وہ ان میں سے ایک میں داخل ہو گئی ہے ×

دن کے باقی حصہ میں ہم برابر سفر کرتے گئے۔ اور رفتہ رفتہ حد برف کے قریب پہنچ گئے۔ راستے میں جو کچھ ممکن ہو سکا راہب معدن سے دریافت کیا۔ اس سب دریافت کا خلاصہ یہ ہے:۔

اس کے بیان کے مطابق ابتدائے آفرینش سے یعنی ہزارہا سال سے یہ پہاڑ ایک خاص قسم کی آتش پرستی کا مرکز رہا ہے۔ اس پرستش کی بانی مبانی ایک عورت تھی۔ مگر بیس صدی پیشتر حملہ آور سردار رشان نے قالون کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ رشان نے پہاڑ پر ایک نئی کاہنہ کو آباد کیا جو جزائر یونان کے آئیس

مصری الہٰتہ کی پجاری تھی۔ اس کاہنہ نے قدیم اصول میں کچھ ترمیمات کیں یعنی سادی آتش پرستی پر اس نے جدید طریق عبادت کو فوقیت دی۔ جس کی رو سے بعض قدیم رسوم کے پہلو بہ پہلو روح حیات یا فطرت کی عبادت کا اضافہ ہوگیا۔ اور اُسی کو لوگ اپنا خدا سمجھنے لگے اور کاہنہ کو اس کا نمایندہ یا اوتار تصور کرنے لگے ✤

اس کاہنہ کے متعلق معدن نے صرف اس قدر بتایا کہ وہ ہر وقت حاضر و ناظر رہنے والی ہے۔ اگرچہ ہم نے یہ بھی پتہ چلا لیا کہ جب ایک کاہنہ مرتی تھی تو اس کی اپنی بیٹی یا متبنےٰ بیٹی اس کی جانشین قرار پاتی تھی۔ جسے انہی القاب سے پکارا جاتا تھا یعنی "عوا" یا "مادر"۔ ہم نے پوچھا کہ آیا ہم اس مادر کو دیکھ سکیں گے۔ تو اس نے جواب دیا کہ وہ شاذ و نادر ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی شکل و شباہت اور ظاہری خصائل کے متعلق اس نے سوا اس کے کچھ نہ کہا کہ اس کی صورت وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتی رہتی ہے اور جب وہ استعمال کرنا چاہتی ہے تو وہ ہر قسم کی طاقت استعمال کرسکتی ہے ✤

اُس نے بتایا کہ اس کے دارالعلم میں بے کم و کاست تین سو راہب اور تین سو ہی راہبات موجود رہتی ہیں۔ ان میں سے جو چاہیں انہیں شادی کی بھی اجازت ہے اور ان کی اولاد میں سے آیندہ راہبوں کا شمار پورا کیا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ لوگ ایک جداگانہ نسل کے تھے جن میں بعض نسبی خصوصیات اُنہیں باقی آبادی سے ممیز کرتی تھیں + یہ بالکل بدیہی بات تھی کیونکہ ہمارے ہمراہی سب مشابہہ صورت رکھتے تھے ان کی آنکھیں سیاہ خد و خال صاف اور رنگ گندمی تھا۔ اور بالعموم سب خوب صورت اور وجیہہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یا اعلیٰ مشرقی نسل کے لوگ ہیں جن میں مصر اور یونان کا خون شامل ہے ✤

ہم نے اُس سے پوچھا کہ آیا جو حلقہ پہاڑ کی چوٹی پر نظر آتا ہے۔ وہ انسانی ہاتھوں کا تعمیر کردہ ہے تو اس نے نفی میں جواب دیا اور بتایا کہ یہ

قدرت کی صناعی ہے اور جو روشنی اس میں سے نکلتی ہے۔ وہ اس آگ سے پیدا ہوتی ہے جو کوہ آتش فشاں کے دہانہ میں ہر وقت مشتعل رہتی ہے۔ پہلی کاہنہ نے اس عظیم الشان مینارے کی صورت میں مصری عبادت کے نشانِ حیات کی مشابہت دیکھ کر اپنی عبادت گاہ اس کے سائے میں قائم کی۔

باقی پہاڑ کے وسیع دامن اور اس کے ساتھ لگتی ہوئی چڑھائیاں نیم وحشی قوموں سے آباد ہیں۔ جنہوں نے عزا کی حکومت کو قبول کر لیا ہے اور خراج میں غلہ اور دھاتیں پیش کرتے رہتے ہیں۔ مگر زیادہ تر غلہ کی پیداوار اور جانوروں کی پرورش کا کام راہب لوگ خود مخصوص کھیتوں اور چراگاہوں کے ذریعہ سے کرتے ہیں۔ اور دھاتوں کا سامان اپنے ہاتھ سے بناتے ہیں۔ یہ حکومت اصل میں روحانی حکومت تھی۔ کیونکہ صدیوں سے اس دارالعلم نے وسیع سلطنت کا خیال تک نہ کیا تھا اور مادر جرائم کی سزا اس طریقہ سے دے کر اطمینان کر لیتی تھی جیسا کہ ہم مشاہدہ کر چکے تھے۔ یہ لوگ میدان کے لوگوں اور پہاڑ کے باشندوں کے باہم فسادات اور خونریزیوں کے ذمہ وار نہ تھے۔ جو سردار قبیلہ اس قسم کی جنگ کا مرتکب ہوتا تھا تخت سے اُتار دیا جاتا تھا۔ بشرطیکہ اوّل اس پر حملہ نہ ہوا ہو۔ البتہ تمام قبیلے عزا اور اس کے دارالعلم کی حفاظت کے پابند تھے۔ آپس میں خواہ وہ دن رات لڑتے رہیں مگر ضرورت کے وقت آخری انسان تک عزا کی حفاظت کے لئے سر کٹانے کو تیار رہتا تھا۔ یہ سب کو یقین تھا کہ کسی نہ کسی دن دارالعلم کے راہبوں اور قالون کے باشندوں میں معرکہ ہوگا۔ اس وجہ سے وہ سب ہر وقت اس آخری جنگ کے لئے سربکف رہتے تھے۔

یہ تھا جو کچھ معدان نے ہمیں بتایا اور بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ حرف بحرف درست تھا۔

* * * * * * * *

شام کے قریب ہم ایک مسطح قطعہ پر پہنچے جو بہت فراخ تھا اور چاروں

طرف سے گھرا ہوا تھا۔ یہ سطح بہت زرخیز تھی۔ ارد گرد کی بلند چوٹیوں اور پہاڑوں نے اسے ایسا محفوظ بنا دیا تھا کہ باوجود اس بلندی کے جس پر یہ واقع تھا۔ یہاں معتدل آب و ہوا کے پیدا ہونے والے غلے کاشت ہو سکتے تھے۔ اس خطہ میں دارالعلم کی کھیتیاں واقع تھیں۔ جن کی کاشت اعلیٰ پیمانہ پر تھی۔ اس قطعہ میں جو نشیب سے نظر نہیں آتا تھا ہم ایک قدرتی راستے سے داخل ہوئے جو عندالضرورت دشمنوں کے مقابلہ میں خوب قابل مدافعت تھا +

اس کی اور بھی بہت سی خصوصیات تھیں۔ مگر ان کا تفصیلی ذکر باعث طوالت ہے۔ صرف اس قدر بات اور قابل ذکر ہے کہ آتش فشاں پہاڑ کی حرارت سے یہ قطعہ زمین مستفید رہتا تھا اور جب پہاڑ کی آگ میں جولانی ہوتی تھی تو لاوا اس کے شمال اور جنوب کی طرف بہہ جاتا تھا اور یقیناً جو بلندیاں اس کے گرد واقع تھیں۔ وہ لاوے ہی سے بنی ہوئی تھیں +

اس زرخیز خطہ سے گزر کر ہم ایک آبادی میں پہنچے جس کے مکانات خوبصورتی کے ساتھ پتھروں سے تعمیر شدہ تھے۔ یہاں راہب رہتے تھے سوائے ان کے جو دارالعلم میں مامور تھے۔ اجنبیوں یا پہاڑی قبیلوں کے لوگوں کو یہاں قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی +

اس قصبہ کے صدر کوچے میں سے ہو کر ہم سامنے کی سر بفلک چوٹی کے دامن میں پہنچے یہاں ایک عظیم الشان محرابی دروازہ تھا جس کا مضبوط آہنی پھاٹک بند تھا۔ یہاں صدر ان کے سوا باقی راہب میرا گھوڑا ساتھ لے کر چلے گئے۔ جب ہم پھاٹک کے قریب پہنچے تو وہ خود بخود کھل گیا۔ ہم اس تاریک راستے میں داخل ہو کر آگے بڑھے۔ دل میں نا قابل بیان خیالات کا ہیجان تھا۔ یہ راستہ چھوٹے آہنی دروازوں پر ختم ہو گیا۔ جا قریب پہنچے پر یہ دروازے بھی خود بخود کھل گئے۔ ان کے کھلتے ہی اندر کی نظر پڑی تھی سخت حیرت زدہ ہو کر اور چند صدیاں کہ ہم پیچھے ہٹے۔ اللہ اللہ کس قدر حیرت انگیز تھی

تھی۔

ناظرین! اس مندر کی وسعت کا کیا ذکر کیا جائے۔ بڑی سے بڑی مسجد بڑے سے بڑے گرجا کو ذہن میں رکھ کر اس کا تین گنا یا چار گنا تصور کیجیے پھر کچھ اندازہ اس کی وسعت کا خیال میں آسکتا ہے۔ شاید ابتدا میں یہ کوئی قدرتی غار ہوگا۔ مگر اب اس کی صاف بلند دیواریں اور لاتعداد مضبوط عظیم الشان ستون جو اوپر چھت سے ملے ہوئے انسانی دستکاری کا نتیجہ تھے۔ جو یقیناً ہزاروں سال پہلے کے آتش پرستوں کی بے نظیر کاریگری کا نمونہ تھے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اتنی کشادہ جگہ کس طرح اس قدر منور تھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ آپ کے ذہن میں اس روشنی کی وجہ نہیں آسکتی۔ اس روشنی کا منبع بھڑکتے ہوئے شعلوں کے پیچیدہ مینار تھے۔ میں نے ایسے اٹھارہ مینار شمار کئے۔ ممکن ہے کہ ان کے علاوہ اور بھی ہوں۔ یہ مینار فرش میں سے نکلتے تھے۔ اور پھر سیدھی قطاروں میں دور دور برابر برابر فاصلہ پر واقع تھے۔ زمین سے نکل کر چھت تک ہموار موٹائی کے ساتھ چلے جاتے تھے جہاں جا کر یہ چٹان میں کھودے ہوئے سوراخوں میں غائب ہو جاتے تھے۔ اس سے اس قوت کا اندازہ ہو سکتا تھا۔ جو نیچے سے اس آگ کو دھکیل رہی تھی۔ ان میں سے نہ کوئی بو نکلتی تھی نہ دھواں پیدا ہوتا تھا۔ اور نہ کوئی خاص گرمی ہی ان کی وجہ سے محسوس ہوتی تھی۔ صرف سفید تیز روشنی تھی جیسے پگھلے ہوئے لوہے کی ہوتی ہے۔ اور خاص قسم کی سرسراہٹ کی آواز پیدا ہوتی تھی۔ گویا لاکھوں سانپ پھنکار رہے ہیں۔

یہ وسیع مکان بالکل خالی اور سنسان تھا۔ اور سوائے اس سرسراہٹ کی سمع نواز آواز کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ اس کی وسعت، روشنی اور خاموشی دلوں پر رعب ڈال رہی تھیں۔ ایمن نے ہاتھ سے آنکھوں پر سایہ کر کے عمران سے پوچھا۔ کبھی یہ نور کے سرچشمے بجھ بھی جاتے ہیں؟

راہب نے جواب دیا۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ جب کہ ان کا منبع ازلی آتش ہے۔ جس کی پرستش اس مندر کے بنانے والے کیا کرتے تھے۔

ازل سے یہ اسی طرح روشن چلے آرہے ہیں اور ابد تک اسی طرح روشن رہیں گے
البتہ وقت ضرورت ان کی روشنی بند کی جا سکتی ہے۔ ذرا میرے ساتھ آگے
چلو۔ تمہیں ان سے بھی بڑے عجائبات نظر آئیں گے"۔

چنانچہ خاموشی کے ساتھ ہم معدن کے پیچھے چلے۔ لعمر اللہ اس وسیع
مکان میں جو برق نما روشنی سے منور تھا ہماری تین انسانی ہستیاں کس قدر
تنہا اور ضعیف نظر آتی تھیں۔ جب ہم اس کے پرے کنارے پر پہنچے تو معلوم
ہوا کہ دونوں طرف ایسے ہی وسیع پیمانے پر اسی طرح روشن راستے جاتے
تھے۔ یہاں پہنچ کر معدن نے ہمیں ٹھہرنے کو کہا۔ اور ہم تھوڑی دیر خاموش
کھڑے رہے۔ اتنے میں دونوں طرف سے گانے کی آواز آئی . . . . . .
. . . . ہم نے دیکھا تو دونوں طرف سے سفید
پوش انسانوں کی قطاریں اس طرف کو آرہی تھیں۔ یہ سب آہستہ آہستہ
آرہے تھے۔ ہم نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ دائیں طرف سے مرد اور
بائیں طرف سے عورتیں آرہی تھیں۔ سب کی مجموعی تعداد سو کے قریب ہوگی۔
مرد قریب آکر ہمارے سامنے قطار باندھ کر کھڑے ہوگئے اور عورتیں
پس پشت۔ معدن نے اشارہ کیا اور ہم آگے بڑھے۔ تمام مرد اور عورتیں
اسی طرح ایک وحشت آفرین راگ گا رہی تھیں۔ اس وقت ہم ایک نسبتاً
تنگ راستے کو عبور کر رہے تھے۔ جس کے اخیر پر دوہرا لکڑی کا دروازہ
تھا۔ جب ہمارا جلوس قریب پہنچا تو یہ دروازہ کھل گیا اور ہمارے
سامنے اس تعجب انگیز عمارت کا سب سے زیادہ تحیر آفرین حصہ کھل گیا۔
یعنی ایک وسیع بیضاوی محیط کی صورت کا چبوترہ تھا۔ اب ہماری سمجھ میں آیا

لہ میں نے بعد میں پتہ چلایا کہ روشنی بند کرنے کے لئے بڑے بڑے پتھر زنجیروں میں بندھے
ہوئے استعمال ہوتے تھے۔ زنجیریں چرخیوں پر چڑھی ہوئی تھیں۔ وقت ضرورت
فرش کے سوراخوں پر پرانی زنجیروں کے ذریعہ سے پتھر رکھ دئے جاتے تھے جن سے
روشنی بند ہو جاتی تھی۔ (مصنف)

کہ اس عمارت کا نقشہ اس مینار کی صورت پر بنایا گیا ہے جو پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا تھا۔ اور میرے اندازے (جو بعد میں صحیح ثابت ہوا) پیمائش میں بھی اس کے منطبق تھا۔ اس محیط کے گرد برابر برابر فاصلے پر اسی قسم کے آتشیں مینار موجود تھے۔ ان کے علاوہ وہ جگہ خالی تھی۔

نہیں۔ بالکل خالی نہیں تھی بلکہ اس چبوترے کے اخیر پر دو آتشین میناروں کے بیچ میں ایک محراب عبادت مربع کمرے کی شکل کی تعمیر شدہ تھی۔ زیادہ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس محراب عبادت کے سامنے نقرئی تاروں سے بنے ہوئے پردے آویزاں تھے۔ اور اس محراب کے اوپر ایک بڑا چاندی کا بت نصب تھا جس کی کمر پیچھے چٹانی دیوار سے لگی ہوئی تھی اور اس کی مجلا سطح پر دونوں آتشین میناروں کی روشنی پڑ کر مجتمع اور منعکس ہو رہی تھی۔

یہ بت بہت خوب صورت تھا مگر اس کی ہیأت کا بیان محالات سے ہے۔ اس کی صورت جو پر دار برہنہ عورت کی سی تھی۔ بہت شاندار تھی۔ اس کا جسم آگے کو جھکے ہوئے پروں سے نیم پوشیدہ تھا۔ ان پروں میں چھپا ہوا مگر دونوں کے بیچ میں سے نمایاں ایک نرینہ بچہ تھا۔ جسے وہ بائیں ہاتھ سے سینے کے ساتھ چمٹائے ہوئے تھی اور دایاں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھی۔ یقیناً یہ بت شفقت مادری کا مجسمہ تھا۔ مگر جو کچھ ان کی ساخت میں ڈھلی ہوئی صورتوں سے ہویدا تھا اس کا بیان کرنا نہایت ہی مشکل ہے۔ پہلے بچہ کا ذکر سنئے۔ یہ تصویر ایک مضبوط قوا والے بچے کی تھی جس کی بناوٹ سے صحت اور سرور حیات کا تصور ذہن میں آتا تھا معلوم ہوتا تھا کہ وہ سو رہا تھا کہ خواب میں دہشت نے اس پر غلبہ کیا جس میں موت اور گناہ کی کارفرمائی بھی تھی۔ اس کے خوب صورت منہ کے گرد کے خطوط اس کے ہونٹوں اور اس کے رخساروں سے خوف و دہشت کے آثار نمایاں تھے۔ وہ اپنی ننھی سی بانہہ ماں کے گلے میں ڈالے ہوئے تھا اور اس کی چھاتی سے

چمٹ کر اس کے چہرے کی طرف حفاظت کی غرض سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ اور بڑھی ہوئی اُنگلی نیچے کی طرف پیچھے کو اشارہ کر رہی تھی گویا اس طرف سے خطرہ کا اندیشہ ہے۔ مگر یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ دہشت جا رہی ہے بلکہ قریباً نصف کے قریب ذہن سے نکل چکی ہے کیونکہ آنکھوں سے اعتماد اور اطمینان قلب کا نُور جھلک رہا تھا۔

ماں کی کیفیت یہ تھی کہ وہ بچے کے خوف و دہشت کو مذاق یا غصہ میں نہیں اُڑا رہی تھی بلکہ اس کے حسین چہرے پر تفکر و انتشار کے آثار موجود تھے۔ باوجود اس کے اس کی صورت سے نہ بدلنے والے حلم اور نہ مغلوب ہونے والی قوت مترشح تھی۔ بیکسوں سے ہمدردی اور ان کو مصائب سے بچانے کا ارادہ ٹپکا پڑتا تھا۔ بڑی بڑی ساکن آنکھیں اپنی کہانی آپ بیان کرتی نہیں۔ کھلے ہوئے لب کسی غیر فانی اور یقینی امید کا فسانہ بیان کر رہے تھے۔ اور اُٹھا ہوا ہاتھ اس امید کے منبع کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ محبت اس جھکے ہوئے مجسمہ پر مرکوز نظر آتی تھی۔ جو اگرچہ انسانی صورت میں تھا مگر ملائے اعلیٰ سے ملحق نظر آتا تھا۔ اور ان لرزتے ہوئے پروں کے سامنے بہشت کا راستہ کھلا دکھائی دیتا تھا۔ مُڑا ہوا گھٹنا۔ اوپر کو اُٹھتا ہوا پاؤں ظاہر کرتا تھا کہ وہاں جانے کی ہی تیاری ہے۔ کہ خدا کے دئیے ہوئے بوجھ کو بلیات ارضی سے مصئون و مامون کر کے اوپر کی ابدی راحت میں لے جائے۔

اگرچہ یہ بت ایک خوفزدہ بچے کا اپنی ماں کی گود میں ہونا ظاہر کرتا تھا مگر مصور نے اپنے کمال سے اس کے مفہوم کو اس قدر واضح کر دیا تھا کہ غبی سے غبی ذہن بھی اس کی اصلی حقیقت کو ایک نظر میں سمجھ سکتا تھا یعنی دستِ قدرت میں انسانی ہستی کی حفاظت۔

ہم اس تصویر کے تحیر آفرین حسن کا نظارہ کر رہے تھے کہ راہبان اور راہبات نے اس بیضاوی چبوترے کے گرد صف باندھ لی اور روشنی کے

آتشیں مینار وں کے اندر اس ترتیب سے کھڑے ہو گئے کہ پہلے ایک مرد پھر عورت پھر مرد پھر عورت۔ علی ہذا القیاس + اس چبوترے کی فراخی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے محیط کے گرد یہ سو انسان ایک دوسرے سے طویل فاصلوں پر کھڑے ہوئے ہمیں ایسے معلوم ہوتے تھے گویا چھوٹے چھوٹے بچے سفید رنگ کی پوشاکیں پہنے کھڑے ہیں۔ اور ان کے راگ کی آواز یوں سنائی دیتی تھی جیسے دور سے کسی آواز کی گونج سنائی دیتی ہے + مختصر یہ کہ اس مقدس عبادت گاہ اور اس کے عجائبات و ساکنان کا مجموعی اثر اس قدر رعب افگن تھا کہ میرے دل میں کم از کم خوف کے آثار پیدا ہو گئے +

جب سب راہب اپنی اپنی جگہ پہنچ گئے تو معدن نے ہمیں مخاطب کر کے اپنی نرم اور مہذب آواز میں کہا :۔

" محبوب مسافرو! اب آگے بڑھو اور مادر کی خدمت میں کورنشات بجا لاؤ "+

ایپن نے پوچھا "مادر کہاں ہے۔ مجھے کوئی نظر نہیں آتا "+

معدن نے کہا "عزا یہاں رہتی ہے" اور ہمارے ہاتھ تھام کر اس وسیع چبوترے پر سے گزرتے ہوئے اس کے پرے کنارے پر محراب عبادت کی طرف لے چلا +

جب ہم آگے بڑھ رہے تھے تو راہبوں کا راگ زیادہ بلند اور خوش آہنگ ہو گیا اور میرے خیال میں ان آتشیں میناروں کی روشنی میں بھی تیزی پیدا ہو گئی۔ یا شاید یہ صرف واہمہ ہو + آخر ہم وہاں پہنچ گئے۔ معدن نے ہمارے ہاتھ چھوڑ دئے اور محراب عبادت کے سامنے دو زانو ہو کر تین سجدے کئے۔ پھر وہ کھڑا ہو گیا اور ہمارے پس پشت سر جھکا کر اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ ہم بھی خاموش کھڑے تھے اور ہمارے دل بیم و رجا سے لبریز تھے +

کیا ہماری محنتوں کا نتیجہ برآمد ہو گیا تھا۔ اور ہم اس کے قریب پہنچ چکے تھے

جس کی جستجو میں اتنی خاک چھانی تھی۔ یا ہماری تقدیر نے ہمیں کسی بت پرست قوم کے جال میں پھنسا دیا تھا۔ جہاں ہم پر کسی نئے پراسرار اور غیر معروف طریق عبادت کے راز افشا ہونے والے تھے۔ ہم نے اس جستجو میں سالہا سال ہزاروں روحانی اور جسمانی مصائب برداشت کئے تھے اور اب وقت آگیا تھا کہ ہمیں ہماری سعی کے بامراد یا لاحاصل ہونے کا علم حاصل ہو۔ ابین کواب پتہ لگنے والا تھا کہ آیا اس سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ پورا ہوگا یا وہ ہستی جس کا وہ والہ وشیدا تھا ایک خواب و خیال تھی جس کی جستجو قبل از مرگ فضول تھی۔ اگر ان خیالات کے ہیجان میں وہ کانپنے لگ گیا ہو اور اس کا چہرہ سفید ہوگیا ہو تو کچھ تعجب نہیں۔

اُف یہ انتظار کی گھڑیاں کس قدر طویل ہوگئیں۔ گھنٹے۔ سال۔ قرن صدیاں گزرتی معلوم ہوتی تھیں اور ہم ان چمک دار نقرئی پردوں کے سامنے کھڑے تھے۔ جو اس تاریک محراب عبادت کو چھپائے ہوئے تھے جس کے اوپر پراسرار چاندی کے بت کا محبت اور رحم سے متبسم چہرہ مسکرا رہا تھا۔ ہم امید و بیم کی تاریک وادیوں میں سرگرداں تھے اور تمام گذشتہ واقعات یکے بعد دیگرے ہمارے ذہنوں میں گزر رہے تھے۔ اس داستان کا ایک ایک حرف اور ہر ہر واقعہ ترتیب وار ہمارے دلوں میں آ آ کر گزر رہا تھا جو کور کی غاروں میں شروع ہوئی تھی۔ اس طویل صحبت سے ہمارے خیالات میں منطبق ہونے اور ایک دوسرے پر عیاں ہو جانے کی قوت پیدا ہوگئی تھی۔

اس وقت ہم پر ایک اور کشف ہوا وہ یہ کہ ہمارے خیالات میں ایک اور قلب بھی حصہ لے رہا ہے۔ ہمیں سوائے محراب عبادت اور بت کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ نہ سوائے رہبان و راہبات کے گیت اور بینارہ ہائے آتش کی سرسراہٹ کے کچھ سنائی دیتا تھا۔ مگر ہمارا دل گواہی دے رہا تھا کہ ہمارے خیالات کا سلسلہ ایک اور ہستی کی نظروں میں کھلی

ہوئی کتاب کی طرح ظاہر اور روشن ہے +

باب چہاردہم

دار القضا

در رہِ عشق نشد کس بہ یقیں محرمِ راز
ہر کسے بر حسبِ فہم گمانے دارد

اب پردہ اُٹھا اور اس کے پیچھے ایک حجرہ سا نمودار ہوا۔ جو اس محراب عبادت میں کھود کر بنایا گیا تھا + اس صحرا کے بین وسط میں ایک تخت شاہی بچھا ہوا تھا۔ جس پر ایک انسانی صورت سفید براق لباس میں ملبوس بیٹھی نظر آئی۔ یہ لباس تخت کے بازوؤں کے اُوپر اُس مجسمہ کے سر سے تخت کی سنگ مرمر کی سیڑھیوں تک پھیلا ہوا لہرا رہا تھا + یہاں نسبتاً تاریک جگہ ہونے کی وجہ سے یہاں سوائے اس کے اور زیادہ تفصیلات نظر نہ آسکیں کہ اس "خطاب الٰہی" کے ہاتھ میں ایک جڑاؤ نگینہ نما سرے والا سونے کا عصائے مملکت تھا +

ہنگامی جذبہ سے مغلوب ہو کر ہم بھی معدن کی پیروی میں دوزانو ہو گئے۔ اور اسی حالت میں رہے۔ یہاں تک کہ ہمارے کانوں میں چھوٹے چھوٹے گھنگروؤں کی جھنکار سنائی دی۔ اوپر کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ نگینہ دار عصا جامہ پوش یا دو نے ہماری طرف پھیلا رکھا تھا + پھر ایک باریک مگر صاف آواز سنائی دی۔ مجھے اس میں خاص قسم کا ارتعاش محسوس ہوا + اس آواز نے یونانی زبان میں گفتگو شروع کی مگر اس کی یونانی یہاں کے اور

تمام باشندوں کی یونانی سے بہتر اور صاف تھی + اس نے کہا:-
"سیاحو! میں تمہارا خیر مقدم کرتی ہوں۔ تم نے اس قدیم ترین عبادت گاہ کی زیارت کے لئے دُور دراز سفر کے مصائب برداشت کئے ہیں۔ اور اگرچہ بلاشبہ تم کسی اور مذہب کے معتقد ہو مگر تم اس ناچیز ہستی کا جو اس وقت اس عبادت گاہ کی تحطاب الٰہی اور اس کے اسرار کی محافظ ہے احترام کرنے سے شرمسار نہیں ہوئے ہو۔ اب اٹھو اور مجھ سے خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں میں نے ہی تو اپنے ایلچی اور خدمت گذاروں کو تمہاری اس عبادت کدہ تک رہبری کرنے کی غرض سے بھیجا تھا"۔

ہم آہستہ سے اُٹھ کر خاموش کھڑے ہو گئے اور حیران تھے کہ کیا کہیں۔ اتنے میں اُس نے پھر کہنا شروع کیا:-
"مسافر! میں تمہارا خیر مقدم کرتی ہوں۔ (عصا سے ایئن کی طرف اشارہ کرکے) تمہارا نام کیا ہے؟"
ایئن:"مجھے ایئن کہتے ہیں!"
وہ:"ایئن! یہ نام بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ میرے خیال میں ایسے وجیہ انسان کا ایسا ہی نام ہونا چاہیئے اور تم بتاؤ رفیقِ ایئن کہ تمہارا کیا نام ہے؟"
ایئن:"میرا نام حنیف ہے"۔
وہ:"اچھا۔ تو ایئن اور حنیف کہو کہ تم اتنی دُور کس چیز کی جستجو میں آئے ہو"۔

ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور میں نے کہا "ہماری داستان عجیب و طویل ہے۔ ہاں یہ تو فرمائیے ہم آپ کو کس لقب سے پکاریں"۔
وہ:"اس لقب سے جس سے میں یہاں پکاری جاتی ہوں۔

یعنی عزا؟"

"عزا" میں نے دل میں سوچا کہ خدا جانے کہیں اور اس کا کیا نام تھا۔ میں انہی خیالات میں تھا کہ اس نے کہا:۔

"کچھ بھی ہو میں اس داستان کو سننا چاہتی ہوں۔ مگر تمام و کمال آج رات نہیں۔ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں تھکے ہوئے ہو۔ بلکہ مختصراً میرے اجنبی دوستو! بات یہ ہے کہ اس مراقبہ گاہ میں ایسا تواتر اور تسلسل ہے کہ یہاں ماضی اور حال میں کوئی وجہ تمیز نہیں ہے۔ اس لئے میں بیرونی دنیا کا فسانہ سننے کی مشتاق ہوں۔ ایین تم یہ داستان سناؤ۔ اور جسقدر ہو سکے بالاختصار بیان کرو۔ مگر سوائے سچ کے اور کچھ نہ ہو۔ کیونکہ اس ہستی کے سامنے جس کی میں ادنےٰ آلۂ کار ہوں اس کے سوا زبان سے کچھ نہیں نکلنا چاہیئے۔"

ایین "کاہنہ! مجھے تعمیل ارشاد میں کوئی عذر نہیں۔ بہت سال ہوئے جب میرا عنفوان شباب تھا۔ میرے دوست اور دینی باپ حلیف اور میں ایک قدیم تحریر کی ہدایت کے بموجب سفر کر کے ایک عجیب و غیر معروف مقام پر پہنچے اور وہاں ہماری ملاقات ایک صاحب قوت عورت سے ہوئی جو عمر پر قابو پا چکی تھی۔"

عزا "تو وہ عورت بہت بوڑھی اور بدصورت ہوگی۔"

ایین "کاہنہ میں نے عرض کیا ہے کہ وہ عمر پر قابو پا چکی تھی۔ کیونکہ غیر فانی شباب پر اس کا قبضہ تھا۔ وہ بدصورت نہیں تھی بلکہ حسنِ مجسم تھی۔"

عزا "اچھا تو تم اسکے حسن کی وجہ سے اس کی پرستش کرنے لگ گئے ہو گے۔"

ایین "میں اس کی پرستش نہیں کرتا تھا بلکہ اس پر دل و جان سے فریفتہ تھا۔ جو اور بات ہے۔ راہب معدن آپ کی پرستش کرتا ہے اور

آپ کو " مادر " کے لقب سے پکارتا ہے ۔ مگر میں اس غیر فانی عورت پر عاشق تھا "

عزا " اگر یہ بات ہے تو تمہیں اب تک اس پر فریفتہ ہونا چاہیئے تھا اگرچہ ایسا نہیں کیونکہ عشق بہت ہی فانی جذبہ ہے "

ایین " نہیں میں اب بھی اس کا ویسا ہی عاشق ہوں ۔ اگرچہ وہ مر چکی ہے "

عزا " ہیں ! یہ کیا ۔ تم نے تو ابھی کہا تھا کہ وہ غیر فانی ہے "

ایین " میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ مرتی ہوئی نظر آئی یا اُس نے قلب ماہیت کیا ۔ کچھ بھی ہو میرے ہاتھ سے جاتی رہی ۔ اور میں اسی کی تلاش میں ہوں ۔ اور اتنے سال اسی کی جستجو میں گذارے ہیں "

عزا " ایین تم اسے میرے پہاڑ پر کیوں تلاش کرنے آئے ہو "

ایین " اس لئے کہ ایک رویا میں مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں اس پہاڑ کے خطاب الہی سے مشورہ طلب کروں ۔ میں یہاں اپنی گم شدہ محبوبہ کا پتہ پوچھنے آیا ہوں اور یقیناً صرف اسی جگہ میری مقصد براری ہو سکتی ہے "

عزا " اور حنیف ! کیا تم بھی ایسی غیر فانی عورت پر عاشق تھے جس کی بقا بظاہر فنا سے مغلوب ہوئے بغیر نہ رہ سکی "

میں " کاہنہ اعظم ! مجھ سے اس تلاش کی قسم لی جا چکی ہے ۔ اور جہاں میرا متبنیٰ بیٹا جائیگا میں جاؤنگا ۔ وہ حسن کے درپے ہے جو موت کے نتیجہ . . . . "

عزا " (بات کاٹ کر) اور تم اس کے ساتھ ساتھ ہو ۔ اس لئے تم دونو حسن کے اسی طرح درپے ہو جیسے کہ مردوں کا قاعدہ ہے جو ہمیشہ بصارت اور عقل سے عاری ہوتے ہیں "

میں " نہیں اگر مرد بصارت سے عاری ہوتے تو حسن ان کے لئے

بے معنی ہوتا کیونکہ وہ اُسے دیکھ ہی نہ سکتے ۔ اور اگر عقل سے عاری ہوتے تو اُسے دیکھکر انہیں حسن کا ادراک ہی نہ ہوتا ۔ علم اور ادراک غافلوں کا حصہ ہے "

عزا ۔ حنیف تم بہت زود فہم اور تیز گفتار ہو جیسے .... (یہاں اس نے اپنی زبان روک لی اور پھر یکایک کہا) یہ تو کہو کہ میری خادمہ قانون کی خانم نے اپنے شہر میں تم دونو کی خاطر خواہ مہمان داری بھی کی یا نہیں اور یہاں آنے سے میرے حکم کے خلاف روکنے کی کوشش تو نہیں کی "

لیں "ہمیں علم نہیں تھا کہ وہ آپ کی خادمہ ہے ۔ مہمان داری میں تو کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ۔ البتہ اس کے دربار سے ہماری رہائی اور اس طرف کے سفر کا باعث خان کے خونخوار کتے بنے ۔ کاہنہ یہ بتائیے کہ آپ کو ہمارے اس سفر کا کہاں تک حال معلوم ہے "

عزا "(بے پروائی سے) بہت کم ۔ تین مہینے سے زیادہ ہوئے میرے جاسوسوں نے تمہیں دُور کے پہاڑوں پر دیکھا ۔ اور تمہارے پاس چھپ کر تمہارے اس سفر کے متعلق گفتگو کو سُن لیا ۔ اور وہاں سے تیزی سے واپس آکر مجھے اطلاع دی ۔ اس پر میں نے خانم شمسہ اور اس کے بوڑھے جادوگر ماموں کو جو حارس الباب ہے حکم بھیجا کہ قانون کے قدیم دروازوں سے باہر جاکر تمہیں استقبال کرکے لے آئیں اور فوراً میرے پاس بھیجدیں ۔ لیکن اُس شوقِ دریافت کے مقابلہ میں جو تمہارے سینوں میں مشتعل تھا تمہارا یہاں اتنی دیر میں پہنچنا بہت ہی تحیّر آفریں ہے "

ایمن "عزا ۔ ہم سے جہاں تک ہو سکا ہم نے جلدی پہنچنے کی کوشش کی اور اگر آپ کے جاسوس اُن پہاڑوں پر جا سکتے تھے ۔ جہاں انسان کا نام و نشان تک نہیں تھا اور پھر وہاں سے واپس آنے کا راستہ بھی جانتے تھے ۔ تو یقیناً وہ ہماری اس تاخیر کی وجہ بھی جانتے ہونگے ۔ اس لئے برائے خدا ہم سے اس کے متعلق دریافت نہ کیجئے "

عزا نے "بہت بہتر میں خود شمسہ سے دریافت کرونگی اور وہ بلا شبہ میرے سوال کا جواب دے گی ۔ وہ بھی آپہنچی ہے اور باہر کھڑی ہے ۔ معدن جاؤ خانم کو اندر لے آؤ ۔"

معدن جلدی سے لوٹا اور اُن چوبی دروازوں سے نکل کر غائب ہو گیا ۔ جن سے ہم اس عبادت کدہ میں داخل ہوئے تھے ۔ ایبن نے لرز کر اس وقفہ میں میرے کان میں کہا "اب میرے دل میں یہ خیال آتا ہے کہ کاش ہم یہاں نہ ہوتے ۔ کیونکہ مجھے ہنگامہ برپا ہونے کا خوف ہے ۔"

میں نے کہا "میں تو نہیں سمجھتا کہ ایسا ہو ۔ تاہم جس قدر ہنگامہ برپا ہو اتنا ہی اچھا ہے ۔ کیونکہ اس سے اُس حقیقت کا آشکارا ہونے کی امید ہے ۔ جس کی جستجو میں ہم ہیں ۔ ۔ ۔ ۔" میں یہ کہتے کہتے خاموش ہو کر سوچنے لگا کہ اس عجیب الخلقت کاہنہ نے ابھی یہ کہا تھا ۔ کہ اس کے مخبروں نے پہاڑ پر ہماری باتیں سُنی ہیں حالانکہ ہم نے وہاں سوائے اپنی مادری زبان عربی کے اور کسی زبان کا لفظ بھی نہیں بولا تھا ۔ ممکن ہے اب بھی وہ ہماری باتیں سمجھ جائے ۔ میرا یہ اندیشہ درست ثابت ہوا کیونکہ فوراً ہی عزا نے متانت سے کہا ۔

"حنیف ! تم تجربہ کار جہاں دیدہ ہو ۔ کیونکہ واقعی ہنگامہ حقیقت کا سرچشمہ ہے ۔ اور اس سے سچ اسی طرح نکلتا ہے ۔ جیسے انگور سے شراب ۔"

یہ کہہ کر وہ تو خاموش ہو گئی مگر میں نے بھی آگے گفتگو کرنا خلاف مصلحت سمجھ کر چپ سادھ لی ۔

. . . .

. . . .

دروازے کھلے اور اُن میں سے ایک سیاہ پوش جلوس اندر داخل ہوا

جن کے پیچھے خان کے جنازے کے آگے آگے ساحرہ سمبری تھا۔ اور ان کے بعد شمسہ سر سے پاؤں تک سیاہ نقاب میں روپوش داخل ہوئی۔ جس کے جلو میں سیاہ پوش راہبوں کا ایک اور گروہ تھا۔ اس محراب عبادت کے سامنے جنازہ رکھ کر سب راہب پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ صرف شمسہ اور سمبری جنازے کے پاس کھڑے رہ گئے۔

عزا نے کسی قدر درشت لہجے میں کہا "میری فرمانبردار قانون کی خادم کیا چاہتی ہے؟"

شمسہ نے آگے بڑھ کر متکبرانہ انداز سے گھٹنا موڑا اور کہا:۔

"مادرِ قدیم! مادرِ ازلی! میں تیرے مقدس رتبہ کے سامنے سرِ نیاز جھکاتی ہوں جیسا کہ میرے آباؤ اجداد نسلاً بعد نسلٍ کرتے چلے آئے ہیں۔ (پھر گھٹنا جھکا کر) مادر! یہ متوفی مرد تجھ سے پہاڑ کی آگ میں دفن ہونے کا وہ حق مانگتا ہے جو کہ ابتدا سے شاہانِ سلف کے جنازوں کو عطا ہوتا رہا ہے۔"

عزا "یہ حق جیسا کہ تو نے بیان کیا ہے۔ اس سے پیشتر میری پیشرو کاہنات نے تمہارے بزرگوں کو عطا کیا تھا۔ اب اس کے عطا کرنے سے نہ تیرے مردہ شوہر کے لئے انکار ہو سکتا ہے نہ جب وقت آئیگا تیرے لئے انکار ہوگا۔"

شمسہ "عزا! میں تیرا شکریہ ادا کرتی ہوں اور التجا کرتی ہوں کہ یہ حکم لکھا جائے۔ تو بہتر ہے کیونکہ تیرے مقدس سر پر عمر کی برف باری ہو چکی ہے اور عنقریب ہمیں کچھ عرصہ کے لئے تیری مفارقت برداشت کرنی پڑے گی۔ اس لئے اپنے نشیبوں کو حکم دے کہ وہ اس حکم کو لکھ دیں۔ تاکہ جو عزا تیرے بعد حکمران ہوگی وہ وقت پر اس کی تعمیل کرا سکے۔"

عزا "خاموش! خاموش! جہاں تجھے بہت سے کلام کرنا لازم

ہے وہاں اس طرح زبان چلانا بند کر۔ او بیوقوف لڑکی! تجھے یہ بھی
علم نہیں کہ کل یہ دو روزہ حسن و شباب جس پر تجھے ناز ہے نذرِ آتش
ہو جائیگا۔ میں تجھے خاموشی کا حکم دیتی ہوں اور پوچھتی ہوں کہ بتا
یہ تیرا خاوند کس طرح صیادِ اجل کے پھندے میں آیا؟"

شمسہ۔ اس کے متعلق ان آوارہ گردوں سے دریافت کرو۔ جو اس
کے مہمان تھے ان کے کندھوں پہ اس کے خون کا بار اور زبانِ حال
سے تیرے ذریعہ انتقام کا خواہاں ہے"

امین:"میں نے اُسے حفاظت خود اختیاری کی غرض سے قتل کیا۔ اُس
نے اپنے خونی کتوں کے ساتھ ہمارا شکار کرنے کی کوشش کی' میرے
بازو کی طرف اشارہ کرکے) ان کی یہ نشانی باقی ہے۔ راہب معدن کو
اس کا حال معلوم ہے۔ کیونکہ اس نے اس زخم کی مرہم پٹی کی ہے"

عزرا۔ (شمسہ سے مخاطب ہوکر) "کہو یہ کس طرح وقوع پذیر ہوا؟"

شمسہ۔ (دلیری سے) "میرا خاوند مخبوط الحواس تھا اور انسان کا شکار
کھیلنا اس کی ظالمانہ تفریح تھی"

عزرا:" اچھا۔ اور کیا اُسے رشک بھی تھا؟ نہیں نہیں۔ جو جھوٹ
تیری زبان پر آنے کو ہے اُسے یہیں روک لے۔ امین تو مجھے جواب
دے۔ مگر نہیں میں تجھے اس عورت کا راز افشا کرنے پر مجبور کرنا نہیں
چاہتی جس نے تجھے عشق کا پیغام دیا۔ حنیف! تو بول اور جو کچھ کہنا
سچ کہنا"

میں:" او عزرا! قصہ یہ ہے کہ اس خاتون اور اس کے ماموں ساحر
سمبری نے ہماری جانیں اس دریا کے پانی میں غرق ہونے سے بچائیں
جو قازان کے سرحدی پہاڑوں کے دامن میں بہتا ہے۔ اس کے بعد
ہم بیمار رہے اور بیماری میں ان دونوں نے پوری شفقت سے ہماری
تیمارداری کی مگر خانم میرے متبنّٰے بیٹے پر فریفتہ ہوگئی۔۔۔۔"

یہاں فراخ لبادہ میں ملبوس کاہنہ کا جسم متحرک ہوا اور اس نے پوچھا :۔

"اور کیا تیرا متبنیٰ بیٹا بھی خانم پر فریفتہ ہوگیا۔ کیونکہ مرد ہونے کی حیثیت سے عجب نہ تھا جبکہ بلاشبہ خانم حسین ہے"

میں نے او عزا۔ اس سوال کا جواب وہ خود ہی کچھ بہتر دے سکتا ہے مجھے صرف اس قدر علم ہے کہ اس نے اسی سے بچ کر بھاگنے کی کوشش کی۔ آخر کار خانم نے اُسے انتخاب کے لئے ایک دن کی مہلت دی کہ یا تو موت کو قبول کرے یا اُس کے خاوند کے مرنے پر اُس سے شادی کا وعدہ کرے + ہم نے خان اس کے خاوند سے جو اس سے رشک کرتا تھا امداد لی اور ہم اس پہاڑ کی طرف فرار ہوئے۔ جہاں ہم پہنچنا چاہتے تھے۔ پھر خان نے اپنے کتوں کے ساتھ ہمارا تعاقب کیا۔ کیونکہ وہ مجنون اور کینہ پرور تھا۔ ہم نے اُسے قتل کر دیا۔ اور آگے بڑھے۔ اگرچہ اس خاتون اور اس کے ماموں نے ہمیں روکنے کی انتہائی کوشش کی + یہاں ہمیں ہڈیوں کی وادی میں ایک پُراسرار برقعہ پوش رہبرہ ملی جو ہمیں پہاڑ پر لائی اور جس نے دو دفعہ موت کے پنجے سے ہمیں نجات دلائی۔ یہ ہے ہماری کل داستان"

عزا نے تحکمانہ انداز میں کہا "عورت! اب تو کیا کہتی ہے؟"

شمسہ نے بے باکانہ کہا "کچھ نہیں۔ برسوں میں ایک دیوانہ وحشی انسان سے پابستہ رہی۔ اگر ان حالات میں میرا قلب اس کی طرف اور اس کا قلب میری طرف مائل ہوگیا تو صرف فطرت کا تقاضہ تھا اور کچھ نہیں + اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ وہ رشان کے انتقام سے خوف زدہ ہوگیا یا شاید یہ خبیث جسے کاش کتے تکا بوٹی کر دیتے تو اچھا ہوتا۔ ڈر گیا۔ اس لئے وہ اس سرزمین سے بھاگ

نکلے اور اتفاقیہ تیرے پہاڑ پر آ نکلے۔ مگر میں اس گفتگو سے عاجز آ گئی ہوں اور کل کو دفن کرنے کی تقریب سے پہلے آرام کرنے کے لئے اجازت چاہتی ہوں"
عزا "شمسہ تو کہتی ہے کہ فطرت کا تقاضا تجھ پر اور اس مرد پر وارد ہوا۔ اور یہ کہ وہ تجھ پر مائل ہو گیا۔ مگر تیرے خاوند کے انتقام سے ڈر کر وہ تیرے پاس سے بھاگ کھڑا ہوا۔ حالانکہ صورت سے یہ بزدل دکھائی نہیں دیتا + اب یہ بتا کہ آیا جو بالوں کی لٹ اس نے بٹوے میں چھپا رکھی ہے۔ اور سینہ پر آویزاں رکھتا ہے۔ وہ تیری محبت کی نشانی ہے"
خانم "مجھے کیا خبر ہے کہ اس نے بٹوے میں کیا چھپا رکھا ہے"
عزا "تاہم جب اس دروازے کے مکان میں وہ سخت بیمار تھا۔ تو اس نے اس لٹ کو تیرے گیسوؤں کے برابر رکھ کر مقابلہ کیا تھا۔۔۔۔۔ آہ! اب کچھ یاد آیا"
خانم "اچھا تو وہ تجھے ہمارے سب راز بتا چکا ہے حالانکہ اکثر مرد ایسی باتیں سینہ میں مخفی رکھنا بہتر سمجھتے ہیں"
امین نے غصے کے لہجے میں کہا "خانم! میں نے مطلق اس کا کوئی تذکرہ نہیں کیا"
عزا "نہیں نہیں۔ اے سیاح! تو نے مجھے ہرگز کچھ نہیں بتایا۔ مگر میری مجرد ارواح نے مجھے مطلع کیا ہے۔ آہ! شمسہ کیا تو یہ سمجھتی تھی۔ کہ تو صاحب بینش عزا سے سچ کو چھپا سکتی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو تیری خام خیالی ہے۔ کیونکہ مجھے سب کچھ معلوم ہے اور ابتدا سے معلوم تھا۔ میں نے تیری حکم عدولی کو نظر انداز کیا اور اور تیرے جھوٹے ناموں کا کچھ خیال نہیں کیا + میں نے اپنے خاص مقاصد کو مد نظر رکھ کر بھی گوارا کیا کہ تو میرے مہمانوں کو

مقید رکھے اور ٹھکرائی ہوئی محبت کو تخویف اور تشدد کے ذریعہ سے حاصل کرے۔ کیونکہ میرے لئے وقت کچھ معنی نہیں رکھتا۔" یہاں وہ ذرا رکی اور پھر کہا "عورت! میں تجھے بتاتی ہوں کہ اپنے گناہوں میں تو نے میرے سامنے عین میری عبادت گاہ میں جھوٹ بولنے کی جرأت کر کے بہت اضافہ کر لیا ہے۔"

خانم "بالفرض یہی بات ہے تو کیا؟ کیا تو خود اس مرد پہ عاشق ہے نہیں نہیں یہ تو خیال ہی مضحکہ انگیز ہے۔ فطرت ایسی شرمناک بات پر آنسو بہائے گی۔ غصہ سے کیوں کانپتی ہے۔ عزا میں تیری ناپاک قوتوں سے واقف ہوں۔ مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ میں تیری مہمان ہوں مگر اس مقدس مقام میں اس دائمی محبت کے نشان کے زیر سایہ تو خون نہیں بہا سکتی۔ علاوہ بریں عزا تو مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ میں تیری ہمسری کا دعوے رکھتی ہوں۔"

عزا "شمسہ اگر میں چاہتی تو میں تجھے اسی جگہ فنا کر دیتی۔ مگر بے وفا خادمہ تو سچ کہتی ہے۔ میں تجھے کچھ نقصان نہیں پہنچاؤں گی۔ کیا میری اس مراسلت میں جو اس بوڑھے نجومی تیرے ماموں کے ذریعہ سے تیرے پاس پہنچا تھا۔ صریح حکم نہیں تھا کہ میرے مہمانوں کا استقبال کر کے فوراً میری عبادت گاہ کی طرف لے آؤ۔ اب میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ آخر تجھے میرے حکم کے خلاف کرنے کی جرأت کیسے ہوئی۔"

اب شمسہ نے نیا لہجہ اختیار کیا جس سے درشتی اور جھوٹ مفقود تھے اور متانت سے کہا "اچھا تو میں بتائے دیتی ہوں میں نے اس لئے خلاف کیا کہ یہ مرد تیرا نہیں میرا ہے۔ اور میرے سوا کسی کا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ میں اس پہ عاشق ہوں۔ اور ازل سے عاشق تھی۔ بے شک جب سے ہماری ارواح نے اول اول جسد خاکی کا جامہ پہنا ہم ایک دوسرے پہ عاشق تھے۔ خود میرا دل یہی گواہی د

ہے ۔ اور میرے ماموں کا جادو بھی یہی کہتا ہے ۔ اگرچہ میں نہیں کہہ سکتی کہ کب ۔ کہاں اور کس طرح اس کا آغاز ہوا ۔ اس لئے اے مادرِ اسرارِ عجیبہ و محافظ رموز ماضیہ ! میں دریافت کرنے کی نیت سے تیرے پاس آئی ہوئی ۔ کم از کم تو اپنے عبادت کدہ میں تو جھوٹ نہیں بول سکتی ۔ میں اُس قوتِ قاہرہ کے نام کا واسطہ دے کر کہتی ہوں جس کے سامنے آخر کار تجھے بھی محاسبہ دینا ہو گا کہ اب اور اس جگہ میرے سوالات کا جواب دے . . . .

یہ آدمی جس پر میرے جان و دل نثار ہیں کون ہے ؟ میرا اور اس کا اس زندگی سے پہلے کیا تعلق رہ چکا ہے ؟ اُسے تجھ سے کیا واسطہ ہے ۔ اے خطابِ الٰہی بول اور اس راز کو حل کر دے ۔ میں حکم دیتی ہوں کہ بول چاہے بعد میں اگر تجھ سے ہو سکے تو مجھے مار ڈالنا "

ایمن " ہاں ہاں ! بول کیونکہ میں بیم و رجا سے قریب المرگ ہوں ۔ مجھے متفرق باتوں کی یاد نے پریشان کر رکھا ہے ۔ اور خیالات کا بار ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے "

میں نے بھی کہا " ہاں ! بولو "

عزا نے تھوڑی دیر خاموشی سے سوچ کر کہا " ایمن ۔ تو مجھے کیا سمجھتا ہے ؟ "

ایمن " میں سمجھتا ہوں کہ تو وہ عذرا ہے جس کے ہاتھوں میں افریقہ کے اندر کور کی غاروں میں قتل ہوا تھا ۔ میں سمجھتا ہوں کہ تو وہ عذرا ہے جسے بیس سال سے کم ہوئے میں نے انہیں کور کی غاروں میں پایا اور اپنا دل دے بیٹھا ۔ پھر وہیں بری طرح ختم ہوتے اور یہ کہتے کہتے فنا ہوتے دیکھا کہ خدا کی قسم میں پھر واپس آؤں گی "

شمسہ نے فتح مندانہ لہجے میں کہا " دیکھا ۔ دیوانہ پن کیسے انسان کو گمراہ کر دیتا ہے ۔ کہتا ہے کہ " بیس سال سے کم ہوئے ۔ حالانکہ میں

اچھی طرح جانتی ہوں کہ اسی سال سے اوپر گذرے میرے دادا جان نے اپنی جوانی کے زمانے میں اسی کاہنہ کو "نادر" کے تخت پر بیٹھے دیکھا ہے"

کاہنہ نے شمسہ کے الفاظ کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے کہا "حنیف تو مجھے کون سمجھتا ہے"

میں "جو اپنی سمجھتا ہے وہی میں سمجھتا ہوں۔ بعض اوقات مرے ہوئے دوبارہ زندہ بھی ہو جایا کرتے ہیں۔ مگر حقیقت سوائے تیرے کسی کو معلوم نہیں۔ اور تو ہی اس پردے پردہ اٹھا سکتی ہے"

عزا "(سوچتے ہوئے) ہاں۔ بعض اوقات مرے ہوئے دوبارہ زندہ ہو جایا کرتے ہیں۔ اور عجیب و غریب صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں! اور ممکن ہے کہ مجھے حقیقت بھی معلوم ہو۔ کل کو جب یہ جنازہ اوپر لے جایا جائے گا ہم پھر اس کے متعلق گفتگو کریں گے۔ اُس وقت تک تم سب لوگ آرام کرو اور اس خوفناک چیز کے لئے تیار رہو جسے "حقیقت" کہتے ہیں"

عزا کی رات ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ تقریبی پردے اصل جگہ پر اسی پُراسرار طریقہ سے آ کر گر گئے۔ جیسے کہ کھلے تھے۔ پھر گویا کسی اشارے پر تمام سیاہ پوش راہب آگے بڑھے اور شمسہ کو بیچ میں لے کر عبادت گاہ سے باہر نکلے۔ ساتھ میں ساحر سمبری بھی گیا۔ جو شاید تکان یا خوف کی وجہ سے بمشکل کھڑا رہ سکتا تھا۔ اور روشنی کے مارے کھڑا آنکھیں پٹپٹا رہا تھا۔ ان کے جانے کے بعد وہ راہبان اور راہبات جو ہم سے دور دیواروں کے قریب قطار باندھے کھڑے تھے اور ہماری باتیں نہیں سُن سکتے تھے۔ جمع ہو کر دو فرقوں میں تقسیم ہوئے اور اسی طرح گاتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ اور ہم معدن کے ساتھ تھان کے جنازے کے پاس اکیلے رہ گئے جو جہاں رکھا

گیا تھا وہیں موجود تھا

اس وقت راہب اعظم معدن نے ہمیں بھی چلنے کا اشارہ کیا اور ہم بھی روانہ ہوئے میں نے یہاں سے نکل کر خدا کا شکریہ ادا کیا کیونکہ اس کی موت نما خاموشی سے جس میں شدید روشنی نے عجیب طرح سے اضافہ کر دیا تھا۔ اس خاموشی سے جو مجتمع ہو کر جنازہ پر پڑی ہوئی صورت پر مرکوز ہو رہی تھی۔ ہم مرعوب اور مغلوب ہو رہے تھے موجودہ واقعات نے پہلے ہی ہمارے اعصاب کو متزلزل کر رکھا تھا آخر جب بازو کے راستوں کو طے کر کے اور وسیع مکان کو عبور کر کے انہی دروازوں میں سے گزر کر جو خود بخود ہمارے آنے پر کھل گئے اور پہاڑی راستے میں سے ہوتے ہوئے ہم باہر کی کھلی فضا میں پہنچے تو میں نے سجدۂ شکرانہ ادا کیا اس وقت پو پھٹنے کا وقت قریب تھا۔ اور ڈھلی ہوئی رات تھی

معدن ہمیں ایک سجے ہوئے پختہ مکان میں لے گیا اور ہمیں کچھ شربت سا پینے کو دیا۔ جو ہم نے اس طرح پی لیا جیسے کوئی خواب میں پیتا ہے میرا خیال ہے کہ اس شربت میں کسی دوا کی ملاوٹ ضرور تھی کیونکہ اس کے پیتے ہی مجھے کچھ یاد نہ رہا کہ کیا ہو رہا ہے۔ یہاں تک کہ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ایک چارپائی پر لیٹا ہوا ہوں اور میرے جسم میں خاص قسم کی قوت اور آرام محسوس ہوا ہے اس سے مجھے بہت ہی حیرت ہوئی کیونکہ کمرے میں چراغ روشن تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابھی رات کی تاریکی موجود ہے اور میں زیادہ دیر نہیں سویا ہونگا

میں نے پھر سونے کی کوشش کی مگر بے سود۔ میں نے سوچنا شروع کیا یہاں تک کہ میں خیالات کی الجھن سے تنگ آگیا کیوں کہ خیالات اور تفکر سے کوئی امداد حاصل نہ ہوئی۔ سوائے حقیقت

کے اور کوئی شے اس حالت میں امداد نہیں کر سکتی تھی۔ وہ خوفناک چیز جس کی طرف نقاب پوش کاہنہ نے اشارہ کیا تھا +

آہ! اگر وہ عذرانہ ثابت ہوئی جس کی تلاش میں ہم سرگرداں تھے بلکہ کوئی خوفناک چیز ہوئی تو کیا ہوگا۔ خانم کے رمز و کنایہ اور اس قدر دیری کے کیا معنی تھے۔ جس کی بدیہی وجہ کوئی باطنی علم کی قوت ہی ہو سکتی ہے۔ اگر وہ . . . . نہیں یہ نہیں ہو سکتا . . . .

میں اُٹھ کر اپنے بازو کی پٹی ہی بدل لوں یا ایبن کو جگا لوں کہ وہ میری پٹی بدل دے . . . . آخر کچھ نہ کچھ مشغلہ تو ہونا چاہیئے۔ جس سے مقررہ ساعت تک کا وقت کٹے۔ جب کہ ہم آخری خوشخبری یا بدخبری سُن لیں گے +

میں اُٹھ بیٹھا اور کسی کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ یہ معدن تھا اور ہاتھ میں چراغ اُٹھائے ہوئے تھا + اُس نے کہا :-

"دوست حنیف تم بہت سوئے۔ اب وقت ہے کہ اُٹھ کر کام میں لگو"

میں "بہت سوئے! چہ معنی دارد؟ ابھی تو اندھیرا ہے"

معدن "کیونکہ دوست یہ اندھیرا دوسری رات کا اندھیرا ہے تمہیں اس چارپائی پر لیٹے بہت گھنٹے گذر چکے ہیں۔ مگر یہ بہت اچھا ہؤا کہ تم اچھی طرح سوئے۔ جب کہ ابھی موقع تھا۔ ورنہ اب خدا جانے پھر کب سونا نصیب ہو۔ لاؤ تمہارے بازو کی پٹی بدل دوں"

میں نے کہنا شروع کیا "مجھے یہ تو بتائیے . . . +"

معدن ۔ (بات کاٹ کر) "میں تمہیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ سوائے اس کے کہ اب تمہیں اُٹھ کر خان کی تدفین میں شرکت کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ تمہیں وہاں اپنے سوالات کا جواب بھی مل جائے"

دس منٹ کے بعد وہ مجھے مکان کے کھانے کے کمرے میں لے گیا - وہاں ابن مجھ سے پہلے کپڑے پہنے تیار موجود تھا - کیوں کہ معدن مجھ سے پیشتر ابن کو جگا کر تیاری کے لئے کہہ گیا تھا + معدن نے بتایا کہ عزا نے ہمیں دن میں اس لئے نہ جگانے دیا کہ آج ہمیں عجیب وغریب واقعات سے سابقہ پڑنے والا ہے - اس لئے جس قدر آرام میسّر آسکے بہتر ہے + غرض تھوڑی دیر کے بعد ہم روانہ ہو گئے - ایک دفعہ پھر ہم اس شعلوں کے میناروں سے منور مکان میں سے ہوتے ہوئے بیضوی چبوترے کے پاس پہنچے + اس وقت اس جگہ بالکل سناٹا تھا - خان کا جنازہ بھی یہاں سے جا چکا تھا - محراب عبادت کے پردے کھچے ہوئے تھے - اور اب اس کا تخت بھی خالی تھا + معدن نے بتایا کہ قدیم دستور کے مطابق "مادر" مردے کی تعظیم کے لئے یہاں سے جا چکی ہے +

ہم محراب عبادت کے پاس سے گزر کر سنگیں دیوار کے قریب پہنچے جہاں ہمیں ایک دروازہ نظر آیا جو ایک بڑے کمرے میں کھلتا تھا - اس کمرے میں متعدد دروازے دکھائی دئے - جو مختلف کمروں میں جانے کے لئے تھے + معدن نے بتایا کہ یہ مکان عزا اور اس کی خادمات کے رہنے کی جگہ ہے - اس نے یہ بھی بتایا کہ یہ مکان پہاڑ کی ایک طرف پر ختم ہوتا ہے - جہاں کھڑکیاں باغیچوں میں کھلتی ہیں - اور اُن کے ذریعہ ہوا اور روشنی مکان میں داخل ہوتی ہے + اس بڑے کمرے میں چھ راہب بغلوں میں متعدد مشعلیں دبائے اور ایک ایک روشن چراغ ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے +

معدن نے کہا " ہمارا راستہ تاریکی میں سے گزرتا ہے - اگر دن ہوتا تو برفانی گھاٹیوں میں سے اوپر جا سکتے تھے - مگر اس وقت ادھر سے جانا خطرہ سے خالی نہیں "+

پھر اُس نے مشعلیں روشن کر کے ہم سب کو ایک ایک بانٹ دی اور ہماری چڑھائی شروع ہوئی اور ہم طویل طویل سرنگوں میں سے گزرتے ہوئے اوپر چڑھنے لگے + یہ سرنگیں قدیم آتش پرست لوگوں نے بے انتہا محنت سے پہاڑ کی چٹانوں میں کھود کھود کر بنائی تھیں + مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ان سرنگوں کا طول میلوں پر پہنچتا ہے۔ اگرچہ چڑھائی بہت کم تھی تاہم ہمیں ان کو عبور کرنے میں گھنٹہ بھر صرف ہوا۔ آخر ہم ایک وسیع سیڑھی کے قدم پر آ پہنچے +

معدن نے اسی ادب سے جو اس نے ابتدا سے امین کے ساتھ رکھا تھا جھک کر کہا :۔

"سردار۔ تھوڑی دیر یہاں آرام کیجئے۔ کیونکہ یہ سیڑھی بہت ہی مستقیم اور طویل ہے۔ ہم اس وقت پہاڑ کے بلند ترین لب پر کھڑے ہیں۔ اور اس بلند حلقہ دار مینار پر چڑھنے کو ہیں جو اس کے اوپر کھڑا ہے"+

چنانچہ ہم اس گنبد نما جگہ میں بیٹھ گئے۔ اُن طول طویل راستوں کی چڑھائی سے ہم پسینہ پسینہ ہو رہے تھے۔ اس لئے ہوا جو ان سیڑھیوں میں کشش کی وجہ سے چل رہی تھی بھلی معلوم ہوئی۔ یہاں بیٹھنے پر مجھے ایک گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ میں نے معدن سے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو معدن نے جواب دیا کہ ہم کوہ آتش فشاں کے دہانے کے بالکل قریب ہیں اور یہ آواز جو چٹان کے حجم میں سے سنائی دے رہی ہے۔ اس پہاڑ کی نہ ختم ہونے والی آگ کی گرج ہے + اس کے بعد ہم سیڑھیوں پر چڑھنے لگے +

یہ سیڑھیاں اتنی پُرخطر نہیں تھیں جتنی تھکا دینے والی تھیں کیونکہ تقریباً چھ سو قدم ہونگے۔ پہلی سرنگوں میں سے گزرتے ہوئے مجھے

اہرام مصری میں سب سے بڑے مینار کا راستہ یاد آیا جو بذات خود فرلانگوں لمبا تھا۔ اور ان سیڑھیوں پہ چڑھتے ہوئے گرجا کی چوٹی پہ پہنچنے کی سیڑھیوں کا خیال آیا۔ فرق یہ تھا کہ اِن کی بلندی کئی گرجاؤں کو ایک دوسرے پر اُس کے برابر ہوتی تھی ⁂

کہیں کہیں دم لیتے ہوئے ہم اوپر بڑھتے گئے۔ ہر قدم فٹ فٹ بھر بلند تھا یہاں تک کہ مینار ختم ہوگیا۔ اور اوپر کا حلقہ رہ گیا۔ اس کے اوپر بھی ہم معدن کی رہبری میں چڑھ گئے ⁂ مجھے اس سے مسرت ہوئی کہ یہ راستہ بھی چٹان کے اندر سے چڑھتا تھا کیونکہ تیز ہوا میں یہ عظیم الشان حلقہ مجھے لرزتا محسوس ہوتا تھا ⁂

آخر کار ہمیں روشنی نظر آئی اور بیس سیڑھیوں کے بعد یہ راستہ ایک چبوترے پہ چلنے لگا تو میں نے دیکھا کہ معدن اور ایک اور راہب نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا۔ میں نے خوف سے چلا کر کہا "این ان سے پوچھو یہ کیا کر رہے ہیں"⁂

ایلین "کچھ نہیں۔ یہ جگہ بلندی کی وجہ سے چکرا دینے والی ہے اس لئے ان لوگوں نے گرنے سے بچانے کی غرض سے مجھے تھام لیا ہے۔ حفیظ تم بھی ذرا سنبھل کر آنا" اور یہ کہہ کر اُس نے ہاتھ بڑھایا

میں ان سرنگ نما سیڑھیوں سے نکل کر اوپر آیا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر ایلین کے ہاتھ میں ہاتھ ہوتا تو میں تیورا کر چبوترے پر گر پڑتا۔ کیونکہ جو نظارہ میرے سامنے تھا اس سے میرے حواس باختہ ہوگئے۔ اور یہ کوئی حیرت انگیز امر نہ تھا۔ کیونکہ مجھے شک ہے کہ دنیا ایسا اور منظر بھی پیش کر سکتی ہے ⁂

ہم اس حلقہ کی عین چوٹی پر کھڑے تھے جو بالکل مسطح چبوترے کی شکل کی تھی۔ اور اندازاً اسی گز لمبی اور تیس گز چوڑی تھی۔ سر پر تاروں بھرا آسمان تھا۔ جنوب کی طرف بیس ہزار فٹ سے کچھ زیادہ

نیچے کی طرف قاوون کا تاریک میدان پھیلا ہوُا تھا ۔ مشرق اور مغرب کی طرف اس پہاڑ کی برف آلود چوٹیاں اور بھورے دامن پھیلے ہوئے تھے + شمال کی طرف ان سب سے جدا اور سب سے زیادہ ہیبت آفرین نظارہ تھا ۔ اس طرف عین ہمارے نیچے ـــــ کیونکہ یہ مینار کچھ اندر کو جھکا ہوُا تھا ـــــ کوہ آتش فشاں کا وسیع دہانہ تھا ۔ جس وسط میں ایک فراخ جھیل آگ کی تھی ۔ جس میں رہ رہ کر بڑے بڑے آگ کے بُلبلے اور شعلے اُٹھتے تھے اور طوفانی سمندر کی طرح پگھلی ہوئی فلزات جوش مار رہی تھیں + اس جھیل کی سطح پر سے دھواں اور بخارات اُٹھتے تھے ۔ جو بلند ہو کر مشتعل ہو جاتے تھے ۔ اور بھڑکتے ہوئے روشن شعلوں کی چادر کی صورت میں اپنی وسعت کے ساتھ اوپر کو اُٹھتے تھے ۔ اور چاروں طرف روشنی پھیلاتے تھے ۔ عین ہمارے سامنے یہ روشنی کی چادر مشتعل تھی ۔ اور اس کی چمک ہمارے نیچے کے حلقے میں سے گزر کر تیز چمک دار شعاع کی صورت میں قاوون کی سرزمین پر سے ہوتی ہوئی اس سے پرے پہاڑوں پر سے گزر کر افق میں غائب ہو جاتی تھی +

. . . .

ہوا جنوب سے شمال کو چل رہی تھی ۔ جسے کوہ آتش فشاں کا گرم دہانہ جذب کر رہا تھا ۔ تیزی کی وجہ سے ہوا حلقہ میں گزرتی ہوئی اور اس کے پہلوؤں سے ٹکراتی ہوئی شور کرتی تھی ۔ اور شعلوں کی بلند چادر کو اس طرح دھکیلتی تھی جیسے طوفان کے وقت سمندر میں کسی جہاز کے بادبان کو اور اس میں سے شعلوں کے بڑے بڑے ٹکڑوں کو توڑ کر اس طرح اُڑاتی تھی ۔ جیسے طوفان میں جلتے ہوئے جہاز کے بادبان جل جل کر اُڑتے ہیں +

اگر یہ ہوا نہ ہوتی تو کسی متنفس کا اس مینار کی چوٹی پر زندہ رہنا ناممکن ہو جاتا ۔ کیونکہ زہریلے بخار پھیل کر مار ڈالتے ۔ مگر تیز ہوا کا تسلسل انہیں اڑا کر شمال کی طرف لے جاتا تھا ۔ اسی وجہ سے بلند خطۂ زمہریر کی ہلکی ہوا میں گرمی بھی ناقابلِ برداشت نہ تھی ۔ اس خوفناک نظارے سے گھبرا کر جو بجائے زمین پر ہونے کے جہنم میں ہوتا تو زیادہ موزوں تھا ۔ اور اس خوف سے کہ کہیں ہوا کا جھکڑ مجھے سوکھے ہوئے پتے کی طرح اڑا کر نیچے کے دہکتے ہوئے انگاروں میں نہ دھکیل دے ۔ میں اپنے سالم بازو اور گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور ایمن کو بھی یہی کرنے کی ہدایت کر کے میں نے چاروں طرف دیکھا ۔ میں نے دیکھا کہ راہبوں کی قطاریں بڑے بڑے چغے پہنے چٹان کے کنارے پر دوزانو مصروفِ عبادت تھے ۔ مگر بادر عزّا ۔ شمسہ یا مردہ خان کے جنازے میں سے مجھے کوئی نظر نہ آیا ۔

میں ابھی اسی تحیر میں تھا کہ یہ سب کہاں ہیں کہ معدن جس کے دل و دماغ پر اس مہیب نظارے کا بظاہر کوئی اثر مترتب نہ تھا اور کچھ ہمارے ساتھ والے راہب قریب آئے اور ہمیں بیچ میں لے کر آگے کی طرف لے چلے ۔ چبوترے کے خطرناک گول کنارے کے قریب پہنچ کر ہم چند سیڑھیاں نیچے اترے اور ہمیں محسوس ہوا کہ ہم نسبتاً محفوظ مقام میں ہیں ۔ کیونکہ ہوا ہمارے سر پر سے گزر رہی تھی ۔ بیس قدم اور آگے بڑھ کر ہم ایسے مقام پر پہنچے جہاں معلوم ہوتا تھا کہ انسانی ہاتھوں نے اس حلقہ کی پیشانی کو تراش کر اس طرح ایک برآمدہ سا نکال لیا ہے ۔ کہ اس کے اوپر نصف عرض تک منجمد لاوا کی چھت باقی رہ گئی ہے ۔

ہمیں اس محفوظ جگہ یا چٹان کے برآمدے میں جہاں کثیر تعداد

انسانوں کی سما سکتی تھی پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی + یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ پہلے سے کچھ لوگ موجود ہیں + چٹان میں کھود کر بنائے ہوئے ایک شہ نشین پر عزا اپنے سر سے پاؤں تک لپٹے ہوئے لباس میں ملبوس بیٹھی تھی ۔ اوپر ایک ارغوانی رنگ کا مرصع کار دوشالا لئے ہوئے تھی ۔ اس کے قریب ہی خانم شمسہ اور اس کا ماموں سمبری کھڑے تھے + دونو پریشان سے معلوم ہوتے تھے ۔ اور اُن کے سامنے چارپائی پر خان رتان کی لاش پڑی تھی ۔ اس کے مردہ چہرے پر آتشیں روشنی کی وحشت انگیز کرنیں پڑ رہی تھیں +

ہم بڑھ کر تخت کے قریب پہنچے اور اس پر بیٹھنے والی کو فرشی مجرا کر کے کھڑے ہو گئے + عزا نے اپنا سر جو خیالات اور تفکر کی وجہ سے سینے کی طرف جھکا ہوا تھا اوپر کو اٹھایا اور معدن کو مخاطب کیا + اس سنگین دیواروں سے گھری ہوئی جگہ میں نسبتاً سکوت تھا ۔ اور ایک دوسرے کی گفتگو صاف سنائی دیتی تھی +

عزا "۔ اچھا میرے وفادار خادم تو انہیں حفاظت سے یہاں لے آیا ہے ۔ میں خوش ہوں کیونکہ اجنبیوں کے لئے یہ راستہ پُر خطر ہے ۔ میرے مہمانو! عزّا کے پجاریوں کے مدفن کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟"

ایمن "۔ ہمارے مذہبی عقیدے کے مطابق ایک جگہ دوزخ کے نام سے موسوم ہے جسے اللہ تعالےٰ نے نارِ حامیہ کے نام سے یاد فرمایا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ آتش کدہ اس دوزخ کا منہ ہے "۔

عزا "۔ نہیں نہیں! دوزخ وزخ کوئی چیز نہیں ۔ سوائے اس کے جو یکے بعد دیگرے ہم اپنی زندگی میں خود اپنے لئے بنا لیتے ہیں + ایمن میں تجھے بتاتی ہوں کہ دوزخ یہاں ہے ۔ (یہ کہہ کر

اس نے اپنے سینے پر ہاتھ مارا اور کہا) بے شک دوزخ یہاں ہے۔" اور اس کی گردن پھر سینے کی طرف جھک گئی ۔ گویا کسی اندرونی جذبۂ اندوہ سے مغلوب ہو گئی ۔ تھوڑی دیر تک اس پر یہ حالت طاری رہی ۔ پھر اس نے سر اُٹھایا اور کہنا شروع کیا :۔

"آدھی رات گذر چکی ہے اور صبح صادق سے پہلے بہت سے کام سرانجام ہونے ہیں ۔ اور بہت کچھ برداشت کیا جاتا ہے ۔ ہاں تاریکی کو روشنی سے بدلنا ضروری ہے یا شاید روشنی کو ابدی تاریکی سے ۔ (شمسہ کو مخاطب کر کے) ملکہ زادی! تو اس کے حق کے موافق اپنے مردہ شوہر کو اس مقدس جگہ میں دفن کرنے کے لئے لائی ہے جہاں اس کے پیش رو بادشاہوں کی ہڈیاں متبرک آتش کا ایندھن بن چکی ہیں ۔ معدن میرے راہب النظام اور مدافعت کے ذمہ داروں کو بلاؤ ۔ کتابیں کھلوا دو تاکہ میں مردے کے حق میں اپنا فیصلہ صادر کر دوں ۔ پھر یا تو اس کی روح کو نئی زندگی لے کر آنے کے لئے بلاؤں یا دعا کروں کہ اس سے زندگی کا سانس لے لیا جائے . . . .

. . . . . راہب میرا حکم ہے کہ موت کا دار القضا کھل گیا ہے"



باب پانزدہم

دوسری آزمائش

گر بہ بیم نہی لب یابم حیات باقی

آں دم کہ جانِ شیریں باشد بہ لب بیدہ

معدن نے جھک کر سلام کیا اور اٹھ کر چلا گیا + عزّا نے ہمیں اپنے دائیں طرف کھڑا ہونے کا اشارہ کیا۔ اور شمسہ کو بائیں جانب اسی وقت نقاب پوش راہب اور راہبات دائیں بائیں سے آکر پچاس کے قریب تعداد میں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے + اس کے بعد سیاہ پوش شخص نقاب پہنے آئے۔ ان کے ہاتھوں میں کتابیں تھیں اور آکر لاش کے دونو طرف کھڑے ہو گئے + معدن جنازہ کے پاؤں کی طرف کھڑا ہوا تھا اس کا رُخ عزّا کی طرف تھا۔ عزّا نے اس وقت اپنا بلوریں عصا اٹھایا۔ یہ اشارہ پاکر معدن نے کہا:۔

"کتابیں کھولو"

اس پر دائیں طرف کے نقاب پوش نے جو" الزام کا ذمہ دار" تھا۔ کتاب کی مہر توڑی اور پڑھنا شروع کیا + یہ متوفی خان کے گناہوں اور خطاکاریوں کی طول طویل داستان تھی۔ جو اس تفصیل کے ساتھ درج تھی۔ گویا یہ شخص خان کے کراماً کاتبین میں سے ایک تھا۔ اور اس کے ضمیر تک کے حالات سے آگاہ تھا انتہائی

سرد مہری اور وحشت انگیز صفائی سے اس نے اس کے بچپن کی شرارتوں اور جوانی کی غلط کاریوں کا فسانہ بیان کیا۔ اس کل بیان کا خلاصہ گنہ گاری اور ناقابل بخشش سیاہ کاری تھا۔

میں سن سن کر متحیر تھا کہ الٰہی ایسا کون مخبر تھا جو اس شخص کی زندگی کے ہر لمحہ کا نگراں تھا۔ اسی وقت مجھے خیال آیا کہ واقعی اگر مہد تا بہ لحد ہماری کرتوت کے حالات کا وقت کھول کر دکھایا جائے تو ہمارا نامۂ اعمال کس قدر سیاہ ہوگا۔ اسی وقت مجھے خیال آیا کہ بلا شبہ کراماً کاتبین کا کام اس ذمہ دار الزام سے کہیں زیادہ سخت گیرانہ اور مفصل ہوگا۔

آخر کار یہ قصہ انجام کے قریب آیا۔ جس میں دریا کے کنارے پر اس رئیس کے قتل کا واقعہ بلا وجہ ہماری جان لینے کی تدبیر اور کتوں کے ظالمانہ تعاقب اور اس کے انجام کا ذکر تھا۔ یہاں پہنچ کر ذمہ دار الزام نے کتاب بند کر کے زمین پر پھینک دی اور کہا۔

"مادر! یہ ہے اس کا اعمال نامہ۔ اب اس کا اقتباس کرنا آپ پر منحصر ہے۔ کیونکہ آپ عقل کی مالکہ ہیں۔"

عزّا نے بغیر زبان ہلائے ذمہ دار مدافعت کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے بھی کتاب کی مہر توڑی اور پڑھنا شروع کیا۔ اس کے بیان میں متوفی کی کل بھلائیوں کا ذکر تھا۔ اس کے ہر شریفانہ برتاؤ اور کریمانہ فعل کا تذکرہ تھا۔ اس کی ان تدابیر کا حوالہ تھا۔ جو اس نے اپنے زمینداروں کی بہبودی کے لئے اختیار کی تھیں۔ جن برائیوں سے وہ بچا۔ جس سچے دل سے اسے اس عورت سے عشق تھا جو اس کی بیوی تھی۔ وہ دعائیں جو اس نے مانگیں اور وہ قربانیاں جو اس نے عزّا کے مندر پر چڑھائیں سب کا بالتفصیل اعادہ کیا گیا تھا۔ اس میں بغیر شمسہ کا نام لئے ہوئے بتایا گیا تھا کہ کس طرح وہ عورت اس

سے متنفر تھی۔ اور کس طرح اس نے اور اس کے ساحر ماموں نے
جو اس عورت کا پرورش کنندہ۔ تربیت دہندہ۔ رشتہ دار اور رہبر
تھا۔ اور عورتوں کو اس کے بہکانے پر مامور کیا۔ تاکہ وہ عورت
اس سے بچی رہے۔ کس طرح ان دونوں نے ایک زہریلی دوا کے
استعمال سے اسے پاگل بنایا جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی قوت فیصلہ
زائل ہوگئی۔ بدی اس کے دل و دماغ پر حاوی ہوگئی اور خلاف
فطرت وہ اس عورت سے خوف کھانے لگا۔ جس کے عشق کی آگ
ابھی تک اس کے سینہ میں مشتعل تھی۔

اس نے یہ بھی بیان کیا کہ اس کے سیاہ ترین گناہوں کے
خیالات اس کے ذہن میں اس کی بیوی نے پیدا کئے کیونکہ جن لوگوں
پر وہ ظلم کرتا تھا اُن کے دل میں وہ اس کی نفرت اور حقارت بٹھانا
چاہتی تھی۔ اسی وجہ سے حسد کی آگ اُس کے سینے میں بھڑک کر اُسے
ظلم پر مجبور کر دیتی تھی۔ ان میں سے آخری اور سب سے زیادہ مکروہ
وہ فعل تھا جس کی بدولت وہ مہمان نوازی کے پاک اصول کو ترک
کر کے ان بے گناہ مہمانوں کی جان لینے پر آمادہ ہوگیا۔ جن کے ہاتھوں
انجام کار اس کی زندگی کا خاتمہ ہوا۔

یہ پڑھکر ذمہ دار مدافعت نے کتاب بند کی اور زمین پر پھینک
کر کہا:۔

"مادرا یہ ہے اس کا اعمال نامہ۔ اب اس کا اقتباس کرنا
آپ پر منحصر ہے۔ کیونکہ آپ عقل کی مالکہ ہیں"

اس موقعہ پر خانم جو اب تک بالکل ساکت اور خاموش کھڑی
تھی بولنے کے لئے آگے بڑھی اور اس کے ساتھ اس کا ماموں
ساحر سمبری بھی آگے بڑھا۔ مگر ابھی ان کی زبان سے کوئی لفظ
نکلنے نہ پایا تھا کہ عزا نے اپنے عصائے حکومت کے اشارے

سے خاموش کر دیا اور کہا :۔

"ابھی تیرے فیصلہ کا دن نہیں آیا اور نہ ابھی ہمیں تجھ سے کچھ غرض ہے۔ جب تو اس جگہ پڑی جہاں یہ پڑا ہے اور تیرے اعمال کی کتابیں اس کے سامنے پڑھی جائیں گی۔ جو تخت پر بیٹھی ہوگی اُس وقت کسی اپنے وکیل کو صفائی کے لئے کھڑا کر جاتا"

شمسہ نے متکبرانہ انداز سے کہا "بہت بہتر" اور پیچھے ہٹ گئی ۔

اب راہب اعظم معدن کی باری آئی اس نے کہا " مادر! آپ سُن چکی ہیں ۔ دونوں تحریروں کا موازنہ کیجئے۔ سچ کو چھانٹ لیجئے اور اپنی عقل کے مطابق احکام صادر کیجئے۔ کیا ہم اسے جس کا نام رشان تھا پاؤں کے بل اس چاہ آتشیں میں گرائیں تاکہ وہ پھر زندگی کے راستہ پر گامزن ہو سکے یا سر کے بل اس اظہار کے لئے کہ وہ واقعی فنا ہو چکا ہے"

سب حاضرین ہمہ تن گوش تھے ۔ آخر کاہنۂ اعظم نے اپنا فیصلہ ان لفظوں میں سنایا :۔

"میں سنتی ہوں ۔ میں موازنہ کرتی ہوں ۔ میں پرکھتی ہوں ۔ مگر فیصلہ نہیں دیتی ۔ نہ مجھے فیصلہ دینے کا دعوٰے ہے ۔ اس روح اعظم کا اختیار ہے جس نے اسے پیدا کیا تھا اور جس کے پاس یہ پھر جا رہا ہے ۔ کہ اس کی روح پر فیصلہ صادر کرے ۔ اِس مرحوم نے بہت گناہوں کا ارتکاب کیا ہے مگر اس کے خلاف اس سے بھی زیادہ گناہ کئے گئے ہیں ۔ نیز اس شخص کے خلاف اس کی دیوانگی کی حرکات بھی استعمال نہیں کی جا سکتیں ۔ اس لئے اس کو پاؤں کے بل گراؤ تاکہ آنے والی نسلوں کے سامنے اس کا نام روشن ہو اور وہاں سے یہ پھر مقررہ وقت پر واپس آئے ۔ میں کہہ چکی۔"

اس پر ذمہ دار الزام نے اس کے اعمال نامہ کو زمین سے اٹھایا اور آگے بڑھ کر آگ میں جھونک دیا۔ گویا اس کے گناہوں کو مٹا دیا گیا۔ اس کے بعد وہ پھرا اور اس جگہ سے غائب ہو گیا + دوسرے نے اپنی کتاب اُٹھا کر راہب معدن کے حوالہ کر دی تاکہ یہ مندر کے کتب خانہ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھی رہے + جب یہ ہو چکا تو باقی راہبوں نے ایک ماتمی راگ شروع کیا۔ اور اس میں تہ دل سے یہ دعا مانگی کہ پروردگار عالم اس کی روح کے لئے اسی طرح برأت کا حکم دے جس طرح اس کی مقرر کردہ عزّا نے دیا ہے +

اس راگ کے اختتام سے پہلے ہی کچھ راہبوں نے آہستہ آہستہ بڑھ کر جنازہ کو اُٹھایا اور دہانہ کے کنارے پہ لے گئے۔ اور مادر کے ایک اشارے پہ پاؤں کے بل اس میں جھونک دیا + جبکہ باقی سب نے دیکھنا شروع کیا کہ دیکھیں شعلوں سے کس طرح ٹکراتا ہے + اس سے یہ لوگ فال لیتے تھے کہ اگر لاش راستے میں چکر کھا جائے تو سمجھا جاتا تھا کہ فانی انسان کا فیصلہ غیر فانی عالم ارواح میں نامقبول ہؤا۔ مگر یہ لاش نہیں لوٹی اور تیر کی طرح سیدھی پاؤں کے بل سینکڑوں گز نیچے گرتی ہوئی ہمیشہ کے لئے آتش سیال میں غرق ہو گئی + یہ کوئی عجوبہ بات نہ تھی کیونکہ ہمیں بعد میں معلوم ہؤا کہ اس کے پاؤں میں وزن باندھ دیا گیا تھا +

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کارروائی از ابتدا تا انتہا یہاں تک کہ فیصلہ اور آخری حکم کے الفاظ تک مدت مدید سے رواج کے مطابق اس جگہ رہبان راہبات اور نیدان کے خاص خاص معزز لوگوں کے جنازوں کے ساتھ عمل میں آتی تھی۔ یہی رواج قدیم مصری تمدن میں بھی موجود تھا۔ یقیناً وہیں سے یہ مردے کے موازنۂ اعمال کی رسم اخذ کی گئی تھی اور عزّا کی مملکت میں اب تک جاری تھی۔ بات یہ

ہے آج تک کسی کاہنہ کو یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کہ مردے کے حق میں خلاف فیصلہ دے۔

ظاہری تقدیس اور موقعہ کی نواح عجیب کو چھوڑ کر اس ساری کارروائی کا دلچسپ ترین حصہ یہ تھا کہ نقاب پوش کاتبان اعمال کا علم متوفی کی زندگی کے واقعات کے متعلق نہایت ہی صحیح اور مفصل تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ اگرچہ عزا کا دارالتعلیم میدانی حکومت کی سیاسیات اور عملی حالات سے مطلق بے پروائی کا اظہار کرتا تھا حالانکہ پہلے میدانی علاقہ انہیں کے زیر حکومت تھا اور اب بھی خفیہ طور پر وہ اسکو فتح کرنے کی آرزو رکھتے تھے مگر اب تک وہ ان پر روحانی اقتدار کے دعویدار تھے۔ بظاہر یہ اقتدار بجائے حقیقی کے بناوٹی معلوم ہوتا تھا۔ اس سے ایک اشارہ یہ بھی ہوتا تھا کہ جاسوسی کا ایسا دور رس اور عجیب وغریب جال پھیلا ہوا تھا کہ اسے کسی خاص قوت غیب دانی کی امداد سے معرا سمجھنا محال تھا۔

تقریب تدفین۔ اگر یہ تدفین کہلانے کی مستحق ہے —— ختم ہو چکی تھی۔ مردہ اپنے گناہوں کے اعمال نامے کے ساتھ اس دہکتی ہوئی آگ کے گڑھے میں جا چکا تھا۔ اور اب تک جل بھن کر انگارات میں بھی تبدیل ہو چکا ہوگا۔ وہ صفحہ ہستی سے نیست ہو چکا تھا مگر ہماری زندگی کا عجیب ترین ورق ابھی کھلا تھا۔ ہمیں —— سب کو —— اس بات کا علم تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ مگر ہم انتظار اور امید وبیم کے ہاتھوں پتے کی طرح لرز رہے تھے۔

عزا اپنے چٹانی تخت پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ تھوڑی دیر میں اس نے ایک گہرا سانس لیا اور اپنے عصا کو حرکت دے کر ایک دو جملے کہے جس پر تمام راہب چلے گئے۔ صرف دو باقی رہ گئے۔ ایک تو معدن اور ایک بڑی راہبہ جسے سب امی کہتے تھے۔ یہ عورت

نوجوان اور شکیلہ تھی۔ عزا نے یکایک کہا:-

"میرے خادمو! سنو۔ اب عجیب وغریب واقعات ظہور پذیر ہونے والے ہیں۔ جن کا تعلق ان اجنبیوں کے ورود سے ہے جن کے انتظار میں تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اتنے سال گذارے ہیں۔ میں نتیجہ سے تمہیں مطلق مطلع نہیں کر سکتی۔ کیونکہ گو مجھے غیر محدود قوتیں حاصل ہیں۔ تاہم مستقبل مجھ سے پردۂ خفا میں رکھا جاتا ہے اس لئے بالکل ممکن ہے کہ یہ تخت بہت جلد خالی ہو جائے اور یہ جسد خاکی نذر آتش ہو جائے۔ اس پر رنجیدہ ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ میں مر نہیں سکتی۔ اگر بظاہر ایسا ہو بھی تو میری روح پھر واپس آئیگی۔

امی سنو! تم اصل خون سے ہو۔ اور صرف تم پر میں نے عقل وفراست کے دروازے کھولے ہیں۔ اگر میں اب یا کسی اور زمانہ میں مر جاؤں تو تم قدیم قوتوں کو لے لینا اور میری جگہ تخت پر بیٹھنا۔ اور سب کام اس طرح سر انجام دینا جس طرح میں نے تمہیں سمجھائے ہیں۔ تاکہ اس پہاڑ سے روشنی عالم میں پھیلے۔ علاوہ ازیں میں تمہیں حکم دیتی ہوں۔ اور معدن تمہیں بھی کہ اگر میں یہاں سے بُلا لی جاؤں تو ان اجنبیوں سے خاطر داری سے پیش آنا۔ یہاں تک کہ انہیں اس سرزمین سے باہر پہنچانا ممکن ہو جائے۔ خواہ اس راستہ سے جہاں سے یہ آئے ہیں خواہ شمالی پہاڑیوں اور صحراؤں میں سے۔ اگر خانم شمسہ انہیں ان کی مرضی کے خلاف روکنے کی کوشش کرے تو عزا کے نام پر پہاڑی قوموں کو اس کے خلاف اُٹھا دینا۔ اسے تخت سے اتار دینا اور اس کا ملک فتح کر کے زیر نگیں کر لینا۔ تم نے سُن لیا۔ اس کی اطاعت تم پر فرض ہے۔

معدن اور امی۔ (بیک آواز) "مادر! ہم نے سُن لیا۔ اور ہم

اطاعت کرینگے ۔"
عزا نے اپنا ہاتھ اس امر کے اظہار کے لئے ہلایا ۔کہ یہ معاملہ ختم ہو چکا ۔ پھر کچھ دیر خاموشی سے سوچ کر شمسہ سے مخاطب ہوئی :۔
"شمسہ! کل رات تو نے مجھ سے ایک سوال پوچھا تھا ۔کہ تجھے کیوں اس شخص سے عشق ہے ۔ (اور امین کی طرف اشارہ کیا) بظاہر اس کا جواب بہت آسان ہے ۔کیونکہ تجھ جیسی عورت کے دل میں ایسے وجیہ انسان کا عشق پیدا ہونا کوئی عجیب بات نہیں ۔مگر تو نے یہ بھی کہا تھا کہ تیرا دل اور اس جادوگر تیرے ماموں کا جادو تجھ سے کہتا تھا کہ جب سے اول اول تیری روح نے قالب انسانی کی صورت اختیار کی ہے تجھے اس سے عشق تھا ۔اور تو نے اس قوت کاملہ کا واسطہ دے کر جس کے آگے انجام کار مجھے اپنے اعمال کے لئے جواب دہ ہونا پڑیگا ۔استدعا کی ہے کہ ماضی پر سے پردہ اٹھا کر تجھ پر حقیقت آشکارا کر دوں ۔ عورت! وقت مقررہ آپہنچا ہے اور میں تعمیل کرتی ہوں ۔اس لئے نہیں کہ تو نے حکم دیا ہے بلکہ صرف اس لئے کہ خود میری مرضی یہی ہے ۔ اصل ابتدا کا میں کوئی حال نہیں بتا سکتی ۔کیونکہ آخر میں انسان ہوں ۔خدا نہیں ۔میں نہیں جانتی کہ کس طرح ہم تینوں اس تقدیر کے تانے بانے میں اُلجھ گئے ہیں ۔میں نہیں جانتی کہ کیوں ہم ان ہزاروں قالبوں کی سیڑھی پر رنج اور تکلیف میں انتہائی جہد سے چڑھتے ہوئے کسی سرنوشت کو پورا کرنے کی غرض سے سفر کر رہے ہیں ۔یا اگر میں جانتی ہوں تو بتا نہیں سکتی ۔اس لئے میں وہاں سے شروع کرتی ہوں جہاں سے میرا حافظہ ساتھ دیتا ہے ۔"
عزا رکی ۔ہم نے دیکھا کہ اس کے جسم میں شدید ارتعاش پید

ہوا۔ گویا وہ زبردست قوت ارادی سے مجبور ہو کر لڑ رہی ہے
آخر اس نے بازو پھیلائے اور کہا "اچھا اپنے پیچھے دیکھو"
ہم نے پیچھے پھر کر دیکھا مگر اول اول سوائے اس آتشیں چادر کے جو کوہ آتش فشاں کے دہانے سے بلند ہو رہی تھی کچھ دکھائی نہ دیا + جیسے میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اس کے اوپر کا حصہ ہوا کے زور سے پرے کو جھکا ہوا تھا مگر فی الفور ہمارے دیکھتے ہی اس سُرخ چادر کے وسط میں ایک تصویر بننا شروع ہوئی۔ جیسے عکسی متحرک تصاویر نظر آتی ہیں +
ریگستان میں مندر نظر آیا۔ جو کھجور کے درختوں سے محدود۔ دریا کے کنارے پر تعمیر تھا۔ اس کے جنگلہ دار صحن میں راہبوں کی قطاریں ہاتھوں میں جھنڈیاں لئے اِدھر اُدھر پھر رہی تھیں + صحن خالی ہو گیا۔ میں نے ایک عقاب کے بازوؤں کا سایہ دیکھا جو اس صحن پر سے اُڑتا ہوا گذر گیا۔ ایک شخص سفید راہبانہ لباس پہنے۔ سر منڈائے ننگے پاؤں جنگلہ کے جنوبی دروازے سے داخل ہوا اور ایک مجلا و مصفا عبادت گاہ کی طرف بڑھا۔ جس میں ایک عورت کا بت نصب تھا۔ اس کے سر پر دوہرا مصری تاج تھا۔ جس پر کھلے ہوئے کنول کے پھول کی کلغی تھی اور ہاتھ میں عصائے مستدیر تھا + اب اس نے گویا کوئی آواز سُن کر ہماری طرف رُخ کیا۔ خدا کی قسم اس کا چہرہ ایین کی آغاز جوانی کا چہرہ تھا۔ نیز اس قرطیس کا چہرہ جس کی لاش ہم نے کور کے غاروں میں دیکھی تھی +
ایین نے میرا بازو تھام کر کہا "آپ نے دیکھا!" میں نے جواب میں صرف سر ہلا دیا +
وہ شخص پھر آگے بڑھا اور اس بت کی ٹانگوں سے لپٹ کر اُسے سجدہ کیا + اب دروازہ کھلا اور اس میں ایک جلوس داخل

ہوا۔ جس کے آگے آگے ایک برقعہ پوش رئیس زادی تھی۔ اس کے ہاتھ میں قربانی کے تحائف تھے۔ وہ اس نے میز پر رکھ دئے۔ اور دوزانو ہوکر اس عورت کے بت کی تعظیم کے مراسم ادا کئے۔ ان مراسم کے بعد لوٹی اور لوٹتے ہوئے اس جوان راہب کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ مس کرکے روانہ ہوگئی۔ یہ راہب لمحہ بھر رکا پھر اُس کے پیچھے چلا۔

اس عورت کے ہمراہی ایک ایک کرکے دروازے سے باہر نکل گئے۔ مگر وہ دیوار کے سائے میں رک گئی۔ راہب قریب پہنچا تو اس نے اس کے کان میں کچھ کہا اور دریا اور جنوبی سرزمین کی طرف اشارہ کیا۔ وہ پریشان سا ہوا۔ اس سے بحث کرنے لگا۔ آخر ایک دفعہ سرعت سے اردگرد دیکھ کر اس نے نقاب اٹھایا۔ اس کی طرف جھکی اور ـــــ دونو کے ہونٹ مل گئے۔

وہ بھاگی! اس کا بے نقاب چہرہ ہماری طرف کو ہوا۔ اوہ! اس کی صورت بعینہٖ شمسہ کی صورت تھی اور سر پر سنہری تاج اس کے شاہی رتبے کا گواہ تھا۔ اس نے پھر کر جوان راہب کی طرف دیکھا اور فتحمندانہ قہقہہ لگایا۔ غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی طرف اشارہ کیا اور غائب ہوگئی۔

اور اس خیالی ہنسی کے ساتھ ہمارے پاس کھڑی ہوئی شمسہ نے بھی قہقہہ لگایا۔ اس قہقہہ میں بھی فتح و نصرت کی شان تھی۔ اُس نے پکار کر اپنے بوڑھے ماموں سے کہا:۔

"میرا دل اور تمہاری عقل صحیح خیال پر مستحکم تھے۔ دیکھو میں نے کس طرح زمانۂ ماضی میں اس کا دل فتح کیا تھا" اس پر عزرا کی ٹھنڈی آواز آگ پر پانی کے چھینٹے کی طرح برسی۔

عورت! خاموش! دیکھ تو نے کس طرح زمانۂ ماضی میں اسے

ہاتھ سے کھویا"

نظارہ بدلا۔ ایک مسہری پر ایک حسین عورت خواب استراحت میں نظر آئی۔ اُسے خواب دکھائی دیا۔ اور وہ خوف سے کانپنے لگی + اس کے برابر اس پر جھکی ہوئی ایک عورت اس مندر کی دیوی کے لباس میں ملبوس نظر آئی۔ البتہ اس کے سر پر عقاب کی صورت کا تاج تھا۔ یہ دیوی خاتون خوابیدہ کے کان میں کچھ کہہ رہی تھی + خاتون کی آنکھ کھلی اور اس نے گھبرائی ہوئی نظر سے چاروں طرف دیکھا۔ اس کی صورت وہی تھی جب کور کے غاروں میں پہلی دفعہ نقاب اُٹھانے پر عذرا کی صورت نظر آئی تھی +

ہم دونو نے آہ کی۔ اس کے حسن جہاں سوز کا ایک دفعہ پھر نظارہ ہونے کی وجہ سے ہماری زبانیں بند تھیں +

وہ پھر سو گئی اور پھر وہی دیوی نما صورت اس پر جھکی۔ اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ نظارہ بدلا۔ اور طوفانی سمندر میں ایک کشتی نظر آئی جس میں دو صورتیں ہم آغوش دکھائی دیں + یہ دونو وہی شہزادی اور راہب تھے۔ ان کے سروں سے اوپر بالا بالا ایک عقاب گردن بڑھائے بازو پھیلائے مجسم انتقام کی صورت میں چلا آرہا تھا۔ اس کی صورت بعینہٖ وہی تھی جو اس دیوی کے سر کے تاج کی تھی +

اس آتشیں پردے پر سے یہ تصویر غائب ہو گئی۔ اور پردہ دوپہر کی دھوپ کی طرح سفید ہو گیا۔ پھر اس پر اور صورتیں نمود ہوئیں۔ پہلے ایک مصفّا دیواروں کا غار نظر آیا جس میں ریت کا فرش تھا۔ اور ہم اس غار کو بخوبی پہچانتے تھے + پھر اس ریت پر اس جوان راہب کی لاش نظر آئی۔ جس کے سر پر اب سنہری بال موجود تھے۔ اور پتھرائی ہوئی آنکھوں سے خون میں لت پت

اوپر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے قریب دو عورتیں کھڑی تھیں۔ ایک بالکل برہنہ تھی۔ اور سوائے اس کے سیاہ دراز گیسوؤں کے کوئی شے ستر پوش نہ تھی۔ اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا۔ اور اس کا حسن تخیل سے بالاتر تھا۔ دوسری ایک سیاہ لبادے میں ملبوس تھی اور ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر اور آسمان کی طرف رخ کر کر کے اپنی مدمقابل پر آسمانی لعنت برسا رہی تھی۔ پہلی وہ تھی جس کے کان میں دیوی کے مجسمے نے کچھ کہا تھا۔ اور دوسری وہ عصری شہزادی تھی جس نے اپنے معشوق یا عاشق کے لب پر مندر کے دروازے میں بوسہ دیا تھا۔

آہستہ آہستہ یہ صورتیں بھی محو ہو گئیں۔ گویا آگ کے شعلوں میں بھسم ہو گئیں۔ کیونکہ اوّل تو وہ سفید اور شفاف سی ہوئیں پھر غائب ہو گئیں۔ عزا نے جو ابھی تک جھکی بیٹھی تھی۔ پیچھے کمر لگائی گویا وہ اپنی جادوگری سے تھک گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک مخلوط تصویریں تیزی سے اِدھر اُدھر دوڑتی ہوئی اس پردۂ آتشیں پر نظر آئیں۔ جیسے دو ہزار سال کی یادداشت کا فسانہ تیزی سے ملا جلا بیان کیا جائے۔ جس میں فرداً فرداً ایک ایک واقعہ کا جداگانہ تذکرہ نہ کیا جا سکے۔

وحشت آفریں نظارے۔ ہزاروں انسانی صورتیں۔ بڑے بڑے غار۔ ان میں چہرے جن میں ہماری صورتیں بھی شامل تھیں۔ یہ سب کچھ بڑے بڑے قد و قامت میں نمایاں ہوتے رہے۔ اور لمحہ بھر میں چھوٹے چھوٹے ہو کر غائب ہوتے گئے عجیب و غریب بلند قامت پُرہیبت مجسمے۔ بہت سے خرق عادت اور خوفناک واقعات۔ کوچ کرتی ہوئی فوجیں لاتعداد میدان ہائے جنگ۔ خون میں غلطاں لاشیں اور ان پر مرنے

والوں کی اڑتی ہوئی ارواح - غرض ہزار چیزیں پیش نظر آئیں۔ اور غائب ہوگئیں + آخر یہ سب کچھ بھی محو ہوگیا اور آتشیں چادر پھر اپنی اصلی حالت پر آگئی +

اب عزرا سنبھل کر بیٹھی - پہلے نہایت ہی نحیف آواز میں بولنا شروع کیا - مگر رفتہ رفتہ آواز میں قوت پیدا ہوگئی +

عزرا "شمسہ! کیا تیرا سوال حل ہوگیا؟"

خانم "- مادر! میں نے عجیب و غریب واقعات کا مشاہدہ کیا ہے تیرے جادو کی نادر مصوری دیکھی - مگر یہ کیسے باور کیا جائے کہ یہ سب تماشا تیرے دماغ کے ابخرات کے عکس سے زیادہ وقعت رکھتا ہے - جو تو نے ہماری نظر بندی اور بیوقوف بنانے کی غرض سے اس آگ پر ڈال دیا ہے"

عزرا "- اچھا تو ان تصویروں کا مفہوم سن لو اور اپنے شکوک سے مجھے پریشان نہ کرو + ہزاروں سال گذرے اس سے پیشتر جب کہ میں نے اپنی اس آخری طویل زندگی کا دور شروع کیا ہے آئیس مصر کی سب سے بڑی دیوی کا مکان مقدس مقام بہیت میں دریائے نیل کے کنارے پر واقع تھا + یہ مکان اب کھنڈر ہے اور آئیس مصر سے چلی گئی ہے - اگرچہ اس قوت کے ماتحت جس نے اُسے اور مصر کو پیدا کیا اب بھی وہ دنیا پر حکمران ہے کیونکہ اسی کا نام

لہ بعد کی معلومات سے جو ہمیں خود عذرا کی زبان سے بہم پہنچیں میں یقین کرتا ہوں کہ شمسہ کا حیرت انگیز قیافہ درست تھا - اور یہ خوفناک تصویروں کا تسلسل اگرچہ واقعات پر مبنی تھا - درحقیقت عذرا کی قوت متخیلہ کے "ابخرات" تھے جن کا عکس "ہماری "نظر بندی اور بیوقوف بنانے کی غرض سے" آتشیں چادر پر ڈال کر ہمارے دلوں پر نقوش پیدا کئے گئے تھے -

(حنیف)

فطرت ہے + اس بت کدہ کا سب سے بڑا راہب ایک یونانی قرطیس نامی تھا جسے دیوی نے اپنی خاص عنایت سے اپنی خدمت کے لئے منتخب کیا تھا - وہ ابد الآباد کے لئے صرف اسی کی خدمت اور عبادت کے واسطے پیمان واثق کر چکا تھا - یہ قسم ایسی خوفناک تھی کہ اس کے توڑنے کی سزا بھی ایسی ہی ابدی ہے +

" شعلوں میں تو نے اس عابد کو دیکھا - اور اب وہی تیرے سامنے کھڑا ہے جو دوبارہ پیدا ہو کر اپنی اور ہم دونو کی سر نوشت پوری کرنے کی غرض سے یہاں تک پہنچا ہے +

" خاندان فراعنہ کی ایک شہزادی اس زمانہ میں موجود تھی جس کا نام ایمنرالٹس تھا اُس نے اس قرطیس پر نگاہِ عشق ڈالی اور اسے اپنی فسوں گری میں مبتلا کر کے اسے اپنے عہود و مواثیق کے توڑنے پر مجبور کر دیا اور اپنے ساتھ لے بھاگی جیسا کہ تو نے شعلوں میں دیکھا +

دو نیز ایک حسین اور عقیل عربی خاتون تھی جس کا نام عذرا تھا اُس نے اپنے خالی دل اور بے انتہا علم کے بوجھ سے عاجز آکر مادرِ کُل یعنی فطرت کی خدمت میں پناہ لی - اس عذرا پر خواب میں وہ دیوی نازل ہوئی جب کہ تو نے مشاہدہ کیا - اور حکم دیا کہ اُن بے وفاؤں کا تعاقب کر کے ان سے انتقام لے + اس کے بدلے میں اس نے اس سے اس جہان فانی پر بقائے دوام اور حسن لازوال دینے کا وعدہ کیا - چنانچہ اُس عذرا نے ان کا دُور تک تعاقب کیا - اور جہاں کا وہ ارادہ کر کے بھاگے تھے وہاں جا کر اُن کی منتظر رہی + اس جستجو میں ایک بزرگ نوٹ نامی کی امداد سے جو ازل سے اُس دیوی کی خدمت پر مامور تھا - عذرا نے اس جوہر کو پا لیا جس میں نہانے سے پشتوں - مذہبوں اور سلطنتوں سے زیادہ طویل

زندگی حاصل ہوتی ہے۔ حنیف ! تو وہ بزرگ تھا۔ اس وقت عذرا نے بدیں الفاظ عہد کیا کہ "میں ان گنہگاروں کو قتل کرونگی میں انہیں فوراً مار ڈالوں گی۔ جیسا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے +

"مگر عذرا نے قتل نہ کیا۔ کیونکہ اب ان کا گناہ اس کا گناہ بن گیا تھا۔ اس لئے کہ عذرا جو اس وقت تک جرم عشق سے پاک تھی اس جوان راہب پر عاشق ہو گئی۔ وہ انہیں جوہر حیات کے مقام پر لے گئی تاکہ خود اور اس مرد کو جوہر حیات میں نہلا کر ابدی زندگی حاصل کرے۔ اور اُس عورت کو مرنے دے +مگر تقدیر میں یہ نہیں تھا۔ اور دیوی نے اپنا بدلہ لے لیا۔ جیسا کہ وعدہ تھا عذرا کو حیاتِ ابدی مل گئی۔ مگر اس کے پہلے گھنٹہ میں ہی۔ چونکہ وہ نوجوان اس کے نظارہ سوزِ حسن عریاں سے مرغوب ہو کر اس سے گھبرایا اور اُس فانی عورت کے دامن کو تھام لیا۔ اس عذرا نے ضد سے اندھا ہو کر اُسے مار ڈالا۔ اور افسوس ہزار افسوس خود نہ ختم ہونے والی زندگی میں مبتلا رہ گئی +

"اس طرح مغلوب الغضب دیوی نے اپنے بے وفا پرستاروں پر مصیبت نازل کی۔ راہب کو مرگ مفاجات۔ عذرا کو طول طویل ابدی حسرت و یاس اور شہزادی ایمنا رئیس کو موت یا حیات سے تلخ تر حسد کی آگ میں جلنے اور اس محبت کو واپس لینے کی ابدی جدوجہد کی سزا دی۔ جسے اُس نے آسمان کو دھوکا دے کر حاصل کیا تھا۔ مگر اس سے مایوس رہنا اس کی تقدیر میں تھا +

"صدیاں گذر گئیں۔ آخر وقت مقررہ پہ غیر فانی عذرا کے پاس جس نے اس کی دوبارہ زندگی کی امید میں قرناً بعد قرنٍ شدید انتظار اور اپنے گناہوں پر سخت استغفار کی گھڑیاں کاٹی تھیں۔ وہی شخص جو اس کے دل کا مالک تھا پھر آیا۔ اُس وقت جب کہ

ان دونوں کے لئے مستقبل نہایت شاندار نظر آ رہا تھا۔ پھر اس دیوی نے وار کیا اور عذرا کو حصول مدعا سے محروم رکھا۔ اپنے عاشق کی زندہ آنکھوں کے سامنے شرم اور مصیبت کے سیاہ دامن میں لپیٹ کر وہ حسینہ قابل نفرت بدصورتی میں تبدیل ہوئی اور وہ غیر فانی ہستی بظاہر موت کے پنجے میں آتی ہوئی دکھائی دی۔

"مگر او قرطیس! میں سچ کہتی ہوں کہ وہ مری نہیں۔ کیا عذرا نے کور کی غاروں میں تیرے سامنے قسم نہیں کھائی کہ میں پھر واپس آؤں گی۔ بات یہ ہے کہ اس خوفناک لمحے میں بھی یہی خیال اس کے دل کا سہارا تھا۔ اس کے بعد ایین! — جو دراصل قرطیس ہے — کیا اس کی روح نے خواب میں رہبری نہیں کی اور کیا وہ تجھے ساتھ لے کر عین اسی چوٹی تک نہیں آئی جسے اس نے تیرے حصول مدعا کا نشان بتایا۔ اور کیا اس مدت دراز میں تو اسے بغیر اس علم کے کہ وہ تیرے ہر قدم کی نگران تھی۔ تلاش نہیں کرتا پھرا۔ جبکہ اس نے تجھے ہر خطرے سے بچانے کی کوشش کی۔ تاکہ آخر وقت مقررہ پر تو اس کے پاس پہنچ جائے۔"

یہ کہکر اس نے ایین کیطرف دیکھا۔ گویا وہ جواب کی منتظر تھی۔ ایین نے کہا:-

"کاہنہ! اس داستان کے ابتدائی حصہ کے متعلق سوائے ٹھیکی کے ٹکڑے کی تحریر کے مجھے کچھ علم نہیں۔ باقی کی نسبت مجھے بلکہ ہم دونوں کو علم ہے کہ صحیح ہے۔ مگر میں صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں اور تیرے کرم کا واسطہ دے کر استدعا کرتا ہوں کہ اس کا جواب فوری اور مختصر ملنا چاہیئے۔ تو نے کہا ہے کہ وقت مقررہ پر میں عذرا کے پاس پہنچ گیا۔ تو بتا کہ عذرا کہاں ہے؟ کیا تو ہی عذرا ہے؟ اگر یہ درست ہے تو تیری آواز میں تبدیلی کیوں واقع ہوئی ہے؟ تیرا قد اس قدر کم کیوں ہے؟ جس خدا کی تو پرستش کرتی ہے۔

میں اس کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تو ہی عذرا ہے؟"

کاہنہ نے متانت سے جواب دیا "ہاں میں ہی عذرا ہوں۔ وہی عذرا جس کی ابدی محبت کا تو نے اقرار کیا تھا۔"

شمسہ نے بات کاٹ کر کہا "جھوٹ! سرتا پا جھوٹ! میرے خاوند! ــــ تیرا یہ رشتہ میرے ساتھ اسی کی زبان سے ثابت ہوا ہے ــــ میں تجھ سے کہتی ہوں کہ یہ عورت جو کہتی ہے کہ بیس برس ہوئے تجھ سے جوانی اور حسن کے عالم میں جدا ہوئی تھی وہی بڑھیا ہے جو کم از کم سو سال سے عزا کے مندر میں حکمران ہے۔ اگر اس میں طاقت ہے تو اس واقعہ کو جھٹلا دے۔"

مادر "معدن! جس بڑھیا کا ذکر خانم نے کیا ہے تو اس کی موت کا حال بیان کر۔"

معدن نے سر تسلیم خم کیا اور اپنی عادی متانت آمیز آواز میں۔ گویا وہ کوئی روزمرہ کے واقعات بیان کر رہا ہے اس ترکیب سے بیان کرنا شروع کیا کہ کم از کم مجھے اس کی باتوں پر اعتبار نہ آیا:۔

"اٹھارہ برس گزرے اس پہاڑ پر عبادت عزا کے قیام کے دو ہزار تین سو تینتیس برس موسم سرما کے پہلے مہینے کی چوتھی رات کو وہ کاہنہ جس کا ذکر خانم شمسہ نے کیا ہے۔ اپنی حکومت کے ایک سو آٹھ سال پورے کر کے میری موجودگی میں تقاضائے سن کی وجہ سے مر گئی۔ تین گھنٹہ بعد ہم قدیم دستور کے مطابق اس کی لاش کو تجہیز و تکفین کی غرض سے اٹھانے گئے مگر اس وقت ایک معجزہ ہوا کہ وہ دوبارہ زندہ ہو گئی۔ تھی وہی مگر شکل صورت میں نمایاں تغیر واقع ہو گیا تھا۔

"اس واقعہ کو ارواح خبیث کی جادوگری کا نتیجہ قیاس کر کے تمام رہبان و راہبیاتِ دارالعلم نے اُسے چھوڑ دیا۔ اور یقین تھا کہ تخت سے اُتار کر اُسے دھکے دے دیتے کہ یکایک پہاڑ میں جوش و خروش پیدا ہوا۔ روشنی کے آتشیں مینار بجھ گئے اور سب کے دلوں میں عظیم الشان دہشت پیدا ہو گئی۔ اس وقت محراب عبادت کے اوپر سخت تاریکی میں سے جہاں مادر انسان کا بت نصب ہے۔ زندہ جاوید دیوی کی آواز بلند ہوئی + اُس نے کہا:۔

'اے لوگو! اُس کی حکومت کے آگے سرِ تسلیم خم کرو۔ جسے میں نے اپنے ارادوں اور فیصلوں کی تکمیل کی غرض سے تم کو مسلط کیا ہے'

"آواز بند ہو گئی۔ نوری مینار پھر روشن ہو گئے اور ہم نے نئی عزا کے سامنے زانوئے اطاعت تہ کیا اور آپس میں طے کر لیا کہ آئندہ اسی کو مادر کہا کریں گے + یہ وہ کہانی ہے جس کی شہادت سینکڑوں متنفس دے سکتے ہیں"

عزا: "شمسہ تو نے سنا۔ کیا اب بھی تیرے دل میں شبہ ہے؟"

خانم: "ہاں! کیونکہ میں قرار دیتی ہوں کہ معدن بھی جھوٹ بولتا ہے۔ اگر وہ جھوٹ نہیں بولتا تو اس نے خواب کی باتیں بیان کی ہیں۔ یا شاید وہ آواز تیری ہی آواز ہو گی۔ اگر بفرضِ محال تو وہی غیر فانی عذرا ہے تو ان دونوں کے سامنے اس کا ثبوت دے جنہوں نے پہلے تجھے دیکھا ہے۔ ان چیتھڑوں کو جنہوں نے تیرے حسنِ عالم سوز کو چھپا رکھا ہے اتار پھینک اور اپنے حسنِ جہانتاب اور جمالِ بے مثال سے ہماری نگاہوں کو خیرہ کر دے۔ یقیناً تیرا عاشق ان بے نظیر نظاروں کو بھول نہیں سکیگا۔ اور تجھے

عریاں دیکھ کر پہچان لے گا اور سرِ تسلیم خم کر کے کہہ دے گا کہ وہی میری غیر فانی معشوقہ ہے اور کوئی نہیں۔"

"اس سے پہلے ناممکن ہے کہ میں اس بات کا یقین کر دوں کہ جو تو نے دعوےٰ کیا ہے سچ ہے۔ وہ بھی یہ کہ تو ایک خبیث روح ہے جس نے خونِ انسانی کے عوض حیاتِ ابدی حاصل کی اور اپنے شیطانی حسن سے مردوں کے دلوں کو تسخیر کرنے کا کام لیا ہے۔"

اس تقریر سے عزا پر عجیب اثر مترتب ہوا۔ اس نے آگے پیچھے جھومنا شروع کیا اور لپٹے ہوئے ہاتھوں کو ملنے لگی۔ آخر بھرائی ہوئی آواز میں کہا "قرطیس! کیا تیری بھی یہی مرضی ہے؟ اگر ہے تو مجھ پر اس کی تعمیل فرض ہے۔ تاہم میں التجا کرتی ہوں کہ مجھے ایسا حکم نہ دے کیونکہ ابھی وقت نہیں آیا۔ ناقابلِ شکست وعدہ کے پورا ہونے کی ساعت ابھی نہیں آئی۔ قرطیس! جب میں نے کور کے کھنڈرات میں تیری پیشانی پر بوسہ دے کر تجھے اپنا کہا تھا۔ اُس وقت سے اس وقت تک میری ہیأت میں کچھ فرق پیدا ہو گیا ہے۔"

ایمن نے مایوسی سے چاروں طرف دیکھا یہاں تک کہ اس کی نگاہ شمسہ کے چہرے پر پڑی جس نے چلّا کر کہا:۔

"میرے آقا! اسے نقاب اُتارنے کا حکم دے دو۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ میرے دل میں رشک پیدا نہیں ہو گا۔"

اس تعریض پر ایمن بھڑک اُٹھا اور کہا "ہاں! میں حکم دیتا ہوں کہ پردہ اُٹھا دے۔ تاکہ جو میری تقدیر کا لکھا ہے بھلا یا بُرا میری آنکھوں کے سامنے آجائے ورنہ میں اسی دُبدھے میں مر جاؤں گا۔ اس کی ہیأت میں کچھ بھی تبدیلی کیوں نہ ہو گئی

ہو۔ اگر وہ عذرا ہے تو میں فوراً پہچان لونگا اور واقعی وہ عذرا ہے تو میرے دل میں اس کی محبت پیدا ہو جائیگی "
عذرا "قرطیس تیرے الفاظ بہت جرأت آمیز ہیں۔ تاہم میں تہ دل سے ان کی مشکور ہوں۔ یہ شیریں اور وفا شعارانہ الفاظ تو نے استعمال کئے ہیں۔ جسے تو نہیں جانتا کہ کیا ہیں۔ اس لئے اب تجھ پر حقیقت آشکارا ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ میں تجھ سے ایک حرف بھی پردۂ اخفا میں رکھنا نہیں چاہتی۔ قضا و قدر کا حکم ہو چکا ہے۔ کہ جب میں نقاب اتاروں گی تو تجھے انتخاب کرنا پڑے گا۔ یہ انتخاب اس دنیا کے تختے پر اس عورت کے جو ازل سے میری رقیب رہی ہے اور اس عذرا کے مابین آخری انتخاب ہوگا۔ جس کی محبت کی تو قسم کھا چکا ہے۔ اگر تو چاہے تو مجھے مسترد کر سکتا ہے اور تجھ پر اس سے کوئی عقوبت وارد نہ ہوگی۔ بلکہ بہت سی برکات جنہیں انسان پسند کرتے ہیں حاصل ہونگی یعنی طاقت دولت اور محبت۔ اس صورت میں صرف تجھے میرا عشق دل سے دور کرنا پڑیگا۔ کیونکہ پھر میں تجھے تیری تقدیر پر چھوڑ کر الگ ہو جاؤں گی۔ یہاں تک کہ آخر کار ان مصائب و شدائد کا منشائے حقیقی واضح کیا جائے۔

"میں تجھے تنبیہ کرتی ہوں کہ امتحان صعب تیرے سامنے ہے۔ متنبہ رہنا کہ میں تجھ سے سوائے ایسی محبت کے جو آج تک کسی عورت نے کسی مرد سے نہیں کی اور کچھ وعدہ نہیں کر سکتی ایسی محنت جس کا نتیجہ شاید —— واللہ اعلم —— اس پردۂ دنیا پر نامرادی محض ہی ہو "

پھر اس نے مجھے مخاطب کرکے کہا "او حنیف! میرے سچے دوست!! قدیمی محافظ۔ وہ جو ابین کے بعد مجھے سب سے پیارا

ہے۔ شاید تیرے پاک اور بے لوث ضمیر کو جو ہمارا نگہبان رہا ہے
وہاں تک رسائی حاصل ہو جہاں ہماری ناتجربہ کار ضمیروں کی
رسائی ناممکن ہے + میرے حنیف! تو اسے وہ مشورہ دے۔ جو
الہاماً تجھ پر دارد ہو۔ اور میں اس کے اور تیرے الفاظ کی تعمیل
کرونگی اور نتیجہ خواہ کچھ ہو میں تیری ممنونِ احسان رہونگی۔ اور اگر
اُس نے مجھے مسترد کر دیا۔ تو ملائے اعلیٰ پر فردوس کے مقررہ طبقہ
میں جہاں دنیاوی جذبات فنا ہو جاتے ہیں ہیں اور تو ابدی موانست
کی شاندار فضا میں رہا کریں گے۔ کیونکہ تو مجھے مسترد نہیں کرے گا۔
کیونکہ تیرے ضمیر کا فولاد سچائی اور قوت کی بھٹی میں آب دیا گیا ہے
اور تو معمولی ترغیب میں آکر اتنا اشتعال پذیر نہ ہوگا کہ کسی غیر
کے گلے میں پڑ کر زنگ آلود زنجیر بنے۔ حتیٰ کہ انجام کار یہ زنجیر
دونو کے دلوں میں نفرت کا باعث ہو جائے ''

میں "عذرا! میں تیرے الفاظ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ان الفاظ
اور تیرے وعدے نے مجھے جو تیرا ادنےٰ دوست ہوں اور اس
سے زیادہ میں نے کبھی خیال ہی نہیں کیا۔ میری تمام تکالیف کا ہزار
گنا بدلہ دے دیا ہے۔ اتنا میں اپنی طرف سے کہتا ہوں کہ میرے
نزدیک تو وہی عذرا ہے جسے ہم کھو چکے تھے۔ کیونکہ جن لبوں
سے یہ الفاظ اور خیالات ادا ہوئے ہیں۔ وہ سوائے عذرا کے کسی
اور کو نصیب نہیں ''

میں اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا اور کوئی بات ذہن میں ہی نہ آتی
تھی۔ کیونکہ میرا دل خاص مسرت اور خاموش ناقابل بیان اطمینان
سے بھرا ہوا تھا۔ اب مجھے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ عذرا بھی مجھ سے
ایسی ہی مانوس ہے جیسا کہ ہمیشہ سے اپنی مجھ سے مانوس تھا۔ اس
سے بڑھکر میری اور کیا آرزو ہو سکتی تھی +

ہم ایک گوشے میں گئے اور مشورہ کیا۔ اور سب خاموشی سے
ہمیں دیکھتے رہے۔ ہم میں جو گفتگو ہوئی بالتفصیل مجھے یاد نہیں البتہ
اس کا انجام یہ ہوا کہ جس طرح عزا نے امین کو کہا تھا امین نے مجھ سے
کہا۔ کہ فیصلہ کرکے انتخاب کرو۔ میں شش و پنج میں ہی تھا کہ میرے
ضمیر نے یا کسی اور طاقت نے صاف طور پر فیصلہ کرکے ایک حکم میرے
کانوں میں پہنچایا۔ وہ حکم یہ تھا کہ عزا کو نقاب اٹھانے کی فہمائش
کی جائے پھر یا قسمت یا نصیب! اتنے میں امین نے کہا:۔

"حنیف! فیصلہ کرو۔ مجھ میں اس سے زیادہ برداشت کرنے
کی قوت نہیں۔ اس عورت کی طرح خواہ وہ کوئی ہو میں تمہیں کوئی
الزام نہ دونگا"

میں "بہت اچھا۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں" یہ کہکر میں آگے بڑھا
اور کہا:۔

"عزا! ہم نے مشورہ کر لیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں حق بات
معلوم ہو جائے اور ہماری طبیعتوں کو سکون حاصل ہو۔ اس لئے
ہماری یہی مرضی ہے کہ تو ہمارے سامنے اسی جگہ اسی وقت نقاب
اُتار دے"

کاہنہ نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا "میں نے سن لیا اور
تعمیل پر راضی ہوں۔ صرف تم دونوں سے میری یہ تمنا ہے کہ مجھ پر
رحم کرنا اور مذاق نہ اُڑانا۔ میری روح سوزاں پر نفرت و استہزا
کے چھینٹے نہ دینا۔ کیونکہ میں جس نوبت کو پہنچی ہوں وہ اے میرے
قرطیس! صرف تیری خاطر برداشت کیا ہے۔ تاہم . . . . . تاہم
میں خود علم کی پیاسی ہوں کیونکہ اگرچہ مجھے کمل عقل حاصل ہے اور
مجھ میں بہت سی قوتیں موجود ہیں پھر بھی ایک چیز رہتی ہے جسے میں جاننا

چاہتی ہوں وہ یہ کہ انسانی محبت کی کیا قیمت ہے اور آیا واقعی وہ قبر کی مصیبتوں کے بعد بھی قائم رہتی ہے یا نہیں؟"

یہ کہہ کر عزا آہستہ سے اٹھی اور لڑکھڑاتی ہوئی اس جگہ کے بے سقف حصے میں گئی۔ اور دہانۂ آتش خیز کے عین کنارے پر کھڑی ہو گئی۔ وہاں جا کر تیز باریک آواز میں راہبہ کو آواز دی اور کہا "امی۔ ادھر آؤ اور ان برقعوں کو کھول ڈالو"

امی آگے بڑھی۔ اس کے خوش نما چہرے پر خوف کے آثار مترشح تھے۔ اور اس نے کام شروع کیا۔ اس کا قد اگرچہ میانہ تھا مگر جب وہ برقعہ کے بند کھول رہی تھی تو میں نے دیکھا کہ عزا سے اس کا قد بلند تر تھا۔

اوپر کا برقعہ گر گیا۔ اس کے نیچے اور برقعہ تھا۔ یہ بھی کھل کر گرا اور اب ہمارے سامنے وہی کفن پوش مردہ نما صورت کھڑی تھی جو ہمیں ہڈیوں والی وادی میں ملی تھی۔ اب یہ راز کھلا کہ ہماری پُراسرار رہبر اور کاہنۂ اعظم عزا درحقیقت ایک ہی ہیں۔

یکے بعد دیگرے پٹیوں پر پٹیاں اور کپڑوں پر کپڑے اترنا شروع ہوئے۔ الہٰی یہ کب ختم ہوں گے۔ ان کے اندر کا جسم لمحہ بہ لمحہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا جسم تو غیر معمولی طور پر چھوٹا نظر آنے لگا میرے دل میں ایک کھٹکا سا لگا۔ آخری پٹیاں بھی اتر کر اس طرح گریں جیسے خشک لکڑی پر سے چھلکا اترتا ہے۔ ان میں سے دو مرجھائے ہوئے ہاتھ دکھائی دیئے۔ اگر ان کو ہاتھ کہا جا سکتا ہے پھر پاؤں نظر آئے —— میں نے مصر کی ایک شہزادی کی ممی کے پاؤں اس صورت کے دیکھے تھے۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ اس وقت مجھے یاد آیا۔ کہ اس ممی کے تابوت پر الفاظ "حسن مجسم" کندہ تھے۔

اب اس کے جسم پر سے سب کپڑے اتر چکے تھے سوائے ایک قمیص نما جامے اور اندرونی نقاب کے + عذرا نے امی راہبہ کو اشارہ سے پرے ہٹایا۔ وہ بچاری دماغی صدمہ سے عاجز آکر گھٹنوں کے بل گر گئی اور ہاتھوں سے آنکھیں ڈھانپ کر اسی طرح بیٹھی رہی۔ پھر عذرا نے چیخ کی طرح نعرہ لگا کر اپنے پنجہ نما ہاتھ سے وہ نقاب بھی کھینچ لیا اور ہماری طرف رُخ پھیرا +

آہ وہ کیا تھی . . . . میں بالتفصیل اس کا حلیہ بیان نہیں کرونگا۔ میں اُسے ایک نظر میں پہچان گیا۔ کیونکہ میں نے اسے بعینہٖ اسی صورت میں آخری دفعہ آتش حیات کے سامنے دیکھا تھا۔ حیرت انگیز یہ بات تھی کہ اس ناقابل بیان ضعیف العمر چہرے میں اس انسانی صورت کے آخری زوال کے اندر اسی شاندار انسانیت سے بالاتر ہستی عذرا کے خط و خال کی شبیہ جھلک رہی تھی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کس انداز میں یہ تشابہ تھا۔ چہرے کی بناوٹ میں تھا یا اُس مقابلہ آرا غرور میں جس نے لمحہ بھر کے لئے اسے سیدھا کھڑا کر دیا تھا +

بلاشبہ وہ سامنے کھڑی تھی اور آتش تپاں کی تیز روشنی اُس کے مرجھائے ہوئے جسم اور سوکھی ہوئی ہڈیوں پر پڑ رہی تھی +

. . . .

کچھ دیر تک خوفناک سکوت کا عالم رہا + میں نے دیکھا کہ لیین کے ہونٹوں پر سفیدی آ گئی اور ٹانگوں میں رعشہ پیدا ہوا۔ مگر اندرونی قوت کے انتہائی زور سے وہ مردے کی طرح بے حس و حرکت سیدھا کھڑا رہا + میں نے شمسہ کو بھی دیکھا۔ اس نے صرف اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا تھا۔ اس کا منشا تو یہ تھا کہ اپنی رقیب کی ذلت کا مذاق اُڑائے۔ مگر اس ہیبت آفریں نظارے نے

اس پر اثر کیا اور شاید شایئت غالب آگئی - اور اس نے رحم سے منہ دوسری طرف پھیر لیا + صرف سمیری جن کی نسبت میرا گمان غالب ہے کہ وہ ایسے نظارہ کی توقع رکھتا تھا - اور معدن دونو بالکل غیر متاثر رہے - بلکہ یہاں تک ہؤا کہ اس لحد نما خاموشی میں معدن جرأت کرکے بولا اور میں اس کی اس جرأت کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے اس کا قائل ہو گیا + اس نے کہا:-

"اس بدصورت برتن کا جو زمانے کے مدفن میں پڑا رہ کر زنگ آلود ہو گیا ہو - اور اس گوشت پوست کا جو انجام کار رفتا ہونے والا ہے خیال نہ کرو - ہاں بجھے ہوئے چراغ میں ابدی تنویر کا جلوہ دیکھو - جو اس کے سینہ میں پوشیدہ ہے - اس بوسیدہ گوشت کے غلاف میں نہ گل ہونے والی روح کا مشاہدہ کرو"

اس خلوص و عقیدت پر میرے دل نے تحسین کی - خود میرا دل بھی معدن کا ہم نوا تھا - مگر تجدامبر اد ماغ چکرا رہا تھا اور میں دعا کر رہا تھا کہ الٰہی میرے حواس معطل ہو جائیں تا کہ میں اور کچھ دیکھ یا سُن نہ سکوں +

دیکھتے دیکھتے عذرا کے میت نما چہرے پہ ایک تغیر پیدا ہؤا پہلے تو امید کی جھلک سے چہرہ تمتمایا ہؤا تھا - یکایک امید مبدل بہ حسرت و اندوہ ہو گئی - اور درد و الم مترشح ہونے لگا + یہ سکوت اور یہ حالت ناقابل برداشت تھی - کچھ نہ کچھ تحریک ضروری تھی - مگر میں کیا کرتا - میری زبان تالو سے چمٹ گئی اور پاؤں ہزار ہزار من کے ہو گئے + میں نے اس نظارے پر غور و تفکر شروع کیا - وہ شعلوں کی چادر - اور اس کی آتشیں لہریں کس قدر عجیب تھیں - اس کی بلندی کس قدر ہیبت ناک تھی - اس کی تحریں غریب انسان کا جسم جل بھن کر خاک ہو گیا ہو گا - کاش میں

بھی اس کے ساتھ اس آتشیں بستر میں فنا ہو گیا ہوتا۔ کہ مجھے اس دل سوز نظارے کو برداشت نہ کرنا پڑتا ۔

خدا کا شکر ہے شمسہ نے مہر سکوت کو توڑا۔ آگے بڑھ کر بہمہ رعنائی و دلفریبی اس گنجی بڑھیا کے قریب جا کھڑی ہوئی اور کہنے لگی :-

"ایین یا فرطیس! تجھے اختیار ہے کہ کوئی کام اپنے لئے پسند کرے۔ تیرے دل میں میرے متعلق ظنِ نیک نہیں ہے۔ مگر یہ جان لے کہ میں اپنی رقیب کا اس مہلک شرمناک حالت میں مذاق اڑانا معیوب سمجھتی ہوں۔ اس نے ہمیں ایک خیالی فسانہ سنایا ہے خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔ بادی النظر میں جھوٹ کا پلہ بھاری ہے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ کس طرح میں نے ایک دیوی کے پجاری کے عہود و مواثیق تڑوائے اور کس طرح اس دیوی نے ـــــ جو شاید عذرا ہی تھی ـــــ میرے اس جرم کا کہ میں نے اپنے محبوب مرد کو قابو میں کر لیا۔ بدلہ لیا۔ اگر دیویاں کوئی شے ہیں تو انہیں اجازت ہے کہ وہ اپنی مرضی کے موافق لاچار انسان پر مصیبتیں نازل کریں۔ میں اپنی مرضی کا کام کروں گی یہاں تک کہ موت کا پنجہ میری گردن پکڑ کر میری زندگی کا خاتمہ کر دے پھر یا تو میں بھی دیوی بن جاؤنگی یا مشتِ غبار بن کر رہ جاؤنگی۔

"چنانچہ ایین! میں ان تمام لوگوں کے سامنے یہ کہنا عار نہیں سمجھتی کہ میں تجھ پر عاشق ہوں اور یہ ـــــ یہ عورت یا دیوی ـــــ بھی تجھ پر عاشق ہے۔ اور اس نے ابھی کہا ہے کہ تجھے اسی وقت ہمیشہ کے لئے ہم دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر میں نے دیوی آئیسس کے خلاف کوئی گناہ کیا ہے تو اس نے بھی جسے اس کی عاملہ ہونے

کا دعویٰ ہے ۔ مجھ سے زیادہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ اس نے تجھے روحانی مالکہ اور دنیوی بیوی سے چھینا اور خود بقائے دوام کا تحفہ حاصل کیا ۔ اس لئے اگر میں گنہگار ہوں تو وہ مجھ سے بھی بری ہے ۔ جس نور کا ذکر معدن نے کیا ہے وہ بھی اس تاریک اور مہیب ڈھیر میں کہیں چمکتا نظر نہیں آتا ۔

"ابین! انتخاب کر اور اس کشمکش کا خاتمہ کر دے ۔ میں اپنے متعلق کوئی لاف زنی کرنا نہیں چاہتی ۔ تو جانتا ہے کہ میں کیا تھی اور دیکھتا ہے کہ اب کیا ہوں ۔ مگر میں تجھے محبت اور راحت دے سکتی ہوں ۔ اور شاید اولاد بھی جس کے ساتھ جاہ و ثروت کا بھی کچھ حصہ تیرا ہوگا ۔ یہ بڑھیا دیوی جو کچھ تجھے دے سکتی ہے اس کا تو خود اندازہ کر سکتا ہے ۔ گزرے ہوئے زمانوں کی کہانیاں ۔ شعلوں پر متحرک تصویریں ۔ عقلی مقولے اور میٹھے میٹھے الفاظ ۔ اور جب پھر تو مرنے لگے تو اس خوفناک دیوی کے غصہ فرو ہونے پر جس کی یہ پجارن ہے آئندہ زندگیوں کی موہوم راحت و آرام کے خالی وعدے اس کی کل کائنات ہے ۔ میں سب کہہ چکی ۔ مگر ہاں ایک لفظ اور ———

"اے وہ جس کے لئے اگر عذرا کا فسانہ سچا ہے ۔ میں نے ایک زمانے میں شاہی مراتب و دولت چھوڑ کر غیر معلوم سمندروں کی طوفانی لہروں کو قبول کیا تھا ۔ اے وہ جسے میں نے اس خود پرست سنگ دل جادوگرنی کی قسموں سازیوں سے بچانے کے لئے اپنی جان تک سے دریغ نہ کیا ۔ اے وہ جسے زیادہ زمانہ نہیں گذرا میں نے اپنی جان پر کھیل کر دریا کی لہروں میں فنا ہونے سے بچایا ۔ انتخاب کر ! خدا را جلدی انتخاب کر"۔

اس تمام تقریر کو جس میں نرم لہجے میں ظالمانہ خیالات کا اظہار

کیا گیا تھا۔ جس میں باوجود دلائل لاطائل جھوٹ کا شائبہ موجود تھا۔ کیونکہ سہو وجلا نے حقیقت چھپا دی تھی۔ عذرا سکوت کے ساتھ انتہائی غور سے سنتی رہی۔ مگر نہ اس نے اس کے جواب میں ایک لفظ کہا نہ حرکت کی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جو کچھ کہنا چاہتی تھی کہہ چکی ہے۔ اور اب زیادہ بحث کو عبث جانتی ہے ✦

میں نے ایبن کے سفید چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ شمسہ کی طرف جھکا ہوا تھا۔ شاید یہ شمسہ کی خوبصورت آنکھوں کے جذب کا اثر تھا۔ پھر یکایک وہ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ سر ہلایا اور ایک گہرا سانس لیا۔ اس کی پیشانی پر سرخی کی جھلک پیدا ہوئی اور آنکھوں میں مسرت کا نور چمکا۔ آخر اس نے خیالات کے ہیجان میں بڑبڑانا شروع کیا:۔

"آخر مجھے ناقابل دریافت ماضی سے اور پُر اسرار مستقبل سے کوئی واسطہ نہیں۔ صرف موجودہ زندگی کے واقعات ہی میرے رہنما ہو سکتے ہیں۔ عذرا نے دو ہزار سال تک میرا انتظار کیا۔ شمسہ نے صرف دولت و طاقت کی غرض سے دوسرے آدمی کی زوجیت قبول کر لی۔ اور پھر اُسے زہر پلایا۔ جیسا کہ شاید مجھ سے تنگ آ کر مجھے بھی پلا دے۔ مجھے علم نہیں کہ ایمنارٹس اگر کوئی عورت تھی تو میں نے اس سے کیا عہد کیا تھا۔ مگر مجھے وہ اقرار یاد ہیں جو عذرا سے کئے تھے۔ اگر اب میں اس سے کنارہ کشی اختیار کروں تو میری زندگی پر حیف ہے۔ اور میرا یقین جعل ثابت ہو گا۔ گویا اس صورت میں عشق عمر کا پابند ہو جائیگا۔ اور بعد از موت اس کا وہم بھی فضول ہو گا ✦

"نہیں! نہیں!! اس خیال سے کہ عذرا کیا تھی۔ میں اسے اس حالت میں جس میں وہ اب ہے قبول کرتا ہوں۔ اس امید اور یقین

ہیں کہ وہ آئندہ کیا ہونے والی ہے ؎

حسن بے بنیاد باشد عشق بے بنیاد نیست

پھر کیوں نہ صرف یاد میں ہی زندگی گذار دی جائے۔ یہاں تک کہ موت روح کو آزاد کر دے"

یہ کہہ کر ابین آگے بڑھا۔ اور اس خوفناک مکروہ صورت مجسمہ کے قریب پہنچ کر گھٹنوں کے بل کھڑا ہوا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا*

آہ! اُس نے اس رعشہ سے ہلتے ہوئے بے بالوں کے سر والی عورت کی خوفناک پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور میرا خیال ہے کہ آج تک دنیا میں کسی مرد نے ایسی جرأت کا اظہار نہیں کیا ہوگا*

شمسہ نے سرد مہری سے کہا "تو نے انتخاب کر لیا۔ اور ابین! میں تجھ سے کہتی ہوں کہ تیرے طریق انتخاب نے میرے عظیم الشان نقصان کا غم تازہ کر دیا ہے۔ اس لئے اپنی ———— اپنی دولہن کو لے اور مجھے جانے دے"

مگر عذرا نے اب تک نہ کوئی لفظ کہا نہ اشارہ کیا۔ یہاں تک کہ یکایک وہ دوزانو ہوئی اور بلند آواز سے دعا مانگنے لگی۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کس پوشیدہ قوت سے دعا مانگ رہی تھی کیونکہ میں کبھی معلوم نہ کر سکا کہ دل میں وہ کس خدا کی پرستار تھی۔ تاہم اس کی دعا کے الفاظ یہ تھے :۔

"اے قادرِ مطلق کی مشیت کو پورا کرنے والے۔ اے قضاؤ وقدر کی تیغ براں۔ اے قانونِ ناگزیر جس کو لوگ فطرت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اے وہ جو مصر میں آئیسس کے نام سے صاحبِ تخت و تاج تھی اگرچہ تمام از منہ و

امصار تیرے زیرنگیں ہیں۔ اے پیدا کنندۂ حسن و عشق۔ اے وہ قوت جو انسانی ہستی کو کتم عدم سے معرضِ وجود میں لاتی ہے۔ جو پھر اس کی خاک کو مقررہ طبقہ میں ملاتی ہے اور پھر بعث بعد الموت کی حامل ہے۔ اے وہ طاقت جو مردہ زمین میں جان ڈالتی ہے۔ جس کا تبسم بہار ہے۔ جس کا قہقہہ سمندر کی لہریں ہیں۔ جس کی دوپہر موسم گرما ہے۔ اور جس کی رات موسمِ سرما ہے۔ سُن! سُن! اپنی منتخب خادمہ اور عاملہ کی فریاد سُن!

قدیم زمانے میں تو نے مجھے اپنی قوت میں سے قوت اور زمین کی تمام عورتوں سے زیادہ حسن عطا کیا تھا۔ مگر میں نے تیرے خلاف گناہ کیا اور اس گناہ کی پاداش میں غیر محدود زمانے تک تنہائی اور توبہ کی زندگی بسر کی۔ جس کا انجام اس ذلت میں ہوا کہ میرے عاشق کی نگاہوں میں میری صورت قابلِ نفرت ہوگئی۔ اور اس قوت اور حسن کے بدلہ میں میرے سر پر یہ قابل تضحیک بغیر بالوں کا تاج رکھا گیا۔ مگر تو نے اپنے اس سانس سے جس نے پہلے مجھے نور بخشا۔ پھر غم کا اندھیرا دیا۔ قسم کھائی تھی کہ میں جس کے لئے موت نہیں بنائی گئی۔ ایک دفعہ پھر اس شرمناک مہیب اور بدہیأت صورت سے اپنے غیر فانی حسن کا جامۂ لازوال حاصل کرونگی۔

اس لئے اے مادرِ رحیم! جس نے مجھے پیدا کیا ہے میں تجھ سے دعا مانگتی ہوں۔ اس کی سچی محبت کو میرے گناہوں کا کفارہ بنا دے یا اگر یہ نہیں ہو سکتا تو مجھے موت دے جو تیرا آخری اور مبارک ترین انعام ہے"۔

باب شانزدہم

قلب ماہیت

کیمیائے غمِ عشق تو تنِ خاکی را
زرِ خالص کند ار چند بود ہمچو رصاص

عذرا کی دعا ختم ہو گئی اور چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ خاموشی کی طوالت سے گھبرا کر میں نے اور این نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ہمیں توقع کے خلاف امید تھی کہ یہ دردناک اور خوش نما دعا جو بادی النظر میں روح فطرت کی دیوی سے مانگی گئی تھی ضرور قبول ہو گی۔ اس کے معنی یہ تھے کہ کوئی اعجاز وقوع پذیر ہو گا مگر یہ خدا جانے کہ کیا۔ عذرا کی طوالت عمر بجائے خود ایک معجزہ تھی۔ مگر کہا جاتا ہے کہ بعض ذلیل سانپ اس سے زیادہ زندہ رہ سکتے ہیں۔ کوز کے غاروں سے اس دار العلم میں عذرا کی روح کا انتقال بھی معجزہ تھا۔ مسلم ہونے کے لحاظ سے ہمارے لئے اعجاز تھا۔ مگر وسط ایشیا کی بعض قومیں اسے روزمرہ سمجھتی ہیں۔ یہ نہ سہی اس کا اسی قابل نفرت جسم کے ساتھ یہاں موجود ہونا کیا کم حیرت انگیز تھا۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ یہ جسم وہی تھا یا اس کی پیش رو عذرا کا جسم تھا۔ بالعموم بوڑھی عورتوں میں خاص قسم کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اندرونی روح کی اٹھارہ سالہ کارگذاری یہ ہو کہ ظاہری ہیأت میں ضروری تبدیلیاں کر کے

اس نے اس کی صورت ایسی ہی بنا دی ہو جیسی کہ پہلے جسم کی تھی +
خیر یہ تو ہؤا کیا شعلوں کی چادر پہ جو تصویریں نظر آئی تھیں وہ اعجاز نہ تھیں۔ مگر نہیں۔ بہت سے شعبدہ باز پانی میں یا انگوٹھوں میں ایسی تصویریں دکھا سکتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ تصویر کے قد و قامت میں خون ہوتا ہے۔ وہ صرف عذرا کے ذہنی خیالات کا عکس تھا۔ یا شاید یہ بھی نہ ہو بلکہ اس کی قوت تسخیر کے اثر سے ہمارے دلوں میں تصورات نے تصویر کی صورت اختیار کر لی ہو۔ کچھ بھی ہو ان تمام باتوں میں سے کوئی بھی معجزہ کہلانے کی مستحق نہیں کیونکہ کسی نہ کسی طرح ان کی توضیح و تشریح بہ سلسلۂ اسباب و نتائج بیان کی جا سکتی ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس وقت ہمیں کسی اعجاز کی توقع پیدا ہو +
ایسے ایسے خیالات متواتر ہمارے دلوں میں پیدا ہو رہے تھے۔ جبکہ آہستہ آہستہ وقت گذرتا جا رہا تھا اور کچھ وقوع پذیر نہ ہوتا تھا +
ہاں! آخر کار کچھ واقع ہؤا + شعلوں کی آتشیں چادر آہستہ آہستہ بے نور ہونا شروع ہوئی اور شعلے رفتہ رفتہ نیچے کو غائب ہوتے گئے۔ مگر یہ کوئی عجوبہ بات نہ تھی، دور سے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے اس کی روشنی میں وقتاً فوقتاً تبدیلی واقع ہوتی دیکھی تھی۔ بالخصوص صبح صادق کے وقت بہت ہی کم ہو جایا کرتی تھی اور اب صبح صادق بہت قریب تھی تاہم اس حالت میں بڑھتی ہوئی تاریکی نے نظارہ کی وحشت میں اضافہ کر دیا + اس کی آخری شعاعوں میں ہم نے دیکھا کہ عذرا اٹھ کر کھڑی ہو گئی جہاں سے رشان کی لاش نیچے پھینکی گئی تھی۔ وہاں کھڑی ہوئی اس کی خوفناک صورت دھندلی روشنی کے سامنے گھٹتے کی سی معلوم ہوتی تھی +

ایمن نے یہ سمجھ کر کہ شاید عذرا کنارے پر سے کود کر اس آ میں بھٹی میں بھسم ہونے کو جارہی ہے۔ آگے بڑھ کر اُسے روکنے کا ارادہ کیا مگر معدن اور رائی نے شاید کسی خفیہ اشارے کی متابعت میں جھپٹ کر اس کے بازو پکڑ لئے اور بڑھنے سے روک لیا۔ اتنے میں بالکل تاریکی چھاگئی اور اس تاریکی میں ہمیں عذرا کی آواز سنائی دی جو کسی نامعلوم زبان میں کوئی بھجن سا گا رہی تھی۔ اس راگ میں بلا کا سوز تھا۔

یکایک ایک بڑا سا شعلے کا ٹکڑا نیچے سے اوپر کو تیرتا ہوا آیا۔ ہم نے ایسے بڑے بڑے شعلے اس رات بہت سے دیکھے تھے۔ جنہیں ہوا اصل چادرِ آتشیں سے جدا کر کر کے اڑالے جاتی تھی۔ جیسا کہ میں اوپر بیان کر آیا ہوں۔ مگر —— مگر ——

ایمن نے کپکپاتے ہوئے کہا "حنیف! یہ شعلہ ہوا کے رخ کے مخالف آرہا ہے"۔

بلیں "شاید ہوا کا رخ ہی بدل گیا ہو"

اگرچہ مجھے صاف طور پر معلوم تھا کہ ہوا کا رُخ نہیں بدلا۔ بلکہ پہلے سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ جنوب کی طرف سے شمال کو جارہی تھی۔

یہ تڑپتا ہوا شعلہ آہستہ آہستہ اس طرف کو آتا دکھائی دیا۔ اس کی صورت ایسی تھی گویا دو بڑے بڑے پر پھیلے ہوئے ہیں اور ان کے بیچ میں کوئی سیاہ سی شے ہے۔ آخر وہ اس کنارے تک آیا اور وہاں جو پستہ قد ہستی کھڑی تھی وہ دونو بازوؤں سے اس کے گرد لپٹ گئے اور لمحہ بھر کے لئے اتنی جگہ کو منور کر دیا۔ پھر یکایک ان کی روشنی غائب ہو گئی اور ساتھ ہی پھر چہار طرف تاریکی چھاگئی۔

تھوڑا سا وقفہ گذرا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ وقفہ منٹ بھر کا تھا یا دس منٹ کا تھا۔ کہ امیؔ کسی خفیہ اشارے کی متابعت میں میرے پاس سے ہو کر گزری+ میں نے اسے اس کے زنانہ لباس سے پہچانا جو میرے جسم سے چھو کر گزرا تھا۔ پھر خاموشی کا ایک اور وقفہ آیا جس کے بعد میں نے محسوس کیا کہ امیؔ واپس آ رہی ہے پاس سے گذری تو معلوم ہوا کہ وہ اس طرح سسکیاں لے رہی ہے۔ جیسے کوئی دہشت کی حالت میں لے+

میں نے سوچا کہ افسوس! عذرا گڑھے میں گر گئی ہے۔ اور سارے کھیل کا خاتمہ ہو گیا۔ عین اس وقت ایک حیرت انگیز نغمہ کی آواز آئی+ بالکل ممکن ہے کہ یہ موسیقی راہبوں کے گانے سے پیدا ہوئی ہو جو ہماری نظروں سے اوجھل تھے مگر اس کا رنگ ہی نرالا تھا+ میں نے ایسا راگ نہ پہلے کبھی اس عبادت کدہ بلکہ دنیا میں کہیں سنا تھا اور نہ بعد میں+

میں اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ ایک ہی وقت میں یہ سمع نواز اور ہیبت آفرین تھا+ اس تاریک دھواں دھار غار میں سے یہ بلند ہو رہا تھا۔ اور گونج رہا تھا۔ کبھی ایک میٹھی سریلی آواز میں کبھی شیریں آوازوں کے مجموعہ کی صورت میں۔ اور کبھی ہوا کو ہلا دینے والی گونج میں۔ گویا سینکڑوں باجے ایک ہی وقت میں بجائے جا رہے ہیں۔ یہ نغمہ سنائی دیتا تھا+

اس کی شاندار اور متنوع ہمنوائی میں مختلف انسانی جذبات کا رنگ مشتمل نظر آتا تھا+ اس وقت کے بعد مجھے بارہا یہ خیال آیا کہ اس کے مختلف جذبات پر حاوی دائرے اور وسعت سے عذرا کی نئی زندگی کا یہ سرود عذرا کی روح کی غیر محدود رنگا رنگی کی طرف اشارہ کرتا تھا۔ اور اسی روح کی طرح اس نغمہ میں مختلف

نمایاں پردے الگ سنائی دیتے تھے ۔ جن سے قوت جذبہ ۔ صعوبت اسرار اور کشش جن کے اثرات طبعیت پر وارد ہوتے تھے + اس نغمہ کا نفس مضمون بھی بالکل وضاحت سے سمجھ میں آتا تھا + یہ کسی صاحبِ قوتِ روح کی تبدیلیوں کا افسانہ اور ایک ربانی ملکہ کی عبادت کا سبق تھا +

جس طرح جلتی ہوئی خوشبوؤں کے دھوئیں کے بادل کسی بلند عبادت گاہ کی چھت تک پہنچتے پہنچتے غائب ہو جاتے ہیں اسی طرح اس غائبانہ نغمہ کی آواز دھیمی ہوتی گئی ۔ اور آخر اس عمیق آتش کدہ کی گہرائی میں غائب ہوگئی +

مشرق کی طرف سے ایک شعاع تیزی سے فضائے سماوی میں پھیل گئی اور معدن نے کہا :-

"صبح کی بہار دیکھو"

یہ شعاع بڑھ کر ہمارے سروں پر آسمان کی نصف لمبائی کو عبور کر گئی ۔ پھر رفتہ رفتہ تیزی سے نیچے کو پھیلنا شروع ہوئی یہاں تک کہ یہ اس جگہ کے آخری کنارے پر آپہنچی ۔ مگر ہم ابھی تاریکی میں تھے کیونکہ اس مقام کی مشرقی دیوار سدِ راہ تھی +

اوہ ! ہمارے سامنے عین کنارے پر ایک حسن کی تصویر صرف ایک کپڑے میں ملبوس کھڑی تھی ۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سو رہی ہے کیونکہ آنکھیں بند تھیں ۔ بلکہ مجھے تو شبہ ہوا کہ مردہ ہے کیونکہ چہرہ بالکل سفید تھا + اتنے میں صبح کی کرن اس کے چہرے پر پڑی اور باریک نقاب میں چمکتی ہوئی آنکھیں کھلیں + ان میں تحیر کی جھلک تھی ۔ جیسے بچہ حیرت سے اپنے انواح کو دیکھتا ہے ۔ اس کے ساتھ ہی سینے سے ہوتی ہوئی اوپر کی طرف حیات کی علامت یعنی خون کی سرخی دوڑ گئی + سیاہ دراز گیسو ہوا

میں لہرائے اور موباف کا مرصع کار سرا سینے پر چمکنے لگا۔

الہی یہ صرف نظر کا دھوکا ہے یا وہی عذرا ہے جو اسی حالت میں کورکے غار دل کے اندر آتش غلطاں میں داخل ہوئی تھی؟

ہمارے گھٹنوں نے جواب دے دیا۔ ہم نے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور میں اور امین دونو زمین پر دوزانو ہو گئے۔ اتنے میں ہمارے قریب سے ایک سریلی شیریں آواز نسیم سحری کے جھونکے کی طرح سنائی دی۔ اس کے الفاظ یہ تھے:۔

"قرطیس میرے پاس آ۔ تاکہ میں تیرے اس محبت و وفا کے بوسے کا بدلہ دوں جو تونے ابھی دیا تھا۔"

امین نے کھڑے ہونے کی کوشش کی اور مخمور کی طرح لڑکھڑاتا ہوا عذرا کے قریب پہنچا۔ مگر قریب پہنچ کر کھڑا نہ رہ سکا۔ بلکہ گھٹنوں کے بل گر گیا۔ عذرا نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اُٹھانا چاہا اور کان میں کہا:۔

"اُٹھ! اُٹھ! تیرے سامنے دوزانو ہونے کا میرا منصب ہے۔"

مگر امین نہ اُٹھا یا اُٹھ نہ سکا۔ اس لئے عذرا آہستہ سے جھکی اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ پھر مجھے اشارہ کیا۔ میں قریب گیا اور دوزانو ہونا چاہتا تھا مگر عذرا نے نہ ہونے دیا۔ اور اپنے مخصوص شیریں انداز میں کہا:۔

"نہیں! تو بے غرض ہے اور دوزانو ہونا تیرا کام نہیں عاشقوں اور پجاریوں کو اگر میں چاہوں تو پل بھر میں ہزاروں کی تعداد میں مہیا کر سکتی ہوں۔ اور بغیر چاہے ہزاروں موجود ہیں۔ مگر حنیف! تجھ جیسا دوست جس کا میں خیر مقدم کرتی ہوں مجھے کہاں سے میسر آسکتا ہے۔"

اور میری طرف جھک کر اُس نے اپنے ہونٹوں سے میری پیشانی کو بھی چھوا - صرف چھو دیا اور کچھ نہیں + عذرا کے سانس میں اور عذرا کے بالوں میں گلاب کی خوشبو تھی + اس کا رعنا جسم موتی کی طرح چمک رہا تھا - چہرے کے گرد نور کا ہالا تھا + اس کے بازؤں کا مقابلہ دنیا کی کوئی شے نہیں کر سکتی تھی - جن سے وہ اپنے حریری لبادہ کو تھامے ہوئے تھی - اور اس کی رسیلی آنکھوں کا مقابلہ کوئی ستارہ نہیں کر سکتا تھا +

جب اس کے ہونٹ میری پیشانی سے مس کر رہے تھے تو میرے دل میں خاص قسم کی روحانی عقیدت کی لہر موجزن تھی - جس میں ارضی جذبات کا کوئی دخل نہیں تھا + مجھے یاد ہے اور اس سے مجھے شرم آتی ہے کہ ایک دفعہ اس کے برعکس حالت تھی مگر اب میں سن رسیدہ تھا - اور دنیاوی پست خیالیوں کو چھوڑ چکا تھا + علاوہ بریں کیا عذرا نے مجھے مربی - محافظ اور دوست کے خطابات سے مشرف نہیں کیا تھا - اور قسم نہیں کھائی تھی کہ میں ایین کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہونگا - جہاں دنیاوی جذبات فنا ہو جاتے ہیں + میں پھر کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ مجھے اور کیا آرزو ہو سکتی ہے +

عذرا نے ایین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا - اور اس چٹانی مکان میں داخل ہوئی + اس کے سائے میں داخل ہوتے ہوئے اُسے سردی کی وجہ سے کپکپی سی محسوس ہوئی + مجھے یاد ہے کہ اس سے مجھے قلبی مسرت ہوئی - کیونکہ مجھے اس سے یہ اندازہ ہوا کہ آخر وہ انسان ہی ہے - خواہ کتنا ہی ربوبیت کا اعادہ کرتی ہو + یہاں اس کے راہب و راہبۂ اعظم نے جھک کر سجدہ کیا - مگر اس نے انہیں اٹھایا اور دونو کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا اور کہا :-

"مجھے سردی لگ رہی ہے میری قبا دو"
آمی نے بڑھ کر وہ عنابی زردوز عبا اس کے کاندھوں پر ڈال دی۔ جہاں اب وہ عبا شاہانہ انداز سے نیچے کو لٹکی اور بعینہٖ شاہی جبّہ معلوم ہوتی تھی۔ عذرا نے کہا:۔
"میری مدتوں کی کھوئی ہوئی صورت جو میرے سرتاج نے اپنے بوسے سے مجھے واپس دی ہے۔ سردی سے نہیں کانپتی۔ بلکہ یہ خود میری روح کا وجود ہے جو قدرت کے تیز سانس کے سامنے برہنہ ہو گیا ہے۔ میرے پیارے۔ میرے محبوب! ناراض قوتوں کا منانا آسان کام نہیں ہے۔ چاہے بظاہر وہ معافی پر آمادہ نظر آتی ہوں۔ اگرچہ اب تیری نظروں میں میری صورت مضحکہ انگیز کبھی نہ ہوگی۔ مگر مجھے علم نہیں کہ دنیا میں ہمیں یکجا رہنے کی کب تک اجازت ہے۔ کچھ ہی ہو اس سے پیشتر کہ ہم دوسری دنیا میں منتقل ہوں ہم یہاں کی زندگی کو شاندار رکھیں گے۔ اور شراب عشرت سے اتنا ہی مسرور ہونگے جتنا کہ غم و الم کے تلخ آب سے محزون ہو چکے ہیں۔ اس جگہ سے مجھے سخت نفرت ہے۔ کیونکہ میں نے اس خطہ میں وہ وہ عذاب سہے ہیں۔ جو کسی عورت نے دنیا میں یا کسی چڑیل نے دوزخ کی تہ میں نہ اٹھائے ہونگے۔ یہ قابلِ نفرت اور بدفال جگہ ہے۔ میں دعا کرتی ہوں کہ مجھے پھر یہ زمین نہ دیکھنا پڑے (یکایک ساحر سمبری سے جو سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا مخاطب ہو کر) "جادوگر! تو بتا تیرے دل میں کیا خیالات موجزن ہیں؟"
اس نے جواب دیا "اے ملکۂ حسن! صرف آنے والے واقعات کے دھندلے سائے ہیں خدا نے مجھے وہ چیز عطا کی ہے جو باوجود تیری تمام قوتوں کے تجھے حاصل نہیں۔ یعنی قوتِ غیب دانی۔ اور مجھے نظر آرہا ہے کہ یہاں ایک حرزہ پارہ ہوگا۔

عذرا نے کسی اندرونی خوف سے لرز کر غصے میں بات کاٹ کر کہا "خبردار! ایک لفظ اور تیری زبان سے نکلا اور تو ہی وہ مردہ انسان ہوگا۔ بیوقوف! مجھے غصہ نہ دلا۔ اب مجھ میں طاقت ہے کہ میں اپنے قدیم دشمنوں کو ہلاک کر کے اپنا دامن پاک کر لوں ایسا نہ ہو کہ جو تلوار تو میرے ہاتھ میں دیتا ہے اس کا وار تجھ پر ہی ہو جائے" اور عذرا کی آنکھیں جو لمحہ بھر پہلے جوشِ مسرت سے مخمور تھیں۔ غصے سے بجلی کی طرح چمک کر اس کی طرف جم گئیں۔
بوڑھے جادوگر نے ان کی قوت کو محسوس کیا اور پیچھے ہٹتا گیا یہاں تک کہ دیوار سے کمر لگا کر سہارا لیا اور کہا:۔
"اے صاحبِ قوت! میں قدیم طریقہ پر تیرے سامنے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔ اُس قدیم زمانے کے طریقہ پر جسے ہم دونوں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ میں اور کچھ کہنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اس مردے کا چہرہ مجھے نہیں دکھایا گیا۔ میں اتنا جانتا ہوں کہ کوئی آنے والا خان قاون یہاں پڑا ہوگا۔ اسی طرح جس طرح کہ گھنٹہ بھر گزرا ایک یہاں پڑا تھا"
عذرا "بلا شبہ بہت سے خانہائے قاون یہاں آکر لیٹیں گے اب مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میرا غصہ فرو ہو چکا ہے۔ تاہم ذرا ہوش سے کام لیا کر اور پھر میرے سامنے کوئی بد فالی زبان سے نہ نکالنا۔ چلو یہاں سے چلیں"
چنانچہ ابھی تک ایمن کے ہاتھ میں ہاتھ دئے وہ اس مکان سے باہر نکلی اور مینار کی چوٹی پر کھڑی ہوگئی۔ سورج نکل آیا تھا۔ اور پہاڑ کے دامن۔ قاون میدان اور اس سے پرے دھندلی پہاڑی چوٹیاں سنہری روشنی سے جگمگا اُٹھیں۔ عذرا اس نظارہ

میں محو کھڑی رہی۔ پھر امین سے کہا "دنیا بہت ہی عیش و راحت کی جگہ ہے۔ میں یہ سب تجھے دیتی ہوں"

اس وقت شمسہ نے پہلی دفعہ زبان کھولی اور کہا :۔

"عزا ــــ بشرطیکہ تو وہی عزا ہے اور غار آتشیں کی نکلی ہوئی کوئی خبیث روح نہیں ہے ــــ کیا تیری یہ مراد ہے کہ تو میری مملکت اس کو بطور نذر شادی دینا چاہتی ہے۔ اگر یہ بات ہے تو میں کہے دیتی ہوں کہ پہلے تجھے یہ فتح کرنی ہوگی"

عذرا "تیرے الفاظ اور کہنے کی ادا گستاخانہ ہے۔ مگر میں دونو باتیں معاف کرتی ہوں کیونکہ مجھے بھی توفیق حاصل ہے کہ اپنی فتح کی حالت میں اپنے دشمن پر ہنسی اڑانا معیوب خیال کروں۔ جب تو زیادہ حسین تھی تو تو نے یہی جاگیر اسے پیش کی تھی۔ مگر خدا لگتی کہنا۔ اب کون زیادہ حسین ہے۔ سب ہم دونو کو دیکھو اور فیصلہ کرو۔

یہ کہہ کر وہ شمسہ کے برابر کھڑی ہو گئی اور مسکرانے لگی۔

بلا شبہ خانم حسین تھی۔ اور میں نے اپنی زندگی میں اس سے بڑھ کر حسین عورت نہیں دیکھی تھی۔ مگر اللہ اللہ عذرا کے نظارہ سوز حور وش جمال کے سامنے کس قدر ماند نظر آتی تھی۔ بات یہ ہے کہ عذرا کا حسن کلیتہً انسانی حسن نہیں تھا۔ اور اب تو کور کی غاروں کی نسبت بھی زیادہ روحانیت جھلک رہی تھی۔

وہ ہلکا سا نور جو ہمیشہ عذرا کی پیشانی پر چمکتا تھا۔ وہ رشک چشم غزال بڑی بڑی سرگیں آنکھیں جن میں کبھی تو ستاروں کی چمک پیدا ہو جاتی تھی۔ کبھی گہرا نیلگوں رنگ چمکتا تھا۔ وہ گلابی نازک ہونٹ جن میں حلاوت اور تکبر کوٹ کوٹ کر بھرے تھے۔ وہ انداز رعنائی جس میں شوکت شاہانہ کی بجائے ایسی پُراسرار قوت کا اظہار ہوتا تھا جو نہ روکے رکتی تھی نہ بے سمجھ سے بے سمجھ پہ ظاہر ہوئے بغیر

رہ سکتی تھی + وہ شعلۂ روح جو بقول معدن اندر موجود تھا۔ اور اب بدصورت برتن، میں سے نہیں بلکہ نہایت ہی مرصع کار مرمر اور صدف کے گلدان میں سے ضوفشاں تھا —— ان سب اوصاف و صفات میں سے کوئی شے بھی بالکل انسانی نہ تھی + میں اس بات کو محسوس کر رہا تھا اور جی میں ڈر رہا تھا اور شمسہ نے بھی اسے محسوس کیا اور کہا :۔

"میں صرف عورت ہوں اور تو جو کچھ ہے اسے تُو ہی خوب جانتی ہے۔ تاہم اس پہاڑ کی آگ کے مقابلہ میں شمع کی اور سورج کے سامنے جگنو کی کیا حقیقت ہے۔ اسی طرح میرا فانی جسم تیرے دوزخ سے بذریعہ عبادت شیطان حاصل کردہ حسن سے لگا نہیں کھا سکتا۔ مگر بلحاظ نسائیت میں تیرے برابر ہوں۔ اور بلحاظ روحانیت تجھ پر فوقیت لے جاؤنگی + جب تو اس عطائی حسن سے محروم کی جا کر منصف حقیقی کی عدالت میں کھڑی ہوگی جسے تو چھوڑ چکی ہے۔ ہاں بالکل اسی طرح جیسے کہ تو ابھی ابھی اس آتشیں غار کے کنارے پر کھڑی تھی۔ جس میں ایک دن تو اپنی کھوئی ہوئی محبت کے غم میں روتی ہوئی غرق ہوگی۔ کیونکہ میری دشمن میں جانتی ہوں کہ انسان اور چڑیل کا جوڑا نہیں" یہاں پہنچ کر شمسہ رُک گئی اور غصہ سے اس کی آواز بھرّا کر رہ گئی +

میں عذرا کی صورت دیکھ رہا تھا۔ ان بدشگون الفاظ سے اس پر اثر ہؤا۔ اس کے سرخ ہونٹوں پر سفیدی کی لہر دوڑ گئی اور اس کی آنکھوں میں تکلیف کے آثار نمایاں ہو گئے۔ مگر لمحہ بھر میں اس کا خوف جاتا رہا۔ اور اس نے صاف اور ترنم آمیز آواز میں پوچھا :۔

"شمسہ! تو کیوں بھڑک رہی ہے۔ جیسے عارضی برساتی ندی

پتھروں سے ٹکرا کر شور مچاتی ہے ۔ اے چند لمحوں کی مہمان ہستی!
کیا تو سمجھتی ہے کہ اپنے غصے کی جھاگ اور پھٹنے والے بلبلوں سے
تو میری ابدی قوت کی چٹان کو اُکھاڑ دے گی ۔ زبان بند کر اور
سُن ۔ میں تیری بالشت بھر کی مملکت کی خواہاں نہیں ہوں ۔ اگر
میں چاہوں تو دنیا پر حکومت کر سکتی ہوں ۔ تاہم ذرا اپنا بچاؤ کر
لینا ۔ میں عنقریب تیرے شہر میں آنا چاہتی ہوں ۔ اب انتخاب کر
لے کہ میری آمد جنگ کے ذریعہ ہو یا صلح کے ذریعہ ۔

"اس لئے خانم! اپنے دربار کی اصلاح اور قوانین کی درستی
کرلے تاکہ جب میں آؤں تو اس سرزمین میں اطمینان پاؤں جس کی
اب وہاں کمی ہے ۔ اور پھر تیری حکومت کو مستحکم کر دوں ۔ اس
کے علاوہ ایک اور مشورہ دیتی ہوں کہ اپنے لئے کوئی لائق شوہر
تلاش کرلے ۔ جس کو چاہے منتخب کرلے مگر وہ ایسا ہونا چاہیئے
کہ متصف مزاج اور راست گو ہو اور تو اس پر اعتماد کرتی ہوئی
اس کے مشورہ پر عمل کر سکے جس کی تجھے سخت ضرورت ہے ۔

"میرے مہمانو! آؤ اب چلیں" یہ کہہ کر وہ قدم بڑھا کر
خانم کے برابر سے گذری اور بے خوفی سے مینار کی چوٹی کے
گول کنارے پر آکھڑی ہوئی ۔

مگر ایک لمحہ میں اس کی جان پر حملہ ہوا اور ناکام رہا ۔ یہ اس
قدر سرعت سے ہوا کہ جب تک بعد میں مَیں نے اور رامین نے تبادلہ
خیالات نہ کیا ہم متیقن نہ تھے ۔ کہ آخر بات کیا تھی ۔ جب عذرا
شمسہ کے پاس سے گزر رہی تھی تو اُس نے غصہ میں آکر ایک
چھپایا ہوا خنجر نکالا اور پوری قوت سے عذرا کی پشت پر وار
کیا ۔ میرا خیال تھا کہ میں نے خنجر کو دستہ تک عذرا کی کمر میں
اُترتے دیکھا ۔ مگر ایسا ہونا ناممکن تھا ۔ کیونکہ وار ہوتے ہی

وہ زمین پر آ رہا۔ اور بجائے اس کے کہ عذرا تڑپ کر گرتی اُس نے محسوس بھی نہیں کیا۔

یہ محسوس کرکے کہ اُسے ناکامی ہوئی ہے۔ شمسہ نے چھپا کے سے عذرا کو دھکیل کر نیچے گرانے کا ارادہ کیا۔ مگر اس کے پھیلے ہوئے بازو عذرا کے دونو طرف نکل گئے اور اس نے جھکولا بھی نہ کھایا۔ بلکہ شمسہ گر پڑتی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ گر ہی گئی۔ عذرا نے پھرتی سے ہاتھ بڑھایا اور اس کی کلائی پکڑ کر اس سہولت سے اس کے پورے وزن کو اوپر کھینچ لیا جیسے کسی بچے کو کھینچتی ہے۔ اس پر عذرا نے ترحم آمیز لہجے میں کہا:۔

"بیوقوف عورت! کیا تجھے اس قدر رنج پہنچا کہ تو اپنے خداداد حسن کو اس طرح تلف کرنا چاہتی تھی۔ شمسہ یہ تو نہایت ہی مجنونانہ حرکت ہے۔ تجھے کیا علم ہے کہ ایک دفعہ مر کر تو پھر کس صورت میں پیدا ہوگی۔ شاید پھر تو ملکہ نہ ہو بلکہ کسی کسان کی بدصورت بدہیأت بیٹی بن کر پیدا ہو۔ کیونکہ کہا جاتا ہے کہ خودکشی کرنے والے کو یہی سزا ملتی ہے۔ یا جیسا کہ بعض کا خیال ہے کسی جانور کی صورت میں آتی۔ مثلاً سانپ۔ بلی یا شیرنی وغیرہ (زمین سے خنجر اُٹھا کر) دیکھ تو۔ اس کی نوک زہر میں بجھائی گئی ہے۔ اگر یہ تیرے چبھ جاتی تو تو کیا کرتی" اور یہ کہہ کر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

مگر شمسہ اس تمسخر کو جو اس کے خنجر سے زیادہ زہر آلود تھا برداشت نہ کر سکی اور یہ کہہ کر کہ "تو فانی نہیں ہے۔ میں تیرے مقابلہ میں کس طرح فتح پا سکتی ہوں۔ اچھا میں تیری سزا خدا کے ہاتھ میں دیتی ہوں" وہیں بیٹھ گئی اور رونے لگی۔

لزبن اس کے قریب ہی کھڑا تھا اور اس شہزادی کی یہ

دردناک حالت دیکھ کر برداشت نہ کر سکا۔ اور قریب جا کر اُسے اُٹھایا اور تسلی تشفی دی۔ لمحہ بھر وہ اس کے بازو کے سہارے کھڑی رہی۔ پھر اپنے ماموں کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو پکڑ کر اُس سے الگ ہو گئی۔

عذرا نے کہا ”میرے سرتاج اسد! میں دیکھتی ہوں کہ تو حسب عادت رحم دل ہے۔ مگر بہتر ہے کہ وہ اپنے نوکر کی حفاظت میں رہے۔ ممکن ہے اس کے پاس اور خنجر بھی پنہاں ہوں چلو دن بہت چڑھ گیا۔ اور ہمیں آرام کی ضرورت ہے“



باب ہفدہم

عذرا اور ایین کی نسبت

تا پیشوائے بخت روم تہنیت کناں
کو مژدۂ ز مقدم عید وصال تو

ہم ان بے شمار سیڑھیوں پر سے اکٹھے اُترے اور طول طویل سرنگوں میں سے گزرتے ہوئے آخر کاہنہ اعظم کی قیام گاہ کے دروازے پر جا پہنچے اور اس سے گزر کر ایک وسیع کمرے میں آئے۔ یہاں عذرا ہم سے یہ کہہ کر مرخص ہو گئی کہ میں بہت تھک گئی ہوں۔ اور واقعی وہ بہت ماندہ ہو گئی تھی۔ اگرچہ یہ ماندگی جسمانی نہیں تھی بلکہ روحانی تھی۔ کیونکہ اس کا نازک بدن کسل سے

گرا جا رہا تھا۔ جیسے بارش میں سوسن کا پھول جھک جاتا ہے۔ اس کی آنکھیں خمار آلود ہو رہی تھیں۔ اور آواز میں ایسی ملائمت پیدا ہو گئی تھی جیسے کوئی نیند میں بول رہا ہو۔ اس نے کہا:۔

"خدا حافظ! معدن تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور وقت مقررہ پر تمہیں میرے پاس پہنچا دے گا۔ مگر اس سے پہلے خوب آرام کر لو۔"

یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور معدن ہمیں ایک خوبصورت آراستہ کمرے میں لے آیا۔ جس کا دروازہ ایک پائیں باغ میں کھلتا تھا۔ ہم خود اپنے عجیب و غریب مشاہدات سے اس قدر درماندہ ہو رہے تھے کہ بولنا بھی مشکل تھا۔ واقعات گذشتہ پر تبادلۂ خیالات تو بڑی بات تھی۔

ایمن نے معدن سے کہا "میرا سر چکرا رہا ہے۔ اور میں سونا چاہتا ہوں۔"

چنانچہ معدن نے ہمیں خواب گاہ کا راستہ بتایا۔ یہاں سجے ہوئے بستر موجود تھے۔ ہم ان پر لیٹتے ہی بے سُدھ سو گئے۔ جب ہماری آنکھ کھلی تو سہ پہر کا وقت تھا۔ ہم اُٹھے اور غسل کیا۔ پھر یہ کہہ کر کہ ہم کچھ دیر کے لئے تنہائی چاہتے ہیں پائیں باغ میں چلے گئے۔ یہاں باوجود اس قدر ارتفاع اور شروع موسم سرما کے ہوا معتدل اور دل خوش کن تھی۔ پہاڑوں میں پھولوں کے ایک تختہ کے قریب ایک چٹان کے پیچھے بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ قریب ہی چھوٹا سا قدرتی چشمہ جاری تھا۔ ہم یہاں بیٹھ گئے۔ ایمن نے میرے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا:۔

"حنیف! تمہارا کیا خیال ہے؟"

میں "خیال! خیال یہ ہے کہ جو کچھ ہوا ہے اعجاز سے کم

نہیں۔ ہم نے جو خواب دیکھا تھا سچا تھا۔ اور ہماری جستجو اکارت نہیں گئی۔ اور یہ کہ تمہاری خوش قسمتی میں کوئی شبہ نہیں"
ایین نے عجب انداز سے میری طرف دیکھا اور کہا "بیشک عذرا کس قدر حسین ہے۔ ہے نا؟ مگر میری تمنا ہے کہ کاش عذرا کچھ زیادہ انسانیت کے طبقہ میں ہوتی۔ کم از کم اس درجہ تک جتنی کہ وہ کور کے غاروں میں تھی ۔ میرا خیال ہے کہ وہ بالکل خون اور گوشت کی بنی ہوئی نہیں ہے۔ مجھے یہ اس وقت محسوس ہوا۔ جب اس نے میری پیشانی کو چوما تھا۔ بشرطیکہ اسے چومنا کہا جا سکے کیونکہ اس نے صرف میرے بالوں کو چھوا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک گھنٹہ میں اس قدر قلب ماہیت انسان ہونے کی علامت نہیں۔ گوشت پوست آگ سے پیدا نہیں ہو سکتے"
میں "تم یقین کرتے ہو کہ وہ آگ سے پیدا ہوئی ہے؟ جس طرح شعلوں کی چادر پر تصاویر نظر آئی تھیں۔ کیا اس کی خوف ناک صورت اور قد و قامت بھی اسی طرح ہماری نگاہوں کا دھوکا نہیں ہو سکتا؟ کیا یہ وہی عذرا نہیں ہو سکتی۔ جسے ہم نے کور کے غاروں میں دیکھا تھا۔ اور جواب کسی خفیہ قوت کے زور سے یہاں پہنچ گئی ہو بجائے اس کے کہ پھر پیدا ہوئی ہو؟"
ایین "شاید حنیف! یہی بات ہو ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ راز ہم پر کبھی آشکارا نہ ہوگا۔ مگر میں اعتراف کرتا ہوں۔ کہ اس تمام واردات سے میرے دل میں ہول پیدا ہوتا ہے۔ مجھے بے انتہا کشش اس کی طرف کھینچتی ہے۔ اس کی نگاہیں میرے قلب میں ہیجان برپا کر دیتی ہیں۔ اور اس کے ہاتھ سے ہاتھ کا مس ہونا ایسا محسوس ہوتا ہے گویا کسی نے دیوانگی پیدا کرنے والی جادو کی چھڑی میرے دماغ سے لگا دی۔ تاہم ہم دونوں میں

ایک دیوار سی حائل نظر آتی ہے یا شاید یہ محض خیال ہی خیال ہے۔
ہاں حنیف! مجھے افسوس ہوتا ہے کہ وہ شمسہ سے خوف کھاتی ہے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ اُس زمانے کی طرح خانم ایک گھنٹہ میں مر کر اُس کی یاد بھی دل سے محو نہ ہوگئی۔ تمہیں اُستن کا واقعہ یاد ہے؟"
میں "ممکن ہے کہ عذرا ہماری مانند طرح طرح کے صدمات اُٹھا کر حلیم الطبع ہوگئی ہو!"
ایبن "شاید یہی بات ہو۔ کچھ بھی ہو عذرا کی روحانیت بڑھ گئی ہے۔ آہ حنیف! اگر نوبت یہاں تک پہنچی تو میں بچارا اس نورانی عورت کا کس طرح کا خاوند بنوں گا؟"
اس کے الفاظ سے میرے دل پر چوٹ سی لگی اور میں نے غصے کی آواز بنا کر کہا "کیا وجہ ہے کہ نوبت یہاں تک نہ پہنچے؟"
ایبن "میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر عام قاعدے کی رو سے کیا تم کہہ سکتے ہو کہ انسان کو یہ تقدیر میسر آسکتی ہے۔ علاوہ ازیں جب شمسہ نے یہ کہا تھا کہ انسان اور چڑیل کا جوڑ نہیں۔ تو اس کا کیا مدعا تھا؟"
میں "میرا خیال ہے کہ اس نے یہ صرف اپنی توقعات بیان کی تھیں مگر ایبن! ان بدشگونیوں اور پیش بینیوں سے تمہارا کیا کام ہے یہ باتیں تو مجھ ایسے سن رسیدہ کو زیادہ زیب دیتی ہیں۔ پھر ان کی بنیاد بھی تو ہو۔ فلسفیوں کا طریقہ اختیار کرو۔ تم نے ایسے ایسے عجیب و غریب طریقوں سے جستجو کی ہے۔ کہ دنیا میں ان کی نظیر نہیں ہے۔ اور تم نے گوہرِ مقصود حاصل کر لیا۔ خدا نے جو انعامات تمہیں دے دئے ہیں وہ لے لو۔ یعنی حسن۔ عشق اور طاقت ـــــ اور مستقبل کو تقدیر پر چھوڑ دو"
ایبن جواب نہ دینے پایا کہ معدن چٹان کے نیچے نمودار ہوا اور معمول سے زیادہ جھک کر مجرا کیا۔ اور کہا کہ عزا عبادت گاہ میں

عبادت کے وقت ہماری موجودگی چاہتی ہے + امین امید سے پہلے
پھر عذرا کے دیدار کے خیال سے خوش ہو کر اُٹھا اور رہم معدن کے
ساتھ اپنے کمرہ کو واپس آئے۔ یہاں کچھ راہب موجود تھے۔ انہوں
نے قدرے خلاف منشا امین کا خط بنایا۔ میرے بال بھی کاٹنا چاہتے
تھے مگر میں نے بالکل انکار کر دیا۔ صرف لبیں ترشوالیں + پھر انہوں
نے زرد و زر جوتے ہمیں پہننے کو دئے اور امین کو ایک خوبصورت
سفید جُبّہ پہنایا۔ جس پر کارچوبی کام کیا ہُوا تھا۔ اور اسی طرح کی
مگر ہلکے کام کی پوشاک مجھے دی گئی + آخر میں ایک چاندی کا عصائے
شاہی امین کو دیا گیا۔ اور مجھے صرف معمولی عصا + وہ عصائے شاہی
اوپر سے آنکس کی صورت کا تھا۔ اس کی صورت سے مجھے آنے
والی تقریب کا سراغ مل گیا + میں نے امین کے کان میں کہا:۔
"اوسیرس کا انکس ہے"
امین نے کہا" دیکھو میں کسی مصری دیوتا کا بھیس بھرنا نہیں چاہتا
اور نہ کفار کی بت پرستیوں میں شریک ہونا چاہتا ہوں۔ مجھ سے یہ
نہیں ہو سکتا"
میں" بہتر ہے کہ جو ہو رہا ہے ہونے دو۔ غالباً یہ صرف ظاہری
علامات ہیں اور کچھ نہیں"
مگر امین کے دل میں باوجود اُن عجیب واقعات کے جو اس کی
زندگی سے وابستہ تھے۔ میرے سمجھائے ہوئے مذہبی اصول اس قدر
رائج تھے۔ کہ اس نے ایک قدم چلنے سے بھی انکار کر دیا۔ جب تک
کہ اُسے اِن تمام بہروپوں کا مطلب نہ سمجھا دیا جائے۔ اس نے تو معدن
کو بھی زور شور سے بحث کر کے پریشان کر دیا + پہلے تو معدن حیران
ہو گیا۔ آخر کار اس نے کہا کہ نسبت کی رسم ادا ہونے والی
ہے +

یہ معلوم کر کے ایبن نے بحث چھوڑ دی اور دبی زبان سے پوچھا۔ کہ کیا خانم بھی اس تقریب میں شریک ہوگی۔ معدن نے کہا نہیں کیونکہ وہ قاوون کو روانہ ہو چکی تھی اور جاتی ہوئی انتقام اور جدال کی قسم کھا گئی تھی۔

پھر ہم لمبے راستوں سے گذرتے ہوئے آخر کار اس غلام گردش میں پہنچے جس میں عظیم الشان عبادت گاہ کے چبوترے کے دروازے کھلتے تھے۔ ہمارے پہنچنے پر دروازے کھُلے اور ہم اندر داخل ہوئے۔ پہلے معدن اندر گیا اس کے بعد ایبن پھر میں اور آخر میں ہمارے ساتھ کے راہبوں کی قطار داخل ہوئی۔

جب ہماری نگاہیں روشنی کے میناروں کی خیرہ کن نگاہ تنویر کی عادی ہو گئیں تو ہم نے دیکھا کہ کسی بھاری تقریب کی تیاریاں ہیں کیونکہ "مادر کل" کے مقدس بت کے سامنے قطار در قطار سفید پوش راہب دو سو کی تعداد میں کھڑے تھے۔ اور ان کے پیچھے راہبات کی قطاریں تھیں۔ اس جلوس کی طرف منہ کئے اُن روشنی کے میناروں سے کچھ آگے بڑھی ہوئی محراب کے دونو طرف روشن تھے۔ ایک بلند کرسی پر عذرا بہ نفسِ نفیس بیٹھی تھی۔ اس کے دائیں طرف ایک اسی شان کی اور کرسی تھی جس کا مطلب میں فوراً تاڑ گیا کہ ایبن کے لئے ہے۔

اس وقت عذرا بے نقاب تھی اور اعلے درجہ کے لباس میں ملبوس تھی۔ سوائے نیچے کے سفید حصے کے باقی تمام پوشاک بجائے راہبانہ کے شاہانہ تھی۔ اس کی منور پیشانی پر ایک سنہری پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جس کے وسط میں ایک پھن دار سانپ کا سر اُٹھا ہوا تھا جو کسی سرخ جواہر کے ایک ٹکڑے میں سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ اس کے نیچے تک چاروں طرف لہرا رہے تھے۔ جن کے دامن میں اس کی

عنابی پوشاک بھی چھپ گئی تھی +
یہ عنابی جُبّہ سینے پر سے کھلا ہوُا تھا۔ اور اس نیچے ایک سفید ریشمی انگیا نظر آئی جو خوشنما پیٹی سے بندھی ہوئی تھی۔ جس کی صورت دو سر والے سانپ کی سی تھی۔ اور یہ بالکل اسی صورت کی تھی۔ جیسی کہ کور میں اس نے باندھی تھی۔ شبہ ہوتا تھا کہ شاید وہی ہے۔ اس کے ننگے بازوبے زیور تھے اور بائیں ہاتھ میں وہی عصائے مستدیر تھا۔ جس کے جواہرات اور گھنگرو چمک رہے تھے +
دنیا کی کوئی ملکہ اس کی شان اور کوئی عورت اس کے جمال کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ عذرا کے انسانی حسن میں روحانی رعنائی کی بھی آمیزش تھی۔ جو خاص اسی کا حصہ تھا۔ اُسے دیکھنے کے بعد نگاہیں اور طرف اٹھتی ہی نہ تھیں۔ پجاریوں کے جسموں کی ہموار حرکات ان کے استقبالیہ نغمہ کا شاندار سرود جو خلا میں گونج رہا تھا اور زندہ شعلوں کی خوفناک مشعلیں یہ سب کچھ ہماری نگاہوں سے غائب تھا۔ کیونکہ سامنے دوبارہ جنم لئے ہوئے تخت پر خیر مقدم کے لئے ہاتھ پھیلائے وہ حسن مجسم غیر فانی عورت بیٹھی تھی + ہم میں سے ایک کی موعودہ دلہن اور دوسرے کی دوست اور مالکہ۔ جس کی روحانی ہستی قوت۔ اسرار اور عشق کا سرچشمہ تھی +
ہم راہبوں کی قطاروں میں گزرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ معدن اور دوسرے راہب پیچھے رہ گئے اور ہم دونو عذرا کے سامنے جا پہنچے + عذرا نے اپنا عصا اُٹھایا اور نغمہ بند ہو گیا + اس خاموشی کے عالم میں عذرا اپنی کرسی سے اٹھی۔ نیچے اتر کر ابین کے قریب پہنچی۔ اور کھڑی ہو کر ابین کی پیشانی کو عصائے مستدیر سے چھوُا اور پکار کر سریلی آواز میں کہا:۔
”عذرا کے انتخاب کردہ کو دیکھو!“

اس پر سب حاضرین نے یک زبان ہو کر بلند آواز میں کہا :۔
"ہم عزا کے انتخاب کردہ کا خیر مقدم کرتے ہیں"
ابھی اس نعرہ کی آواز سنگین دیواروں میں گونج رہی تھی ۔ کہ عذرا نے مجھے اپنے برابر کھڑے ہونے کا اشارہ کیا ۔ اور ایمن کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا ۔ اس طرح کہ اب اس کا رخ بھی سفید پوش مجمع کی طرف ہو گیا ۔ اس کا ہاتھ اس طرح تھامے ہوئے اُس نے ترنم آمیز الفاظ میں تقریر شروع کی :۔
"عزا کے راہبان و راہبات ! اس کے ساتھ "مادر عالم" کے خدمت گذارو ! میری بات سنو ۔ میں آج پہلی دفعہ اپنی اصلی ہیأت میں تمہارے سامنے ظاہر ہوئی ہوں ۔ تم نے آج تک صرف ایک نقاب پوش صورت کو دیکھا تھا ۔ مگر اس کی اصلیت اور وضع قطع سے ناواقف تھے ۔ اب اس کی وجہ جان لو کہ میں کیوں نقاب میں چھپی رہتی تھی ۔ تم اس شخص کو دیکھ رہے ہو جسے تم اجنبی سمجھے تھے ۔ جو اتفاقاً اپنے ساتھی کے ہمراہ یہاں آنکلا ۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ یہ اجنبی نہیں ہے ۔ قدیم الایام میں ان زندگیوں میں جن کا نقش یادداشت سے محو ہو چکا ہے یہ میرا خاوند تھا اور اب اپنی معشوقہ کی جستجو میں اس طرف آیا ہے ۔ قرطیس ! کہو کیا یہی بات نہیں ہے ؟"
ایمن "بے شک یہی بات ہے"
عذرا "رہبان و راہبات عزا ! جیسا کہ تم جانتے ہو یہاں یہ دستور رہا ہے ۔ کہ جو کوئی بھی میری جگہ پر رہی ہے اس کا حق تھا کہ وہ اپنے لئے خاوند کا انتخاب کرلے ۔ یہ دستور تھا یا نہیں ؟"
سب نے جواب دیا "ہاں یہی دستور تھا"
عذرا تھوڑی دیر خاموش رہی پھر عجیب انداز دلربایانہ

سے تین دفعہ امین کی طرف جھکی اور آہستہ سے دوزانو ہوگئی۔ پھر اپنی
اپنی زاہد فریب آنکھیں امین کے چہرے کی طرف اُٹھا کر کہا "اس
بھرے مجمع کے سامنے اور ان گواہوں کے سامنے جنہیں تو نہیں
دیکھ سکتا کہہ دے کہ آیا تو مجھے اپنی منگیتر کے طور پر قبول
کرتا ہے یا نہیں ؟"

امین نے گہری مگر لرزتی ہوئی آواز میں کہا "ہاں خاتون ! اب
اور ہمیشہ کے لئے"

اس وقت جبکہ سب خاموشی سے دیکھ رہے تھے عذرا اُٹھی
اور اپنا عصا زمین پر پھینک کر دونو ہاتھ امین کی طرف پھیلا دئے
امین بھی اس کی طرف جھکا اور قریب تھا اس کے ہونٹوں پر بوسہ
دے مگر میں نے جو بہت قریب سے دیکھ رہا تھا۔ دیکھا کہ عذرا کے
قریب ہوتے ہی اس کا چہرہ زرد ہونے لگا۔ اور جب عذرا کی پیشانی
کے نور سے اس کی پیشانی پر چمک پڑی اور اس کے سنہری بال
جگمگا اُٹھے تو میں نے دیکھا کہ وہ جوانمرد پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔
اور قریب تھا کہ گر پڑے +

میرا خیال ہے کہ عذرا نے بھی یہ کمزوری دیکھی۔ کیونکہ اس سے
پیشتر کہ ان کے ہونٹ ملیں عذرا نے اسے پیچھے ہٹا دیا۔ اور پھر
عذرا کے چہرے پر وہی خوف کی سفیدی سی چھا گئی +

ایک لمحہ میں یہ کیفیت ہو گئی۔ اب عذرا الگ کھڑی تھی اور
سہارا دینے کے لئے امین کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی۔ دونو اسی
حالت میں کھڑے رہے یہاں تک کہ امین کے پاؤں قائم ہوئے
اور اس کی طاقت عود کر آئی۔ معدن نے عذرا کا عصا پکڑا دیا اور
عذرا نے اسے بلند کر کے کہا :۔

"اے میرے محبوب اور مالک ! اپنی جگہ جو خاص تیرے

لئے تیار کی گئی ہے ہے۔ جہاں تو ہمیشہ ہمیشہ میرے پہلو بہ پہلو بیٹھا کرے گا۔ کیونکہ اپنی ہستی کے ساتھ میں تجھے اور بھی بہت کچھ دونگی۔ جس کا نہ اس وقت تیرے دل میں خیال آسکتا ہے نہ میں فی الحال بتانا چاہتی ہوں۔ اے عزا کے منگیتر! اپنے تخت پر چڑھ اور اپنے پرستاروں کی عبادت قبول کر۔"

یہ الفاظ سنکر امین چونکا اور کہنے لگا: "نہیں! نہیں! میں اب اور اسی جگہ آخری بات بتائے دیتا ہوں کہ میں صرف انسان ہوں اور عجیب و غریب دیوتاؤں اور جھوٹے خداؤں اور ان کی صفات و عبادات سے ناواقف ہوں۔ میں شرک کو برا سمجھتا ہوں۔ اور سوائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کے کسی ہستی کو معبودیت کا درجہ دینا کفر سمجھتا ہوں۔ میرے سامنے کسی کو زانوئے عبادت جھکانے کی اجازت نہیں۔ مگر زمین پر عذرا میں صرف تیری تعظیم کر سکتا ہوں۔"

اس دلیرانہ تقریر پر سننے والوں میں سے بعض بہت متحیر ہوئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ اور ایک طرف سے آواز آئی۔ "اے برگزیدہ ہستی! "مادر کل" کے غصّے سے ڈر۔"

پھر ایک لمحہ کے لئے عذرا پر وہی خوف کی کیفیت وارد ہوئی مگر اُس نے ہنسکر اُسے پھر ٹلا دیا اور کہا:۔

"یقیناً تجھے اسی پر شاکر رہنا چاہیئے۔ میرے سرتاج! تیری محبت میرے لئے اور سرود عشرت تیرے لئے کافی ہے اور بس۔"

اب امین کے لئے کیا چارہ تھا۔ مجبوراً تخت پر جا بیٹھا اور وہاں باوجود شوکت جسمانی اور شانِ لباس کے گھبرایا ہوا سا نظر آتا تھا۔ اور اس جیسے مضبوط عقیدہ انسان کی واقعی یہی کیفیت ہونا ضروری تھی۔ خوبیٔ قسمت سے اگر ان تمام مراسم میں کوئی حرکت بت پرستانہ

اظہار عبودیت کی موجود بھی تھی۔ تو عذرا نے کسی نہ کسی حیلہ سے اُسے روک دیا۔ اور تھوڑی دیر میں ہی ایسے تمام خیالات گانے والوں کے اور ہمارے دلوں سے جو سن رہے تھے جاتے رہے۔ اور ہم لطفِ سرود میں محو ہو گئے ✦

اس راگ کے الفاظ تو بد قسمتی سے ہماری سمجھ میں بہت کم آئے جس کی وجہ یہ تھی کہ اوّل تو گانے والوں کی تعداد ہی بے شمار تھی دوسرے اس میں محاورات بھی عجیب استعمال کئے گئے تھے۔ تاہم نفسِ مضمون کے سمجھنے میں کوئی شبہ نہیں تھا ✦ پہلے عورتوں نے ہلکی زبان میں الاپنا شروع کیا۔ اس کا انجام ایک ٹیپ پر ہوُا۔ اور مردوں اور عورتوں نے مل کر اسے دہرایا ✦ ہر دفعہ آواز بلند ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک انتہائی بلندی پر پہنچ کر یکایک بند ہو گیا ✦

عذرا اُٹھی اور اپنے عصا سے اشارہ کیا۔ جس پر سارا مجمع تین دفعہ جُھکا اور پھر ایک ترنم آمیز سریلا نغمہ شروع کیا۔ اس کی دھیمی آواز میں لوری کی شان تھی ✦ پھر یکے بعد دیگرے ان کی قطاریں چبوترے کو عبور کر کے روانہ ہوئیں اور دروازوں سے گزر کر باہر نکلتی گئیں۔ یہاں تک کہ آخری قطار بھی باہر نکل گئی اور دروازے پھر بند ہو گئے ✦

جب سب چلے گئے اور ہمیں اکیلے چھوڑ گئے۔ سوائے راہب معدن اور راہبہ اُمیّ کے جو اپنی مالکہ کی خدمت کے لئے رہ گئے تھے تو عذرا جو خاموش بیٹھی تھی اُٹھی اور کہا :-

"کیسا لطیف اور قدیم نغمہ تھا۔ یہ نغمہ مصر میں بمقام بہیت آئیسس اور اوسیرس کی دعوت شادی کے موقع پر گایا گیا تھا۔ اور وہاں میں نے کور کے غاروں کے دیکھنے سے پہلے اس کو سُنا تھا ✦ حنیف! میں نے اکثر مشاہدہ کیا ہے کہ اس دنیائے ناپائدار

ہیں نغمہ کو سب چیزوں سے زیادہ قیام ہے۔ اگرچہ اکثر اصل الفاظ بدل جایا کرتے ہیں۔ میرے پیارے! مجھے بتا کہ میں تجھے کس نام سے پکارا کروں۔ تو قرطیس ہے۔ مگر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

امین:۔ (بات کاٹ کر) "عذرا! مجھے امین کے نام سے پکارو۔ جو میرا اس زندگی کا نام ہے جس کے سوا مجھے کسی اور زندگی کے حالات کا علم نہیں۔ قرطیس جو کوئی بھی تھا بدنصیب آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اور جو کام اس نے کئے ـــــ بشرطیکہ وہ قضا و قدر کے ہاتھوں میں کٹ پتلی نہیں تھا ـــــ اس سے اس کا جسم یا اس کی روح حاصل کرنے والوں کو کوئی نفع نہیں پہنچا۔ نہ ان عورتوں کو ہی جن سے اس کی زندگیاں وابستہ رہیں + مجھے امین کے نام سے پکارو + قرطیس کا نام اس رات سے جب کہ میں نے اس کی لاش کو ریں دیکھی تھی۔ ضرورت سے زیادہ میری سمع خراشی کر چکا ہے۔"

عذرا:۔ "ہاں مجھے یاد ہے۔ جب تو نے اس تابوت پر اپنے ہی جسم کو پڑا دیکھا تھا اور میں نے تجھے ماضی و مستقبل کا ایک راگ سنایا تھا۔ مجھے اس کی صرف دو سطریں یاد ہیں باقی میں بھول گئی ہوں:۔

"کپڑے کی بجائے عظمت و شان کا لباس پہنے ہوئے بڑھے چلو یہاں تک کہ تقدیر کا لکھا پورا ہو۔ اور صبح زندگی کی شام قریب آ جائے +"

"ہاں میرے امین! اب ہم "کپڑوں کی بجائے عظمت و شان" میں ملبوس ہیں۔ اور اب ہماری تقدیر کا لکھا پورا ہونے کو ہے اور شاید اس کے بعد صبح زندگی کی شام بھی قریب آ جائے۔ (ٹھنڈا سانس لے کر اور اوپر کو نگاہ اٹھا کر) دیکھ میں تیرے ساتھ عربی میں گفتگو کر رہی ہوں۔ وہ دن یاد ہیں!"

امین:۔ "اچھی طرح

عذرا "تو اب ہم اسی زبان میں باتیں کیا کریں گے۔ مجھے دنیا بھر کی زبانوں سے زیادہ یہ زبان پیاری ہے۔ کیونکہ آغوش مادر میں میں نے یہی زبان سیکھی تھی۔ اچھا! اب ذرا مجھے اکیلا رہنے دو۔ میں کچھ تفکر کرنا چاہتی ہوں۔ نیز کچھ اور ہستیاں ہیں جنہیں میری حضوری درکار ہے"

چنانچہ ہم سب کے سب یہ خیال دل میں لئے ہوئے چلائے کہ شاید پہاڑی قوموں کے سردار عذرا کی نسبت پر مبارکباد دینے آئے ہونگے +



باب ہیزدہم

تیسری آزمائش

جانہا نثار کردے آں دلنواز را
گر ہمچو روح جلوہ کناں در بر آمدے

دو گھنٹے گذر گئے اور ہم اپنی خواب گاہ میں کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح نیند آجائے مگر خدا جانے کیا اثرات تھے کہ نیند نہ آئی۔ آخرکار میں نے ٹہلنا شروع کیا اور کہا:۔

"عذرا کیوں نہیں آتی۔ میں اُسے پھر دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے خدا جانے کیا ہؤا کہ اس سے لمحہ بھر کی علیحدگی بھی برداشت نہیں ہوتی۔ مجھے ہر وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ مجھے اپنی طرف

کھینچ رہی ہے"

میں "اس میں میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ معدن دروازے پہ موجود ہے اس سے دریافت کرو"

چنانچہ امین نے باہر جا کر دریافت کیا تو معدن صرف مسکرایا اور یہ جواب دیا کہ عزا ابھی تک اپنی آرام گاہ میں نہیں آئی۔ اس لئے شاید عبادت گاہ میں ہی ہو گی۔ اس پر امین نے کہا:۔

"اچھا تو میں اس تلاش میں جاتا ہوں۔ معدن اور حنیف تم بھی آؤ"

معدن نے جھک کر انکار کر دیا اور کہا "آپ دونو کے لئے یہاں کے سب راستے کھلے ہیں۔ اگر مناسب سمجھتے ہیں تو عبادت گاہ میں تشریف لے جائیے۔ مجھے تو اسی دروازے پر ٹھہرنے کا حکم ہے"

امین "میں مناسب یہی سمجھتا ہوں۔ حنیف! تم چلتے ہو یا میں اکیلا ہی جاؤں"

میں ذرا جھجکا۔ اس میں شک نہیں کہ عبادت گاہ وقف عام تھی مگر عذرا نے کہا تھا۔ کہ میں تنہائی چاہتی ہوں۔ امین نے زیادہ انتظار نہ کیا اور وہ چل پڑا۔ میں نے کہا "تمہیں راستہ نہیں ملے گا" اور میں بھی ساتھ ہی چلا۔ ہم طویل پیچ دار راستوں سے گزرے۔ جن میں چراغوں سے ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ اور ہم غلام گردش میں پہنچے۔ یہاں اندھیرا تھا۔ تاہم ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ بڑے چوبی دروازوں کے قریب پہنچ گئے۔ یہ دروازے بند تھے۔ مگر امین نے بے تابی سے ایک کو دھکیلا تو وہ اتنا کھل گیا کہ ہم پھنس پھنسا کر اندر جا سکیں۔ جب ہم اندر پہنچ گئے۔ تو دروازہ خود بخود بغیر کسی آواز کے بند ہو گیا۔ یہاں پہنچ کر ہم سمجھتے

تھے کہ ہمیں عبادت گاہ اور اس کے تیز روشن مینارہائے آتشیں نظر آئینگے۔ مگر کوئی روشنی کا مینار روشن نہیں تھا۔ یا ہم راستہ بھول کر کہیں اور آ گئے تھے۔ کم از کم وہاں سخت تاریکی تھی + ہم نے کوشش کی کہ پھر کر دروازے میں سے نکل جائیں۔ مگر یہ بھی نہ ہو سکا۔ ہم سمجھے کہ بھول بھلیاں میں آ پھنسے +

یہی نہیں بلکہ ہم پر خاص قسم کا دباؤ محسوس ہؤا اور آواز نکالنا ناممکن ہو گئی۔ ہم چند قدم آگے بڑھے مگر رُک گئے۔ کیونکہ ہمیں محسوس ہؤا کہ اس اندھیرے مکان میں ہم اکیلے نہیں ہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہؤا کہ ہم عظیم الشان مگر خاموش مجمع میں کھڑے ہیں۔ مگر وہ مجمع انسانی نہیں ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ چاروں طرف سے لوگوں کا ہجوم ہے۔ ان کی پوشاکیں ہمارے جسموں سے مس کرتی تھیں۔ مگر ہاتھ بڑھانے پر کچھ محسوس نہ ہوتا تھا۔ ان کا سانس بھی محسوس ہوتا تھا مگر ٹھنڈا۔ ان کی آمد و شد سے ہوا متحرک ہوتی تھی۔ بالکل یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم قبرستان میں کھڑے ہیں۔ اور جس قدر بھی مردے وہاں دفن ہیں سب کی روحیں نکل کر باہر آ گئی ہیں اور ہمارے اردگرد جمع ہیں۔ ہم خوف زدہ ہو گئے۔ میری پیشانی پر خوف سے پسینہ آ گیا۔ اور روئیں کھڑے ہو گئے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہم جنات کی بستی میں کھڑے ہیں +

آخرکار دُور سے روشنی کی جھلک دکھائی دی۔ اور ہم نے دیکھا کہ یہ روشنی اُن دو منارہ ہائے آتش میں سے نکل رہی ہے۔ جو محراب عبادت کے دونو طرف واقع تھے۔ اور یکایک منور ہو گئے + اس سے یہ تو معلوم ہؤا کہ ہم عبادت گاہ میں ہی ہیں۔ اور دروازوں کے قریب تر ہیں۔ مگر وہ روشنی کے مینار تیز روشن نہیں تھے۔ بلکہ ہلکے اور دھیمے تھے۔ ان کی شعاعیں

بمشکل ہم تک پہنچتی تھیں اور ہم اب بھی سخت تاریکی میں تھے +
اگرچہ تاریکی کی وجہ سے ہم کسی کو نظر نہیں آ سکتے تھے۔ مگر ہمیں سب کچھ دکھائی دیتا تھا۔ سامنے عذرا ایک تخت پر بیٹھی تھی مگر اس کے چہرے کی سفیدی خوفناک نظر آتی تھی۔ دھیمی روشنی کے میناروں کی نیلی چمک اس پر پڑ رہی تھی۔ اور وہ اس حالت میں اس قدر متکبرانہ انداز سے تنی بیٹھی تھی کہ یہ انداز انسان کو حاصل ہونا مشکل ہے + اس کے تن بدن سے قوت کا چشمہ بہ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں سے طاقت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جس طرح جواہرات سے روشنی کی کرنیں نکلتی ہیں +

معلوم ہوتا تھا کہ وہ روحوں کی ملکہ ہے اور ان سے عبادت کرا رہی ہے۔ ملکہ واقعی وہ مُردوں یا میں نہیں کہہ سکتا کہ زندوں سے عبادت کرا رہی تھی + میں نے جو کچھ دیکھا یہ تھا کہ ایک سایہ سا تخت کے سامنے اُٹھا اور گھٹنا ٹکا کر عبودیت کا اظہار کیا۔ پھر دوسرا تیسرا چوتھا علےٰ ہذالقیاس +

ہر سایہ نما ہستی کی تعظیم پر وہ اپنا عصائے متدیرہ اُٹھا کر قبولیت کا جوابی اشارہ کرتی جاتی تھی۔ ہمیں اس فاصلے پر بھی اس کے گھنگروؤں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اور اس کے سوا تمام عبادت گاہ میں کوئی اور آواز نہ تھی۔ عذرا کے ہونٹ بھی ہلتے دکھائی دیتے تھے۔ مگر آواز ہمارے کان تک نہیں پہنچتی تھی۔ یقیناً ارواح اس کی پرستش میں مصروف تھیں +

ہم نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑا اور پیچھے ہٹے۔ یہاں تک کہ دروازے پر پہنچ گئے۔ ہمارے دھکیلنے سے دروازہ کھلا ہم باہر نکلے اور تیزی سے اپنی آرام گاہ کے دروازے تک آ گئے + یہاں معدن کو ہم جس طرح چھوڑ گئے تھے اسی طرح

کھڑا تھا۔ اس نے حسب عادت مسکرا کر ہماری تعظیم کی اور اس خوف و تشویش کا جو ہماری صورتوں سے ہویدا تھی خیال بھی نہ تھا۔ ہم اس کے پاس سے گزر کر کمرے میں آئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ایبن نے کہا:۔

"حنیف! عذرا ہے کیا چیز؟ کیا وہ کوئی ملکوتی ہستی ہے؟"

میں نے کہا:۔ "ہاں۔ ایسی ہی کوئی ہستی ہے۔" مگر میرے دل میں یہ خیال تھا کہ فرشتے بھی کئی طرح کے ہوتے ہیں۔

ایبن "اور وہ۔ وہ سائے کیا کر رہے تھے؟"

میں "اس کی قلب ماہئیت پر اُسے مبارکباد دے رہے ہونگے۔ مگر شاید وہ سائے نہ ہوں۔ بلکہ بھیس بدلے ہوئے راہب ہوں جو کسی خفیہ تقریب کے مراسم ادا کر رہے ہوں۔"

ایبن نے شانے ہلا دئے مگر کوئی جواب نہ دیا۔

آخر کار کچھ دیر کے بعد دروازہ کھُلا اور معدن نے آکر کہا کہ عزرا نے اپنی آرام گاہ میں ہمیں یاد کیا ہے۔ ہم نے جو کچھ دیکھا تھا شاید وہ ہمارے پہلے تمام مشاہدات سے زیادہ خوف ناک تھا۔ اس لئے ہم دل میں خوف زدہ روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو عذرا بیٹھی تھی۔ اور سوائے خفیف سی تکان کے اثرات کے اس کی شکل و صورت میں کوئی تغیر نہ تھا۔ اس کی خدمت میں راہبہ آمّی بھی موجود تھی۔ جس نے ابھی اس کا شاہی لبادہ اُتارا تھا۔ جو عذرا عبادت گاہ میں پہنے ہوئے تھی۔

عذرا نے اشارے سے ایبن کو پاس بلایا۔ اور اُسکا ہاتھ تھام کر مضطرب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ میں نے چاہا کہ میں انہیں تنہا چھوڑ کر چلا جاؤں۔ مگر عذرا نے تاڑ لیا اور مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا:۔

"حنیف! تو ہمیں کیوں چھوڑ کر جاتا ہے؟ لوگ کہتے ہیں کہ

وہ بولتی بھی ہے۔ مگر صرف ان کے ساتھ جن میں تن تنہا شام سے صبح تک اس کے سامنے دوزانو بیٹھنے کی جرات ہو۔ پھر انہیں وہ مستقبل کے حالات بتادیتی ہے۔ میں نے بارہا یہ عمل کیا مگر مجھ سے کبھی نہیں بولی۔ حالانکہ مجھے مستقبل کے حالات دریافت کرنے کی دنیا بھر سے زیادہ تمنا ہے"۔

میں نے جواب دیا۔ اور شاید وہ جواب لینا بھی نہ چاہتی تھی کیونکہ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اُس نے کہا:۔

"نہیں۔ نہیں۔ یہیں ٹھہرو اور افسردہ اور فلسفیانہ خیالات کو تھوڑی دیر کے لئے دل سے نکال ڈالو۔ ہم پہلے کی طرح تینوں اکٹھے کھانا کھائینگے۔ اور کچھ عرصہ کے لئے اپنے غموم و ہموم کو بھول کر اس طرح خوش ہونگے۔ جیسے بچے۔ جنہیں گناہ اور موت کی خبر تک نہیں ہوتی یا اس تبدیلی کی جسے موت کہتے ہیں۔ معدن! باہر ٹھہر کر ابین کا انتظار کرو۔ آمیں میں کچھ دیر میں تجھے لباس بدلنے کو بلاؤں گی۔ اس وقت تک کسی کو ادھر نہ آنے دینا"۔

جس کمرے میں عذرا رہتی تھی بہت بڑا تھا۔ چراغوں کی روشنی میں اس کی وسعت تمام و کمال دکھائی دے رہی تھی۔ یہ سادہ مگر قیمتی سامان سے مزین تھا۔ پتھر کی دیواروں پر مشجر چڑھا ہوا تھا اور میزوں اور کرسیوں پر چاندی سے پچی کاری کی ہوئی تھی۔ کل سامان میں چند پھولوں کے گملے یہ ظاہر کرتے تھے کہ یہ مکان کسی عورت کی قیام گاہ ہے۔ ان میں سے مجھے یاد ہے کہ ایک گملہ سیوتی کے پھولوں کا تھا۔ جو میری پسند کا خاص پھول ہے۔

عذرا نے کہا کہ "یہ جگہ غریبانہ سی ہے مگر اس سے بہتر ہے۔ جس میں ابین میں نے تیری آمد کے انتظار میں دو ہزار سال بسر کئے تھے۔ اس کے باہر باغیچہ ہے جہاں میں بیٹھا کرتی ہوں" اور یہ

کہہ کر وہ میز کے ایک طرف بیٹھ گئی اور ہم سے سامنے بیٹھنے کو کہا۔
کھانا بالکل سادہ تھا۔ ہمارے لئے اُبلے ہوئے انڈے اور ہرن کا گوشت تھا۔ اور عذرا کے لئے دُودھ روٹیاں اور پہاڑی پھل تھے۔
تھوڑی دیر میں ایمن نے اُٹھ کر اپنا کارچوبی لبادہ اور انکس ایک کرُسی پر پھینک دیا۔ عذرا یہ دیکھ کر مسکرائی اور کہا:۔
"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم ان مقدس چیزوں کی کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے"
ایمن "بہت کم۔ عذرا تو نے عبادت گاہ میں میرے الفاظ سنے تھے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ہم باہم معاہدہ کرلیں۔ تیرے مذہب کے اصول میری سمجھ میں نہیں آتے۔ مگر اپنے مذہب کے اصول میرے ذہن نشین ہیں۔ مجھے تیرے مذہب سے بت پرستی کی بو آتی ہے اور تیری خاطر بھی میں شرک کا مرتکب نہیں ہو سکتا"
میرا خیال تھا کہ عذرا اس صاف گوئی پر برہم ہو جائیگی۔ مگر اُس نے سر جھکایا اور دبی زبان سے کہا:۔
"تیری رضا میری رضا ہے۔ اگرچہ ہر موقعہ پر مراسم مذہبی میں تیری عدم موجودگی کی وجہ بیان کرنا مشکل ہوگی۔ مگر اپنے عقیدہ پر قائم رہنے کا تجھے حق ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو تیرے عقائد ہیں وہی میرے بھی ہیں"
ایمن "وہ کیسے؟"
عذرا "وہ اس طرح کہ حقیقت میں سب مذہب ایک ہی ہیں۔ ضروریات زمانہ کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً بعض عقائد میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ مصر کا قدیم مذہب جس کی ایک حدتک یہاں پیروی ہوتی ہے کیا سکھاتا ہے یہی کہ لاکھوں صورتوں میں نہاں صرف ایک قوت حق واعظم کائنات پر حکمراں ہے۔ نیک لوگوں کو ابدی زندگی اور بد لوگوں کو ابدی موت

نصیب ہوتی ہے۔ انسانوں کی جزا و سزا کا معیار ان کے دل اور ان کے ہی افعال ہیں۔ دنیا میں بھی اور اس کے بعد بھی اپنے کئے کا پھل پاتے رہتے ہیں۔ اور انسان کا اصلی گھر یہ زمین نہیں ہے بلکہ اس سے الگ جگہ ہے۔ جہاں تمام راز آشکارا ہو جائیں گے۔ اور فکر و غم کا قصہ ختم ہو جائیگا۔ کہو کیا تمہارا بھی یہی عقیدہ ہے؟"

ایمن "عذرا یہ سچ ہے۔ مگر تیری معبودہ آئسیس یا عزا ہے۔ خود تونے ہی ہمیں آئسیس سے اپنے تعلقات کے فسانے سنائے ہیں۔ اور ہم نے تجھے بچشم خود اس کی پرستش کرتے دیکھا ہے۔ آخر یہ دیوی ہے کیا بلا؟"

عذرا "یہ دیوی وہی ہے۔ جو میں نے بیان کیا تھا۔ یعنی روح فطرت نہ کوئی خدائی ہستی۔ یہ وہی مادر عالم ہے جس کا بت تونے عبادت گاہ میں دیکھا ہے۔ اور اس کے اسرار میں دنیاوی زندگی اور علم کے خزانے نہاں ہیں"

ایمن "تو کیا یہ رحیم مادر اپنے پرستاروں سے موت اور مصیبتوں کے ذریعہ انتقام لیتی ہے جیسا کہ تونے بیان کیا ہے کہ اس نے تیری عدول حکمی کے بدلے میں تجھ سے۔ مجھ سے اور ایک اور ہستی سے لیا کیونکہ کوئی خلاف فطرت انسانی عہود و مواثیق کسی زمانۂ ماضی میں توڑ دئے گئے تھے"

عذرا نے میز پر کہنیاں ٹکا کر ایمن کی طرف دیکھا اور کہا:۔

"تو کیا تمہارے مذہب کی رو سے دو خدا ہیں جن کے بہت سے کارندے کام کرتے رہتے ہیں۔ اُن میں ایک بھلائی کا خدا اور دوسرا بُرائی کا خدا؟"

ایمن "نہیں! یہ بات نہیں ہے۔ خدا تو ایک ہی ہے۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ نیکی اور بدی دونو کا خالق وہی ہے۔ مگر وہ انسان کو

اجازت دے کر آزماتا ہے کہ دونوں میں سے کوئی سا راستہ اختیار کرے۔
البتہ شیطان جو خود مخلوق ہے انسان کو نیکی کے راستہ سے گمراہ کرنے
کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اور اکثر بدی کو خوشنما جامہ پہنا کر انسان
کو اس کی طرف مائل کرتا ہے۔"
عذرا:۔ بات وہی ہے مگر اس سے مترشح ہوتا ہے کہ شیطان زیادہ
قوی ہے۔ جو باوجود بد ہونے کے نیکی کا جامہ پہن سکتا ہے۔ ایمن سچ
بتا کہ اُس جہان میں جس کا مجھے بہت کم علم ہے۔ کیا تو نے کبھی ایسے
کمزور عقیدہ انسان کو دیکھا ہے جس نے کسی دنیاوی لالچ میں آکر اپنی
روح کو اس شیطان کے ہاتھوں بیچ دیا ہو اور پھر اس کے بدلے میں
تلخی اور روحانی ایذائیں پائی ہوں؟"
ایمن:۔ "تقریباً سب بدلوگ کسی نہ کسی پہلو سے یہی کرتے ہیں۔"
عذرا۔ اور اگر کسی زمانے میں کوئی عورت ہو جو آرزوئے حصول حسن
و حیات و عقل و عشق میں دیوانی ہو رہی ہو۔ کیا ممکن ــــ ممکن نہیں کہ
اس نے ــــ شاید اس نے ــــ"
ایمن:۔ "اس نے شیطان یا اس کے کارندوں کے ہاتھ اپنی روح کو
بیچ دیا ہو؟"
عذرا۔ کیا تیری یہ مراد ہے کہ تو وہ عورت ہے۔"
آخری الفاظ کہتے ہوئے ایمن کی آواز میں خوف و دہشت کا رنگ
تھا۔ اور ایمن کھڑا ہو گیا تھا۔ عذرا بھی اُٹھی اور آہستہ سے اس کی طرف
بڑھتے ہوئے کہا:۔ "بالفرض یہی بات ہو تو؟"
ایمن:۔ "اگر یہی بات ہے تو بہتر ہے کہ ہم الگ رہ کر اپنی تقدیر کا لکھا
پورا کریں . . . . . ."
عذرا۔ (سخت تکلیف سے آہ بھرتے ہوئے) "آہ! کیا تو شمسہ کے
پاس چلا جائیگا! میں کہتی ہوں کہ تو مجھے چھوڑ نہیں سکتا۔ دنیا میں

سب سے زیادہ تجھے اس بات کا علم ہونا چاہیئے کہ میں طاقت رکھتی ہوں کیونکہ میں نے تجھے قتل کیا تھا۔ نہیں نہیں! تو معمولی انسان ہے۔ تجھے یاد نہیں رہ سکتا مگر میں ـــــ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں تجھے دوبارہ مار کر اپنے پاس نہیں رکھونگی۔ بلکہ زندہ رکھونگی۔ ایبن! میرے حسن کو دیکھ اور اگر طاقت ہے تو مجھے چھوڑ جا۔ تو میری طرف کیوں کھنچا چلا آتا ہے۔ یہ طریقہ تو بھاگنے کا نہیں"

"نہیں مگر میں تجھے ان معمولی لالچوں سے روکنا نہیں چاہتی۔ اگر تو چاہتا ہے تو چلا جا۔ میرے جان و دل کے مالک چلا جا۔ اور مجھے تنہائی اور پشیمانی گناہ میں چھوڑ جا۔ شمسہ تجھے بہار تک اپنے پاس رکھیگی پھر تو وہاں سے اپنی دنیا میں اُن معمولی چیزوں کے پاس جا سکتا ہے جنہیں تو معراج عشرت سمجھتا ہے۔ دیکھ ایبن! میں منہ پر نقاب ڈال لیتی ہوں۔ تاکہ میری صورت کا تیرے دل پر اثر نہ ہو"

یہ کہہ کر عذرا نے منہ پر نقاب ڈال لیا اور یکایک یہ سوال کیا:-

"جب میں نے تجھ سے تنہائی کی استدعا کی تھی تو کیا تو پھر عبادتگاہ میں خلیف کے ساتھ واپس نہیں آیا؟ میرا خیال ہے کہ میں نے تم دونوں کو اس کے دروازوں کے قریب کھڑے دیکھا ہے"

ایبن "ہاں ہم تجھے تلاش کرنے آئے تھے"

عذرا "اور جیسا کہ جسارت کرنے والوں سے پیش آتا ہے۔ توقع سے بالاتر باتیں دیکھیں۔ ہے نا درست؟ بات یہ ہے کہ میں چاہتی تھی کہ تم آؤ اور یہ تماشا دیکھو۔ پھر میں نے تمہیں ایسی جگہ محفوظ رکھا جہاں کوئی دوسرا ہوتا تو مرجاتا"

ایبن۔ "تو وہاں تخت پر بیٹھی کیا کر رہی تھی۔ اور وہ صورتیں کن لوگوں کی تھیں جنہیں ہم نے تیرے سامنے مجرا کرتے دیکھا"

عذرا۔ ایبن! میں نے مختلف صورتوں میں مختلف خطوں پر حکومت

کی ہے کہ وہ صورتیں میرے قدیم ساتھیوں اور خدمت گذاروں کی ارواح تھیں۔ جو مجھے سلام کرنے اور میری باتیں سننے کے لئے آئی تھیں۔ یا ممکن ہے کہ وہ صرف تیرے تخیل کی تصویریں ہوں۔ جنہیں میں نے تیری طاقت اور وفا شعاری کا امتحان لینے کے لئے تیرے سامنے بلایا جس طرح شعلوں کی چادر پہ متحرک تصویریں دکھائی گئی تھیں۔ ایمن! اب میں تجھ پہ حقیقت آشکارا کرنا چاہتی ہوں۔ وہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ خواب و خیال ہے۔ یہاں تک کہ ماضی اور مستقبل بھی درحقیقت کوئی شے نہیں جو کچھ ہو چکا یا جو کچھ ہوگا صرف فسانہ ہے۔ میں۔ عذرا بھی کچھ نہیں صرف ایک خیالی تصویر ہوں۔ جسے اگر تو بُرا دیکھے تو بدصورت ہوں۔ اچھا سمجھے تو خوبصورت ہوں۔ ایک روحانی حباب ہوں۔ جس میں تیرے تبسم سے نورانی رنگ برنگی شعاعیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جو تیرے غصے سے مدہم ہو کر ہوا ہو جاتا ہے۔ اس تخت پر بیٹھی ہوئی ملکہ کا تصور کر جس کے سامنے روحانی صورتیں جھک جھک کر مصروف عبادت تھیں وہی میں ہوں۔ اس بدصورت بدہیئت مری ہوئی چیز کا خیال کر جسے تو نے کور کی چٹانوں میں دیکھا تھا۔ اور تو وہاں سے بھاگا تھا۔ وہ بھی میں ہی تھی۔ اب چاہے تو مجھے حسین جان کر مجھ پہ عاشق رہ یا یہ جان کر کہ مجھ میں دنیا کی کل بدی مرکوز ہے۔ پھر بھی میں وہی رہونگی۔ اب ایمن! تجھے سچ معلوم ہو گیا ہے۔ اب چاہے مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دے اور مامون و مصئون زندگی بسر کر چاہے مجھے گلے سے لگالے اور میری محبت اور وفا شعاری کے صلے میں میرا گناہ اپنے سر پر لے . . . . نہیں حلیف! تو خاموش رہ اور اب اُسے خود فیصلہ کرنے دے"

ایمن مڑا اور چل پڑا۔ میں سمجھا تھا کہ وہ کمرے سے باہر جانا چاہتا ہے۔ مگر نہیں وہ ٹہلنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ عذرا کے

قریب آیا اور نہایت سنجیدگی اور آہستہ آواز سے جیسا کہ اس کے مزاج کے آدمیوں کا ایسی حالت میں قاعدہ ہے۔ کہنا شروع کیا۔ "عذرا! جب میں نے تجھے اس بڑھاپے کی حالت میں دور ـــــ تو خوب جانتی ہے ـــــ دیکھا تھا تو میں نے تجھے قبول کیا تھا۔ اب جبکہ تو نے اپنی زبان سے مجھے شیطان کے ساتھ اپنے ناپاک معاہدہ کا حال بتا دیا ہے۔ اور میں نے اپنی آنکھوں سے کم از کم تجھے پاک یا ناپاک روحوں پر حکومت کرتے دیکھ لیا ہے۔ پھر بھی میں تجھے قبول کرتا ہوں۔ تیرا گناہ کبیرہ یا صغیرہ جو کچھ بھی ہو میرا گناہ سہی۔ اور سچ یہ ہے کہ اس کا بار میری روح کو دبا رہا ہے۔ اور میری ہستی کا جزو بن رہا ہے۔ اور اگرچہ مجھے بصیرت اور قوت پیشین گوئی حاصل نہیں تاہم مجھے یقین ہے کہ میں اس کی سزا سے بچ نہیں سکتا۔ اچھا! چاہے میں کتنا ہی معصوم کیوں نہ ہوں میں تیری خاطر اسے برداشت کرونگا۔ میں مطمئن ہوں"۔

عذرا سنتی رہی۔ اس کے سر سے کپڑا اتر کر زمین پر گر گیا۔ اور بات ختم ہونے کے بعد چند لمحہ وہ خاموش غرق حیرت کھڑی رہی۔ پھر یکایک رونے لگی۔ اور آنسوؤں کی جھڑی لگا دی۔ گھٹنوں کے بل ایمن کے سامنے گر گئی۔ اور اس کا دامن پکڑ کر اتنا جھکی کہ اس کا سر ایمن کی پنڈلیو سے لگ گیا۔ اللہ اللہ! وہ مغرور ہستی جو فانی انسان سے بالاتر تھی جس کے سامنے روحوں نے سجدے کئے تھے۔ اس آدمی کے قدموں میں پڑی تھی۔

ایمن اس قابل رحم حالت کو دیکھ کر گھبرا گیا اور اچھل کر پیچھے ہٹا اور جھک کر اسے اٹھایا اور روتی ہوئی کو لے جا کر چارپائی پر بٹھا دیا۔ آخر عذرا نے کہا:۔

"تجھے کیا علم ہے کہ تو نے کیا کر دیا۔ خدا کے لئے ان تمام

نظاروں کو جو تونے مینار کی چوٹی پر یا عبادت گاہ کے اندر دیکھے ہیں ۔ خواب وخیال تصور کر۔ اور چاہے تو اُسے مغلوب الغضب دیوی کی داستان کو فسانہ سمجھ۔ کم ازکم اس قدر ضرور سچ ہے کہ مدتیں گذریں۔ میں نے تیری خاطر تیرے خلاف اور ایک دوسری ہستی کے خلاف گناہ کا ارتکاب کیا تھا۔ مدتیں گذریں میں نے غیر محدود حسن اور زندگی خریدی تھی تاکہ تجھے حاصل کروں اور یہ ایسی قیمت پر جس کی بہت کم لوگوں کو جرأت ہو سکتی ہے۔ پھر اس قرضہ پر میں نے تحقیر۔ انتہائی تنہائی۔ اور مسلسل درد کا سودا ادا کیا۔ جو بالکل ناقابل برداشت تھا۔ یہاں تک کہ ادائیگی کا وقت آپہنچا۔ ہاں! میں نہیں کہہ سکتی کہ کس طرح ہمیشہ صرف تیری ہستی میرے لئے اس خوفناک قرضے کی پوری ادائیگی میں حائل رہی ہے۔ میں تجھے بتاتی ہوں کہ مقدرات نے از راہ ترحم ہم دونو کو ایک دوسرے کی نجات کا وسیلہ مقرر کر دیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

یہاں ایین نے بولنے کی کوشش کی مگر عذرا نے اشارے سے اسے روک دیا۔ اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"ایین! دیکھ میری طرف سفر کرتے ہوئے تیرے جسم کو تین عظیم الشان خطروں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ موت کے کتے۔ پہاڑوں کی سختیاں۔ اور وہ ڈھلوان جس سے تم کودے تھے۔ یہ تینوں دراصل تیری روح کی آخری تین آزمائشوں کے نمونے اور مقررہ علامات تھیں۔ شمسہ کے جوشیلے جذبات سے جن کا نتیجہ ہم دونو کے لئے تباہی ہوتا۔ تو فتح پا کر نکلا۔ تونے صحراؤں اور پہاڑوں کی برفانی چوٹیوں میں فاقہ کشی کرکے سختیاں اُٹھائیں ۔ ایسی راحت کی تلاش میں جو تجھے میسر نہیں آسکتی تھی۔ یہاں تک کہ جب برف کی بوچھار نازل ہوئی اس وقت بھی تیرے ارادے اور وفاشعاری میں تزلزل پیدا نہیں ہوا۔ جیسا کہ دہانۂ آتشیں پر جبکہ سالہا سال کی صعوبتوں کو برداشت کرنے کے بعد تیرے

دل میں خوفناک شکوک پیدا ہوکر تیری امیدیں ختم ہو چکی تھیں۔ جب تو تودۂ برف پر سے اترا ہے تو تجھے علم نہیں تھا کہ اس خطرناک راستے سے آگے کیا ہے۔ اسی طرح تو اب اپنی مرضی سے صرف میری محبت کی خاطر ایسے تاریک گڑھے میں کود گیا ہے جو اس سے بدرجہا زیادہ گہرا ہے۔ تاکہ اس کی مصائب کو میرے ساتھ برداشت کرے۔ اب تو امید ہے کہ تو بات کو سمجھ گیا ہوگا؟"

ایمن:۔ "میرا خیال ہے کہ کچھ کچھ حقیقت میری سمجھ میں آگئی ہے مگر شاید کل نہیں!"

عذرا۔ (بے تابی سے) "یقیناً تیری نگاہ کے سامنے شکوک کا دُہرا نقاب حائل ہے۔ اچھا پھر سنو:۔

"اگر تو فطرت انسانی سے مغلوب ہوکر کل مجھے اُس مہیب صورت کی وجہ سے ترک کر دیتا تو شاید مجھے غیر محدود زمانے تک اسی صورت میں اس قدیم مذہب کی کاہنہ کے فرائض انجام دینے پڑتے + یہ تیرے لئے پہلی آزمائش اور پہلا لالچ —— نہیں پہلا نہیں بلکہ دوسرا —— کیونکہ پہلا تو شمسہ کے دم دلاسے تھے —— مگر تو وفادار نکلا اور تیری فتح مند محبت کے جادو نے میرے حُسن اور نسائیت کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ اگر آج رات جبکہ میں نے قدرت کے احکام کی متابعت میں تجھے عبادت گاہ کا وہ نظارہ دکھایا۔ اور پھر اپنی روح کے گناہ کا تیرے سامنے اقرار کیا۔ تو مجھے ترک کر دیتا تو ابدالآباد تک کے لئے مجھے مایوسی اور بے یار و مددگار۔ دنیاوی طاقتوں کے بغیر تنہائی کے عمیق اور تاریک غاروں میں زندگی گذارنی پڑتی۔ یہ تیرا مقرر شدہ امتحان تیری روح کی آزمائش کے لئے باقی تھا۔ اور ایمن! تو نے اپنے استقلال کی وجہ سے میری گردن پر سے پاداش کا بوجھ اُتار دیا۔ اب میری تمناؤں کا مرکز تیری ہستی ہے —— تیرے ذریعہ سے میں امید لگا سکتی ہوں کہ کسی آئندہ

زندگی میں مجھے راحت میسر آئے گی۔ جس کا تو بھی شریک ہوگا۔ تاہم ۔۔۔ تاہم اگر تجھے منظور ہو تو ۔۔۔۔ ۔"

امین :" مجھے سب کچھ منظور ہے۔ اور بس۔ سوائے بعض باتوں کے میرا قلب مطمئن ہے۔ میں جانتا ہوں کہ عدل ہم سب کے لئے ہے۔ اگر میں نے اپنی گردن پر کوئی خطرہ لے کر تجھے کسی بند سے آزاد کرا دیا ہے اور کسی ہیبت ناک مواخذہ سے چھڑا دیا ہے تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ میری زندگی اور اگر ضرورت ہو تو میری موت بے کار نہیں ہوگی۔ اس لئے ان تمام الجھنوں کو ختم کر دینا چاہیئے مگر پہلے مجھے ایک سوال کا جواب دے۔ عذرا چوٹی پر تیری قلب ماہیت کیسے ہوئی؟"

عذرا :" امین! میں نے شعلوں میں تجھے خیر باد کہی تھی۔ اور شعلوں میں سے ہی میں پھر تیرے پاس آگئی۔ اور شاید شعلوں میں ہی ہم دونو رخصت ہو جائینگے۔ یا شاید جو تبدیلی ہوئی ہے وہ صرف دیکھنے والوں کی نظروں میں تھی۔ اور میری صورت میں نہیں تھی۔ میں جواب دے چکی ہوں اس سے زیادہ دریافت کی کوشش عبث ہے۔"

امین :" ایک بات میں اور دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ عذرا! آج رات ہم دونو کی نسبت قرار پا گئی ہے۔ ہماری شادی کب ہوگی؟"

عذرا :" ابھی نہیں۔ ابھی نہیں!" اور عذرا کی آواز کانپنے لگی :" امین! کچھ عرصہ کے لئے اس امید کو دل سے نکال دے۔ اور چند مہینے یا تقریباً سال بھر صرف دوستانہ اور عاشقانہ تعلقات پر قناعت کر۔"

امین :" آخر کیوں؟ عذرا! مجھے ان تعلقات پر قناعت کرتے ہوئے مدتیں گزر چکی ہیں۔ علاوہ ازیں میں روز بروز جوان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ تیرے برعکس میں بہت جلد بوڑھا ہو جاؤنگا۔ عمر گزر رہی ہے اور کبھی کبھی مجھے اپنا انجام قریب دکھائی دینے لگتا ہے۔"

عذرا کو خوف سے غصہ آگیا۔ اور تھرّا کر اٹھی اور زمین پر پاؤں ما

کر کہنے لگی :-

"ایسے بدفال کلمے زبان سے کیوں نکالتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر تو سچا ہے ۔ تیرے پاس گردشِ روزگار اور حوادثِ ارضی سے بچاؤ کا کوئی حربہ نہیں ہے ۔ اُف ! یہ خیال بھی خوف ناک ہے کہ تو مر جائے اور مجھے زندہ چھوڑ جائے"۔

امین "تو اپنی زندگی میں سے مجھے حصہ دے دے"۔

عذرا "آہ ! میں ہنس کر تجھے اپنی ساری زندگی دے دیتی اگر کاش ! تو اس کے بدلے میں مجھے آنے والی موت دے سکتا ۔ (جذبۂ دلی سے مغلوب ہو کر) اے فانی انسانو ! تم اپنے خدا سے ہمیشہ درازیٔ عمر کی دعائیں مانگا کرتے ہو ۔ حالانکہ تمہیں یہ خبر نہیں کہ تم اس سے اپنے سینے میں ایک تخم بوتے ہو ۔ جس کا پھل ہزاروں مصیبتوں کی صورت میں پیدا ہوتا ہے ۔ تمہیں علم نہیں کہ یہ دنیا جہنم کا فراخ مکان ہے ۔ جس کی کوٹھریوں میں وقتاً فوقتاً روح تھوڑی دیر کے لئے قیام کرتی ہے ۔ پھر تھک کر اور پریشان ہو کر روتی ہوئی راحت ابدی کی طرف پرواز کر جاتی ہے ۔ اس لئے سوچو کہ یہاں غیر محدود زمانے تک بصورت انسان رہنا کیا معنی رکھتا ہے ؟ روح فرسودہ ہوتی جاتی ہے اور ہمارے پیارے ہماری آنکھوں دیکھتے ایسے عالم کو سدھارتے جاتے ہیں جہاں ہمیں جانے کی توقع نہیں ہوتی ۔ ہم انتظار میں ہیں ۔ اور صدیوں کی نحوست قطرہ قطرہ کر کے ہماری غیر فانی ہستی پر گرتی جاتی ہے ۔ جس طرح پانی کے ٹپکتے ہوئے قطرے ہیرے پر جس کو وہ گھس نہیں سکتے ۔ یہاں تک کہ ہمارے عزیز ہمیں بھولے ہوئے دوبارہ پیدا ہوتے ہیں ۔ اور پھر ہمارے ہاتھوں سے نکلے چلے جاتے ہیں ۔

"ور غور کرو کہ ہم جن گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں مثلاً للچائی ہوئی نظر ۔ دل دکھانے والا یا تلخ لفظ ۔ یہاں تک کہ خود غرضانہ خیال اور کوشش

تک بھی اگر وہ گناہ اپنی حالت سے لاکھوں گنے بڑے ہو کر اور ہماری ہستی سے زیادہ پائدار صورت میں زمین پر ہزاروں تقدیروں کا زہر بن کر نظر آئیں تو ان کا دیکھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ جبکہ دست قضا و قدر محاسبت میں مصروف ہے۔ اور عدل کی بے رعایت آواز ہمارے ضمیر کی ماری ہوئی تنہائی میں پکار پکار کر کہتی ہے کہ وائے خطا کار روح! دیکھ جس بدی کا تو نے بیج بویا تھا اس کی فصل تیار ہے۔ اب توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔

"سوچو کہ مکمل دنیاوی عقل کا حاصل ہونا کیا فائدہ رکھتا ہے۔ جبکہ روح اس سے زیادہ عمیق مگر ناقابل حصول آرزو کے نہ پورا ہونے کی وجہ سے مطمئن نہیں ہو سکتی۔ کیا فائدہ ہے کہ دنیا کی دولت و طاقت اپنے پاس جمع ہو جائے مگر جس طرح بچہ کسی کھلونے سے اکتا کر اسے پھینک دیتا ہے۔ ان سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ شہرت کا خوشنما باجا ہاتھ آ جائے مگر اس کی مسلسل اور متواتر آواز سے تنگ آ کر پاؤں میں مسل کر پرزہ پرزہ کرنا پڑے۔ عشرت کا پیالہ مل جائے مگر اس میں بجائے شراب کے ریت بھرا ہوا نکلے اور آخر کار عاجز آ کر اسی قوتِ مطلق کے سامنے سربسجود ہو کر جس کی عنایت سے اتنی طویل زندگی حاصل ہوئی گڑگڑانا پڑے کہ اسے واپس لے لے اور گوشۂ لحد میں آرام کرنا نصیب کرے۔

"یہ ہے وہ زندگی ایمن! جس کی تجھے تمنا ہے۔ اب بھی ایسی زندگی کی آرزو ہے؟"

ایمن: "ہاں بشرطیکہ وہ تیرے ساتھ بسر ہو۔ یہ سب کچھ تنہائی کے مصائب ہیں۔ مگر ہماری بے نظیر یکجائی انہیں عشرت سے بدل سکتی ہے۔"

عذرا: "بے شک! جب تک کہ ہمیں اس کی اجازت ہو۔ اچھا ایمن یہی ہو جائیگا۔ موسم بہار میں جبکہ برف پگھل جائیگی ہم اکٹھے لیبیا کی طرف سفر کرینگے۔ اور وہاں تو اس چشمۂ حیات میں نہائیگا۔ جس کے شعلوں سے ایک دفعہ تو نے احتراز کیا تھا۔ اس کے بعد میں تیرے ساتھ شادی کر

ہوں گی۔"
ایمن "عذرا! وہ جگہ ہمیشہ کے لئے بند ہو چکی ہے۔"
عذرا "میرے اور تیرے لئے نہیں۔ میرے ایمن! اس کا خیال نہ کرو اگر اس کے سامنے یہ پہاڑ بھی حائل ہو جائے تو میں صرف لگا ہوں سے اس کے اندر سے راستہ پیدا کر کے اس کے مخفی اسرار کو کھول سکتی ہوں کاش تجھے بھی وہ قوتیں حاصل ہوتیں جو مجھے حاصل ہیں۔ پھر میں تجھے دکھاتی کہ کل صبح سے پیشتر ہم اس لڑھکنے والی چٹان کو اڑا دیتے اور تو اس کی شاندار تاثیر سے فائدہ اُٹھا لیتا۔"
"مگر یہ ہو نہیں سکتا۔ بھوک اور پیاس سے تجھے تکلیف ہو سکتی ہے۔ پانی میں تو غرق ہو سکتا ہے۔ تلوار تجھے قتل کر سکتی ہے! و بیماری تیری طاقت کو زائل کر سکتی ہے۔ اگر شمسہ میری حکم عدولی نہ کرتی جیسا کہ تقدیر میں تھا کہ وہ ضرور کرے تو آج تک ہم پہاڑوں کو عبور کر چکے ہوتے۔ یا شمال کی طرف سے صحراؤں اور دریاؤں کے پار پہنچ گئے ہوتے۔ اب ہمیں برف پگھلنے تک انتظار کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ آغازِ موسمِ سرما ہے۔ اور اس موسم میں تجھے علم ہے کہ کوئی اُن پہاڑوں پہ زندہ نہیں رہ سکتا۔"
ایمن "بہار کے آنے میں آٹھ مہینے ہیں اور ان پہاڑوں اور اس کے بعد کے فاصلے اور کور کی دلدلوں کو عبور کرنے میں کتنا زمانہ صرف ہو گا
عذرا۔ کم از کم دو سال چاہئیں کہ ہم اس جگہ پہنچ سکیں۔"
یہ کہہ کر ایمن نے اس کی منت سماجت شروع کی کہ پہلے فوراً شادی رچالی جائے پھر سفر اختیار کیا جائے۔ مگر وہ برابر انکار کرتی گئی۔ یہاں تک کہ ایمن کے زیادہ تقاضے اور شاید اپنے دل کی کمزوری کے خوف سے وہ اُٹھی اور ہم سے جانے کو کہا۔ جب ہم جانے لگے۔ تو اس نے مجھ سے کہا "آہ! حنیف! میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم چند گھنٹے

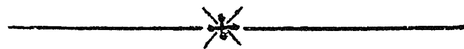
آرام و راحت میں یکجا گزاریں گے - دیکھ میری تمنا کس طرح بر آئی ہے۔
پرانے زمانے کے مصری لوگوں کو کھانے پر ایک مردے کا پنجر نظر آیا
کرتا تھا۔ مگر یہاں آج رات مجھے چار مردے نظر آ رہے تھے جنہیں
تم دونو بھی دیکھ سکتے تھے۔ ان کے نام - خوف - نا امیدی - خطرہ اور
ناکامئ عشق ہے - یقیناً اگر ان کا جنازہ نکل گیا تو اور بہت سے ان
کے ساتھی ہمارے پریشان کرنے کو ہمارے سروں پر مستولی ہو جائینگے
اور ممکن ہے کہ ہمارا لقمہ منہ سے چھین لیں ؛

"میرے ساتھ شروع سے یہی ہوتا رہا ہے - بدنصیبی میرے نشانِ
قدم پر میرے پیچھے لگی رہی ہے تاہم میں نے امید کے دامن کو نہیں
چھوڑا - اور بہت سی مشکلات کو عبور کر لیا ہے - اور این تو اپنی تین
آزمائشوں میں ثابت قدم نکل چکا ہے - میرے پیارے! جاؤ - خدا
کرے تیری نیند اور تیرے خواب راحت آمیز ہوں - میں ان کی شریک
ہونگی - میں قسم کھاتی ہوں کہ کل کو ہم ان غموں کو بھول جائیں گے - ہاں!
کل کو ہمیں خوش وقتی میسر آئے گی ؛"

جب ہم اپنے کمرے کی تنہائی میں پہنچے تو این نے حسرت آمیز لہجے میں مجھ
سے پوچھا :-

"آخر عذرا کیوں فوراً شادی نہیں رچا لیتی ؟"

میں نے کہا "اس لئے کہ وہ کسی غیبی طاقت سے خائف ہے ؛"



باب نوزدہم

ایمن اور چینیا

ترکِ عاشق کُشِ من مست بروں رفت امروز
تاکرا خونِ دل امروز رواں خواہد بود

ان عظیم الشان واقعات کے بعد جو ہفتے گذرے اُن میں میں نے اکثر حیرت سے اندازہ کیا کہ شاید دنیا کے پردے پر اس عورت یا روح موسومہ بہ عذرا یا عزا سے زیادہ بدنصیب اور واقعی بدقسمت عورت کوئی نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ واقعی یا صرف ہمارے تصور میں اس خوفناک بڑھاپے سے بدل کر اس ابدی حسن و جوانی کی صورت میں آگئی تھی بعید از قیاس معلوم ہوتا تھا چند واقعات بالکل یقینی تھے وہ یہ کہ :۔

عذرا نے بقا کا کوئی ایسا راز دریافت کر لیا تھا کہ بظاہر اس کی زندگی کو زوال نظر نہیں آتا تھا۔ علاوہ ازیں سوائے چند کمزوریوں کے مثلاً مستقبل سے قطعاً بے خبری وغیرہ اس کو ایسی قوتیں حاصل تھیں جو بالکل مافوق العادت تھیں۔

جن عجیب لوگوں میں ہمارا قیام تھا۔ اُن پر اس کی حکومت اور اس کا تسلط مکمل تھا۔ بلکہ یہ لوگ اسے دیوی مان کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ اُس شخص نے جسے اس کی زندگی اور روح کہا جا سکتا ہے۔ جس کی ہستی ایک پر اسرار طریقہ سے اس کی ہستی سے الجھی ہوئی تھی۔ اور جس سے

اسے اس درجہ عشق تھا کہ دنیا میں اس کی مثال ملنا محال ہے۔ ہزاروں مصیبتیں سہ کر اور کٹھن منزلیں مار کر آخر اُسے دنیا کے اس پوشیدہ خطے میں ڈھونڈھ کر پا ہی لیا +

علاوہ ازیں اس نے اپنی وفاشعاری کو اسپر پوری طرح سے ثابت کر دیا۔ پہلے حسین مہ جبیں شہزادی شمسہ کو مسترد کر کے اگرچہ وہ کسی قدر بد تربیت تھی۔ پھر جب حیات ظاہری کے لئے عذرا کی صورت بالکل قابل نفرت تھی اُسے قبول کر کے. اور تیسری دفعہ اس طرح کہ عبادت گاہ میں روحوں کی پرستش کے نظارے کے بعد ــــــ اگرچہ عذرا کی نا قابل بیان قوتوں کے مقابلہ میں اس کی نگاہوں میں یہ کوئی حیرت انگیز فعل نہ تھا۔ اس کے اس خوفناک اقرار کے باوجود ثابت قدم رہنے سے کہ اس نے ابین کو اور اپنی قوتوں کو ارواح خبیثہ سے کوئی ناپاک معاہدہ کر کے حاصل کیا ہے۔ جس کے نامعلوم نتائج اور سزاؤں میں ابین کو اسکا شریک ہونا پڑیگا +

پھر بھی عذرا کی بدنصیبی میں کوئی شک نہیں تھا۔ یہاں تک کہ عین مسرت و انبساط کی حالت میں بھی صرف یہ دکھائی دیتا تھا۔ کہ وہ مردے جن کا اس نے کھانے کے بعد ذکر کیا تھا ہر وقت اس کے رفیق ہیں۔ بلا شبہ جب مجھے اتفاقاً اس کے ساتھ تنہائی میسر آتی تھی۔ تو وہ اشارۃً اور کنایتہً اس کا اعتراف بھی کرتی رہتی تھی۔ اگرچہ خانم شمسہ اس کی رقیب شکست فاش کھا کر گئی تھی تاہم اب بھی اس کے دل میں رشک کی آگ جل رہی تھی +

رشک کی بجائے "خوف" کا لفظ شاید زیادہ موزوں ہے۔ کیونکہ عذرا کے دل و دماغ پر یہ خیال حاوی تھا کہ کبھی نہ کبھی پھر شمسہ سے مقابلہ پڑیگا۔ اور اس وقت عذرا کی باری ہوگی کہ یاس اور ناکامی کا منہ دیکھے +

ان سب باتوں سے زیادہ ابین کی جان کے متعلق اس کے خوف اسے چین نہ لینے دیتے تھے۔ یہ بات عیاں ہے کہ باوجودیکہ اس عجیب الخلقت

روحانی عورت سے اس قدر گہرے دلی تعلقات حاصل تھے اُسے ایک بوسۂ لب کی بھی اجازت نہ تھی۔ اس سے ایین کی صحت پر اچھا اثر نہیں پڑ رہا تھا۔ پھر جبکہ یہ بھی یقین تھا۔ کہ یہ جدائی دو سال سے پہلے ختم ہونے والی نہیں۔ اس لئے کوئی حیرت نہ تھی کہ ایین کی بھوک جاتی رہی۔ جسم دُبلا ہونے لگا اور رنگ زرد ہونے لگا۔ بار بار تقاضہ کرتا تھا کہ عذرا اپنے پہلے فیصلہ پر نظر ثانی کرے اور شادی رچالے مگر بے سود + عذرا اس پہلو پر آتی ہی نہ تھی۔ ایین کے کہنے اور خود اپنے استعجاب کو دُور کرنے کی غرض سے میں نے ایک دن موقعہ پا کر تنہائی میں اس سے پوچھا کہ آخر اس فراق زا فیصلہ کی وجوہات کیا ہیں + اس نے جو جواب دیا اس کا لب لباب یہ تھا کہ ایین کے فانی ہونے کی خاصیت اُن دونوں کے درمیان حائل ہے اور جب تک اس کے جسم میں بھی اُن ابخرات حیات پر اسرار اثرات نہ پہنچ جائیں ان دونوں کا ازدواج حماقت ہے +

میں نے اس کی وجہ پوچھی اور کہا کہ اگرچہ تجھے رازِ حیات حاصل ہے تاہم عورت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ تو وہ مسکرائی اور کہا :۔

"حنیف! کیا تجھے اس قدر یقین ہے؟ تمہارے ہاں بھی عورتیں ایسے ہی زیورات پہنتی ہیں جیسا میں پہنے ہوئے ہوں؟" اور اس نے اپنی پیشانی کے نورانی ہالہ کی طرف اشارہ کیا۔ مزید براں اس نے اپنے بالوں اور سرد سینہ پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا۔ جہاں جہاں سے اس کا ہاتھ گذرتا گیا تمام جسم پر اسی قسم کی ایک چمک پیدا ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اس جھٹپٹے کمرے میں ـــــ کیونکہ غروب آفتاب کا وقت تھا ـــــ اس کا جسم اس طرح چمکنے لگا جیسے فاسفورس کی قلمیں پانی میں چمکتی ہیں۔ اور اس کی صورت شاندار مگر ہیبت آفریں نظر آنے لگی۔ پھر اس نے ہاتھ ہلایا اور سوائے پیشانی کے نور کے تمام جسم ویسا کا ویسا ہو گیا اور اس نے پھر کہا :۔

"حنیف! کیا تجھے اسقدر یقین ہے؟ خوف کی کوئی بات نہیں کیونکہ یہ

نور تجھے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ شاید یہ بھی تیرے تخیل کا عکس تھا۔ میں جانتی ہوں کہ تیرے تخیل میں بہت باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی عورت جسم کو شعلوں سے ڈھک کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ اور میرے لباس تک میں آگ کی بو نہیں پیدا ہوئی۔"

میرے صبر کا خاتمہ ہو چکا تھا اور میں نے غصے سے کہا:۔

"عذرا! مجھے کسی سے کا یقین نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ عنقریب تیری ان شعبدہ بازیوں اور نظر بندیوں سے ہم دیوانے ہو جائینگے۔ سچ بتا کیا تو کوئی روح ہے؟"

عذرا: "ہم سب روحیں ہیں۔ اور شاید مجھ میں یہ خاصیت سب سے زیادہ ہے۔ مگر کون یقیناً کہہ سکتا ہے کہ ہم کیا ہیں؟"

میں: "بے شک۔ تاہم عورت یا روح جو کچھ بھی تو ہے مجھے ایک بات بتا دے۔ اور سچ سچ کہنا کہ ازل میں ایمن کا اور تیرا کیا تعلق اور رشتہ تھا؟"

عذرا: (متانت سے) اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو عبرانیوں کے قوانین کی پہلی کتاب میں جو کسی زمانے میں میں نے پڑھی ہے لکھا ہوا ہے کہ آسمان کے بیٹے دنیا میں آئے اور دیکھا کہ انسان کی بیٹیاں حسین ہیں ——— ہے نا؟"

میں: "ہاں لکھا ہوا ہے تو سہی"

عذرا: "تو حنیف کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آسمان کی ایک بیٹی زمین پر آئی ہو۔ اور ایک مرد کے حسن پر فریفتہ ہو گئی ہو۔ اور پھر اس کے اس گناہ کی پاداش میں کہ اس نے اس انسان کے لئے اپنی غیر فانی ہستی کو رسوا کر دیا تھا اُسے غم فراق سہنے کی سزا دی گئی ہو۔ یہاں تک کہ اس کا عشق طول طویل صعوبات برداشت کر کے اور صرف تصور پہ قانع رہنے والا ثبات حاصل کر کے اس کی نجات کا باعث قرار دیا گیا ہو؟"

اس بیان سے مجھے کچھ روشنی نظر آئی اور میں نے چاہا کہ آگے کچھ

اور سوال کروں کہ عذرا نے پھر سلسلہ کلام جاری کیا :-
"نہیں حلیف! مجھ سے اور سوالات کرنے کی کوشش عبث ہے کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا جواب میں صرف کنایتہً دے سکتی ہوں۔ اس لئے نہیں کہ تجھے پریشان کروں بلکہ مجبور رہوں۔ جس طرح چاہو اس کی تاویل ہو سکتی ہے۔ تاہم شمسہ بھی مجھے فانی نہیں سمجھتی تھی۔ کیونکہ اس نے کہا تھا کہ انسان اور روح کا میں نہیں۔ بعض معاملات ایسے ہیں جن میں میں اس کی رائے کو وقعت دیتی ہوں اس لئے کہ اس زندگی میں بھی اور اس سے پہلے بھی اُسے اور اس کے ماموں جادوگر سمبری کو اور قوتوں کے ساتھ مستقبل بینی ہی حاصل رہی ہے۔ اس لئے ابین سے کہو کہ مجھے شادی کرنے پر زیادہ مجبور نہ کرے کیونکہ مجھے اس کی کسی آرزو سے انکار کرتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے۔ آہ! اس کا تمہیں علم نہیں کہ کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔

"میرے دوست میں تیرے سامنے اعتراف کرتی ہوں کہ میں جو کچھ بھی ہوں مجھ میں نسائیت اس درجہ تک موجود ہے کہ میں اپنے عاشق کی التدعا اور التجا کو سن کر قطعاً خاموش رہنا محال سمجھتی ہوں۔ دیکھ میں نے اپنی تمناؤں کو زنجیر سے جکڑ کر اس قدر کھینچا ہے کہ میرے دل کا خون ہو رہا ہے۔ لیکن اس کی التجاؤں کا یہی رویہ رہا تو کون کہہ سکتا ہے کہ میں اس کی آگ میں نہ جل اٹھوں گی۔ اور عقل کے مشورہ کو ہوا میں اڑا دوں گی۔ پھر کیا ہوگا۔ ہم دونوں اپنے جذبات کی خطرناک ڈھلوان پر سے لڑھک کر تباہی کے گڑھے میں گر جائیں گے اور پاش پاش ہو جائیں گے۔ نہیں نہیں۔ ابھی ایک سفر اور باقی ہے۔ جبکہ وہ پل جسے میری عقل نے ڈھونڈھ لیا ہے۔ مل جائیگا۔ پھر ہم اسے عبور کر کے اپنی محبت کے سرسبز باغ میں ابدالآباد تک لطف و سرور کی زندگی بسر کرینگے"۔

اس کے بعد وہ خاموش ہو گئی اور پھر اس معاملہ میں مزید گفتگو نہ کی۔

میری بدنصیبی سمجھو یا کچھ اور مجھے اب بھی یقین نہیں آیا کہ اس نے سچ بولا ہے یا کم از کم یہ کہ اس نے تمام وکمال باتیں سچ سچ مجھے بتا دی ہیں۔ کیونکہ عذرا کے نزدیک سچائی کے کئی رنگ ہو سکتے ہیں۔ جیسے ہیرے کے مختلف پہلوؤں سے مختلف رنگ کی شعاعیں نکلتی ہیں۔ ہمیں کبھی بالوثوق یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ اس کا کونسا پہلو پیش کر رہی ہے۔ کیونکہ اُسے عادت تھی کہ یا تو دانستہ یا ضرورتاً وہ سچائی کو جیسا کہ خود اُس نے اعتراف کیا تھا۔ کنایتہً اشاروں میں بیان کیا کرتی تھی + یہ واقعہ ہے کہ اس وقت تک مجھے یقین نہیں کہ عذرا عورت تھی یا روح یا جیسا کہ میرا شبہ ہے دونو کا مجموعہ تھی۔ مجھے اس کی قوتوں کی حدود کا بھی علم نہیں۔ نہ یہ معلوم ہے کہ اس کے عشق کی ابتدا کی وہ کہانی ——جس پر ذاتی طور پر مجھے شبہات ہیں —— سچی ہے یا صرف فسانہ ہے جسے اس کے تخیل نے پیدا کر لیا ہے۔ اور اپنے کسی مخفی مقصد کے پورا کرنے کی غرض سے اس کا عکس شعلوں کی چادر پر ڈالکر ہمیں دکھایا تھا +

مجھے علم نہیں کہ ہم نے جب پہلی دفعہ اسے پہاڑ پر دیکھا تھا تو واقعی بڑھیا اور بدصورت تھی یا صرف اپنے عاشق کی وفاداری کا امتحان لینے کے لئے اُسنے یہ صورت بنالی تھی + میں نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ معدن نے کہا تھا درست ہے۔ اور شاید اُسے ایسا کہنے کا پہلے سے حکم دے دیا گیا ہو —— یعنی یہ کہ اس کی روح پہاڑ کی کاہنہ کے مردہ جسم میں حلول کر آئی تھی۔ یا جبکہ وہ وہاں اس مصیبت ناک انداز سے مرتی ہوئی دکھائی دی تھی تو اس کا جسم اور روح دونو کو رکے غاروں سے سیدھے کسی خفیہ قوت کے زور سے اُڑ کر یہاں وسط ایشیا میں آپہنچے تھے +

میں نہیں جانتا کہ باوجود ان قوتوں کی موجودگی کے جو اسے حاصل تھیں، کیوں وہ ہمیں ڈھونڈھنے نہ آئی۔ اور اس کی جگہ ہمیں اتنے پریشان کن سفروں میں سالوں حیران و سرگرداں رکھا۔ اگرچہ میں سوچتا ہوں کہ شاید کسی قوت خفیہ نے اُسے سوائے ہماری نگہبانی کرنے کے اور طرح ظاہر ہونے سے

روک رکھا ہوگا۔ جبکہ وہ ہماری ہر حرکت اور دلی کیفیت کو معلوم کرتی رہی یہاں تک کہ ہم مقررہ جگہ پر معینہ وقت میں آپہنچے + علاوہ ازیں اور بہت سے نکات ایسے ہیں جن کا تذکرہ یہاں فضول ہے۔ اور اُن کے ہاتھوں میری قوت متخیلہ سخت الجھن میں ہے +

مختصر یہ کہ مجھے سوائے اس کے اور کچھ علم نہیں کہ میری ہستی دنیا کے ایک عجیب ترین راز سے وابستہ ہوگئی ہے۔ اس وجہ سے کہ عذرا نے راز حیات کو کسی طاقت سے معلوم کرکے اس پر قبضہ کرلیا ہے۔ اور اُس نے بیان کیا ـــــ اور اس بیان کا بین ثبوت ہمارے پاس کچھ نہیں ـــــ کہ یہ حیات ابدی ایک آتشیں رَو یا بخارات میں نہانے سے حاصل ہوتی ہے عذرا کے دل میں جذبات کا ایک ہیجان تھا۔ جنہیں سمجھنا دشوار ہے مگر وہ شدت کے لحاظ سے بے حد قوی اور غیر فانی جذبات ہیں۔ اور ایک صرف ایک ہستی کی طرف مرکوز ہیں۔ اور یہ کہ بار بار تقدیر کی کوئی مخالف تحریر ان جذبات کے ذریعہ سے اسے مغلوب کرتی رہی۔ اس کے نہ ختم ہونے والے ایام زندگی کو بوجھ بناتی رہی۔ اور اس قوت اور عقل مجسم کو جسے سوائے مستقبل کے اور ہر شے کا علم حاصل تھا۔ ہمیشہ ایسی مصیبت۔ تذبذب اور ناکامی کے گڑھے میں دھکیلتی رہی۔ جس سے خدا کا شکر ہے کہ ہم جیسے معمولی انسانوں کو بچایا جاتا +

اب اگر یہ تحریر دنیا والوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے تو انہیں اختیار ہے کہ ان واقعات پر غور کرکے باقی تمام باتوں کے متعلق اپنی عقل کے مطابق تاویلات کرلیں اور جو چاہیں اس کا مطلب سمجھیں + یہ تمام اسرار اور اس قضیہ میں میرا اور شمسہ کا حقیقی تعلق جو کچھ بھی ہے بس عنقریب اسے دریافت کرلونگا چاہے وہ اس دنیا میں نہ ہو +

خیر۔ اس تمام طول طویل قصہ کا ملخص یہ ہے کہ عذرا ہمین کی طرف سے بہت متفکر تھی۔ سوائے شادی کے ہمین کی باقی ہر خواہش فوراً پوری کی

جاتی تھی۔ بلکہ پہلے سے مہیا ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ عبادت گاہ کی کسی تقریب
میں پھر اُسے نہیں بلایا گیا۔ اگرچہ ان کے نشانات اور طریق عبادت کو نظر
انداز کر کے عزرا کے دار التعلیم کا مذہب بنفسہٖ کچھ بُرا نہ تھا۔ یہ دراصل مصری
دیوتا اوسیرس اور دیوی آئیسس کی پرستش کے قدیم مذہب کا بقیہ تھا۔
جو درحقیقت وہیں سے میراث میں آیا تھا اور اس میں وسط ایشیا کا مسئلہ
تناسخ اور روحانی وجسمانی پاکیزگی کے ذریعہ سے قرب خدا حاصل ہونے
کے امکان کا عقیدہ بھی داخل ہو گیا تھا۔ یہ واقعہ تھا کہ کاہنہ اعظم اور
''خطاب الہی'' کی پرستش صرف ان کو خدائی کا نمائندہ سمجھ کر ہوتی تھی
اور دار التعلیم کی زبانی جدوجہد عملاً نیک کاموں پر منحصر تھی۔ یہ بھی سچ
ہے کہ بعض اوقات ان کے دلوں سے قانون کی مملکت چھن جانے پر
آہ کا دھواں ضرور اُٹھ جاتا تھا۔ ان کے لنگر خانے جاری تھے اور
جب موسم سرما میں بعض پہاڑی قبیلے سردی اور خشک سالی کے ہاتھوں
قحط سے فاقہ کشی کی حالت تک پہنچ جاتے تھے۔ تو یہاں سے فراخ دلی
کے ساتھ انہیں رسد تقسیم ہوتی تھی۔

ایئن کو عذرا کے پاس رہنے کا خبط تھا۔ اس لئے ہر شام کو اور دن
کے اکثر حصوں میں ہم اس کی صحبت میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ عذرا کو محسوس
ہوا کہ اس بے شغلی کا اثر ایئن کی صحت پر بُرا پڑ رہا ہے۔ کیونکہ سالہا سال
سے اسے موسم کے شدائد برداشت کرنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ جب یہ خیال
آیا تو اگرچہ عذرا ہمیشہ کسی حادثے کے پیش آجانے سے خائف رہتی تھی۔ اس
نے زور دیا کہ ایئن جنگلی بکریوں اور مرغابیوں کے شکار کو جایا کرے جو
پہاڑی وادیوں میں کثرت تھی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اُسے پہاڑی قبیلوں
کے سرداروں اور شکاریوں کے سپرد کر دیا گیا۔ اور اسی وجہ سے
ان سے اچھی طرح واقف ہو گیا۔ مگر اس شکار میں مجھے اس کے ساتھ جانے
بہت کم اتفاق ہوتا تھا۔ کیونکہ زیادہ حرکت سے میرے بازو میں اب

درد پیدا ہو جاتا تھا۔

ایک روز واقعی ایک حادثہ پیش آگیا۔ میں عذرا کے پاس باغیچہ میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ سر کو ہاتھ سے سہارا دئے عذرا خلا کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کی کھلی ہوئی مگر ساکن آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ خیالات کے طوفان اور تصورات کے ہیجان اس کے دماغ میں پیدا ہو رہے ہیں۔ اس کی ٹکٹکی پہاڑ کے برفانی دامن پر جمی ہوئی تھی۔ اس حالت میں اس کے حسن میں اور بھی چار چاند لگ گئے تھے۔ اور نگاہ اس کے عارض تاباں پر خیرہ ہوتی تھی۔ میں نے سوچا کہ اس کا حسن ہی جو اس کی ہزاروں خوبیوں میں سے ایک تھا اگر دنیا میں عام طور پر پیش ہو سکتا تو اس کے لئے ہزاروں مصیبتوں کا باعث بن جاتا۔ اسے دیکھنے والے دیوانے ہو جاتے۔ مرد آرزوئے وصل میں اور عورتیں رشک و حسد میں عقلیں گم کر بیٹھتیں۔

تاہم اس کس ادا میں یہ حسن فائق موجود تھا۔ اس میں شک نہیں کہ عذرا کا چہرہ اور جسم دونوں بے عیب تھے۔ مگر یہ بات اور بھی بہت سی عورتوں کو میسّر ہے۔ اس لئے صرف انہی دو چیزوں میں اس کا حسن پنہاں نہ تھا۔ بلکہ میرا خیال ہے کہ جب اس پر وہ کیفیت وارد ہوتی تھی۔ جسے میں "انسانی حالت" سے موسوم کرتا ہوں تو وہ پُر اسرار جھلک جو اس کے خدو خال پر نمایاں ہوتی تھی اور اس کی آنکھوں میں جمع ہو کر چمکتی تھی۔ اُس کے حُسن کا ایک جزو تھا۔ یہ شان بعض اوقات یونانی بتوں کے جسم اور چہرہ پر بھی دیکھنے میں آتی ہے مگر عذرا کے لئے یہ کیفیت مستقل تھی۔ اور اسی سے اس پر ایک روحانی حالت طاری رہتی تھی۔

میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ یکایک اس پر اضطراب کے آثار پیدا ہوئے اور اُس نے پہاڑ کے ایک موڑ کی طرف اشارہ کر کے کہا:-

"وہ دیکھو"

یہ موڑ میلوں کے فاصلے پر تھا۔ اور میں نے دیکھا تو سوائے برف کی سفید چادر کے مجھے کچھ دکھائی نہ دیا۔ عذرا نے چلّا کر کہا:۔

"تجھے دکھائی نہیں دیتا کہ میرا محبوب خطرے میں ہے۔ اوہ نہیں! مَیں بھول گئی۔ تجھے اتنی قوت بینائی حاصل نہیں ہے۔ میں تجھے یہ قوت دیتی ہوں۔ اب پھر دیکھ" یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ میری پیشانی پر رکھ دیا اور تیزی سے ایک جملہ کہا جسے میں نہیں سمجھ سکا۔ مجھے محسوس ہوُا کہ کوئی برقی رَو میرے دماغ میں اس کے ہاتھ سے داخل ہو رہی ہے۔

یکایک میری آنکھیں کھلیں۔ اور اس دور دراز پہاڑ پر نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے سامنے ہو ایں مجھے دکھائی دیا کہ این ایک پہاڑی چیتے سے گتھم گتھا ہو رہا ہے اور دونوں زمین پر لوٹ رہے ہیں۔ کبھی چیتا اوپر اور کبھی این اوپر۔ اور پہاڑی شکاریوں کا سردار ہاتھ میں نیزہ لئے چاروں طرف موقعہ کی تلاش میں پھر رہا ہے کہ نیزہ اس طرح چیتے کے مارے کہ این کے لگنے کا اندیشہ نہ ہو۔ عذرا میرے پاس بیٹھی خوف سے لرز رہی تھی۔ آخر اس کشتی کا خاتمہ ہو گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ این نے اپنا چاقو نکال لیا اور چیتے کے پہلو میں بھونک دیا۔ خون کا فوارہ چلا۔ چیتے کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور این سے الگ ہو کر گرا۔ دو تین دفعہ ہاتھ پاؤں مارے اور خون آلود برف میں تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

این ہنستا ہوُا اُٹھا۔ اور اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کی طرف اشارہ کیا اتنے میں ایک شکاری نے اپنے لبادے میں سے پٹیاں پھاڑ کر اس کے ہاتھوں اور گھٹنوں کے زخموں پر باندھیں۔

یکایک یہ نظارہ ختم ہوُا اور میں نے محسوس کیا کہ عذرا معمولی عورت کی طرح خوف سے میرے شانے سے چمٹ گئی۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ ہانپ رہی تھی۔ آخر اس نے کہا "یہ خطرہ بھی گذر گیا۔ مگر الٰہی! ابھی اور

کتنے باقی ہیں؟ آہ! میرا دل پھٹا جاتا ہے۔ آخر کب تک برداشت کرے گا؟"

اس کے بعض شکاریوں اور ان کے سردار کے خلاف اس کا غصہ بھڑکا اور اس نے پالکی اور مرہم وغیرہ دیکھ کر کچھ آدمی فوراً روانہ کیے اور حکم دیا کہ ایبن کو پالکی میں بٹھا کر شکاریوں اور ان کے سردار کو ساتھ لے کر فوراً واپس آؤ اور مجھ سے کہا:۔

"حنیف! تو نے دیکھا میرے دن کس سختی اور تلخکامی میں گزرتے ہیں۔ اور اس طویل مدت انتظار میں گزرے ہیں۔ مگر وہ ذلیل شکاری میرے اس اضطراب کی قیمت ادا کرینگے؟"

میں نے چاہا کہ اسے تسلی دوں مگر اس نے میری ایک نہ سنی۔

چار گھنٹہ کے بعد ایبن واپس آیا۔ خود بپیدل لنگڑاتا آ رہا تھا اور پالکی میں اس کی جگہ ایک پہاڑی بھیڑ لدی ہوئی تھی اور چیتے کی کھال رکھی ہوئی تھی۔ جو اس نے شکاریوں کو بار کشی سے بچانے کے لئے رکھ دی تھی۔ عذرا اپنے مسکن کے بڑے کمرے میں اس کی منتظر تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اس کے پاس پہنچ گئی اور مضطربانہ سوالات اور بے احتیاطی کے الزاموں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ وہ تھوڑی دیر تک سنتا رہا پھر کہا۔

"عذرا! تجھے اس معاملہ کی کس طرح خبر ہو گئی؟ چیتے کی کھال تو ابھی تیرے سامنے بھی نہیں لائی گئی؟"

عذرا "مجھے اس طرح خبر ہو گئی کہ میں نے بچشم خود دیکھا۔ تیرے گھٹنے کے اوپر سب سے زیادہ زخم آیا ہے۔ تو نے اس پر وہ مرہم بھی لگا لیا ہے یا نہیں؟ جو میں نے تجھے بھیجا تھا؟"

ایبن "نہیں۔ مگر تو اس عبادت گاہ سے باہر نہیں گئی۔ تو نے دیکھا کس طرح کیا اس میں بھی تیرے جادو کا دخل ہے؟"

عذرا "جادو ہی سمجھ لو۔ غرض یہ ہے کہ میں نے دیکھ لیا اور حنیف نے بھی تجھے چیتے کے ساتھ کشتی کرتے دیکھا۔ جبکہ وہ ذلیل کتے ارد گرد

اس طرح بھاگے پھر رہے تھے جیسے ڈرے ہوئے بچے ؟
امین ''میں ان افسوں گریوں سے تنگ آگیا ہوں۔ کیا یہاں انسان کو ایک گھنٹہ کے لئے بھی اکیلا رہنے کی اجازت نہیں۔ چاہے وہ چیتے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ اور ان بہادر شکاریوں ـــــ ''

اس وقت معدن اندر آیا اور جُھک کر عذرا کے کان میں کچھ کہا۔ عذرا نے اس کی بات سُن کر پھر امین کی طرف توجہ کی اور تلخ لہجہ میں کہا:۔
'' اور ان '' بہادر شکاریوں '' سے میں خود سمجھوں گی ''۔ یہ سُن کر اُس نے چہرے پہ نقاب ڈال لیا۔ کیونکہ وہ پہاڑی لوگوں کے سامنے کبھی بے نقاب نہ ہوتی تھی۔ اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ امین نے پوچھا۔
''حنیف! وہ کہاں گئی ہے۔ کیا کوئی عبادت گاہ میں مراسم کی ادائیگی درپیش تھی؟''
میں ''مجھے معلوم نہیں۔ البتہ اگر کوئی مراسم ہونگے تو شاید اس پہاڑی قبیلہ کے سردار کی تجہیز و تکفین کے مراسم ہونگے!''
امین ''اے! یہ بات ہے؟'' اور یہ کہہ کر وہ بھی اس کے پیچھے روانہ ہو گیا۔

دو لمحہ کے بعد مجھے بھی خیال آیا کہ میرا جانا بھی ضروری ہے۔ عبادت گاہ میں عجیب سماں نظر آیا۔ عذرا بُت کے سامنے بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے خوف سے کانپتا ہوا قبیلہ کا سردار اور اس کے پانچ ہمراہی دو زانو کھڑے تھے ان کے ہاتھوں میں اب تک نیزے موجود تھے۔ قریب ہی سینے پر دونو بازو حمائل کئے امین کھڑا تھا۔ چہرے پر غم و غصّہ کے آثار تھے۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ پہلے ہی دخل دے چکا تھا مگر بولنے سے روک دیا گیا تھا اور اب خاموشی سے کھڑا سُن رہا تھا۔ پیچھے کی طرف کچھ فاصلے پر بارہ چودہ آدمی دارالتعلیم کے محافظ دستے کی صف باندھے مسلح کھڑے تھے۔ یہ لوگ طاقت اور جسامت کے لحاظ سے سب میں سربرآوردہ تھے۔

عذرا اپنی شیریں آواز میں شکاریوں سے سوال کر رہی تھی۔ کہ اُس چیتے نے کس طرح امین پر حملہ کیا۔ جس کی کھال اس کے سامنے رکھی تھی +
سردارِ قبیلہ نے جواب دیا کہ " ہم اس کی تلاش میں اس کے نقش قدم پر دو چٹانوں کے درمیانی غار تک پہنچے + ہم میں سے ایک نے جا کر اُسے زخمی کیا۔ جس کے ساتھ ہی اُس نے اس پر حملہ کیا اور اُسے گرا دیا۔ پھر " سردار امین " نے اسے سنبھالا اور وہ آدمی بچ گیا۔ مگر یہ بھی گرے اور دونوں میں کشتی ہونے لگی۔ آخر کار " سردار امین " نے اس کے سینے میں چاقو مارا اور ہلاک کر دیا۔ بس یہ تمام ماجرا ہے "
عذرا " نہیں یہ تمام ماجرا نہیں ہے۔ بزدلو! تم بھول گئے کہ تم نے اپنی جان بچا لی اور میرے سردار کو اس جانور کی غضب ناک گرفت میں چھوڑ دیا۔ بہت اچھا! دیکھو انہیں کھلے پہاڑ پر نکال دو۔ اور انہیں درندوں کے ہاتھ مرنے دو۔ اور اعلان کر دو کہ جو کوئی انہیں کھانے پینے کو دے گا۔ اُس کی سزا موت ہوگی "
سردارِ قبیلہ اور اُس کے ہمراہی بغیر التجائے رحم کئے ہوئے اُٹھے۔ جھک کر سلام کیا اور جانے کے لئے لوٹے۔ مگر امین نے کہا:۔
" ساتھیو! ذرا ٹھہرو۔ سردار میرا ہاتھ تھامو کیونکہ گھٹنے کا زخم اکڑ گیا ہے۔ میں تیزی سے نہیں چل سکتا۔ ہم اکٹھے ہی اس شکار کو پورا کریں گے "
عذرا۔ (گھبرا کر) " امین کیا کرتا ہے؟ پاگل تو نہیں ہو گیا؟"
امین " میں نہیں جانتا کہ میں پاگل ہوں یا کیا۔ مگر اتنا ضرور جانتا ہوں۔ کہ تو بے انصاف اور بے حمیت ہے۔ دیکھ تو سہی۔ ان شکاریوں سے زیادہ بہادر آج تک دنیا میں کوئی آدمی پیدا نہیں ہوا۔ اس شخص نے (اور اس نے اس کی طرف اشارہ کیا جسے چیتے نے پہلے گرایا تھا) میری جگہ لی اور پہلے جا کر چیتے پر حملہ کیا۔ کیونکہ میں نے کہا تھا۔ کہ ہم چیتے پر حملہ کریں گے۔ اور بچارا

اس کی جھپٹ میں آگیا۔ تو ہر چیز دیکھ سکتی ہے۔ تو نے یہ بھی ضرور دیکھا ہوگا پھر چیتے نے مجھ پر حملہ کیا اور یہ باقی میرے ہمراہی ارد گرد گھومتے رہے۔ تاکہ انہیں وار کرنے کا موقعہ مل جائے۔ کیونکہ اس طرح وار کرنا مشکل تھا۔ کہ ساتھ ہی مَیں بھی نہ مارا جاؤں۔ کیونکہ یہ چیتا اور میں برف پر ایک دوسرے کے ساتھ اوپر نیچے لوٹ رہے تھے۔ اس حالت میں بھی ایک نے خالی ہاتھ سے چیتے کو پکڑنا چاہا۔ اس کے بازو پہ دانتوں کے زخم دیکھ۔ اس لئے اگر انہیں پہاڑ پر فاقوں مرنے کی سزا دی گئی ہے تو میں بھی جس کے کہنے سے یہ سب بات ہوئی ان کے ساتھ جلا وطن ہونگا اور اُن کے ساتھ مرونگا"

اس وقت جبکہ غریب شکاری شکریہ اور حیرت کی نگاہوں سے امین کی طرف دیکھ رہے تھے۔ عذرا نے کچھ دیر تک توقف کیا پھر چالاکی سے کہا:۔

"سچ یہ ہے کہ امین! اگر مجھے سب قصہ معلوم ہوتا تو تیری بے رحمی اور بے انصافی کا الزام صحیح ہوتا۔ مجھے صرف اس قدر ہی معلوم تھا جس قدر میں نے دیکھا اور پھر میں نے ان کے قول پر انہیں سزا کا حکم سنا دیا۔ میرے خادمو! سردار امین نے تمہاری سفارش کی ہے۔ اس لئے میں تمہیں معاف کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ جس نے اوّل چیتے پر حملہ کیا تھا اور جس نے پھر اسے پکڑنے کی کوشش کی تھی دونو کو انعام ملے گا اور ترقی دی جائیگی مگر ساتھ تمہیں تنبیہ کئے دیتی ہوں کہ اگر پھر تم نے سردار امین کو ایسی مصیبت میں پھنسا دیا تو اس آسانی سے مخلصی نہیں پا سکو گے"

انھوں نے پھر جھک کر اظہار اطاعت کیا اور اپنی نگاہوں سے امین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ پہاڑ پہ ہانک دئے جانے کی سزا ان لوگوں کے نزدیک بدترین سزا تھی۔ اور خونیوں اور سنگین مجرموں کو صرف عزرا کے حکم سے دی جا سکتی تھی۔

جب ہم عبادت گاہ سے نکل کر پھر بڑے کمرے میں پہنچے تو میں نے

دیکھا کہ امین کے صبر کا پیمانہ جو لبریز تھا چھلکنے والا ہے۔ عذرا نے پھر اس کے زخموں کے متعلق سوالات شروع کئے۔ اور چاہا کہ معدن کو جو خواص الادویہ کا ماہر سمجھا جاتا تھا بلایا جائے۔ تو امین نے انکار کر دیا۔ پھر عذرا نے خود ان کی مرہم پٹی کرنی چاہی تو اس نے غصہ کے لہجے میں کہا کہ "میرے زخموں کو چھوڑ دو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ کیا میں گود کا بچہ ہوں؟" اس پر مجھے ہنسی آ گئی۔ مگر امین نے عذرا کو جھڑکنا شروع کیا اور پوچھا:۔

"تیرا ان باتوں سے مدعا کیا ہے؟ اول یہ کہ جادو کے زور سے تو نے میری جاسوسی کی مجھے یہ جادو شروع سے برا معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے تو ان بہادر شکاریوں کو اتنی سی شہادت پر۔ بلکہ غصہ میں آ کر بغیر کسی شہادت کے ایسی شیطانی ظلم کی موت کا حکم دیا۔ تیسرے یہ کہ مجھے اس طرح اُن کے سپرد کر رکھا ہے گویا میں بچہ ہوں اور اگر مجھے کوئی گزند پہنچا تو ان بچاروں کو جواب دہ ہونا پڑے گا۔ میں نے تو اپنی زندگی میں بڑے درندوں کو شکار کیا ہے۔ اور بہت سی صعوباتِ روزگار برداشت کی ہیں۔"

اس طرح امین نے اپنے الفاظ سے اُسے مجروح کرنا شروع کیا۔ مگر حیرت ہے کہ عذرا۔ انسان سے بالاتر ہستی۔ خاموشی سے سنتی رہی۔ لیکن اگر امین کے سوا دوسرا ذرا درشت کلامی سے بھی مخاطب ہوتا تو یقین ہے کہ اس کے الفاظ اور اس کی زندگی کا فوری اور ایک ساتھ خاتمہ ہو جاتا کیونکہ میں جانتا تھا کہ پہلے کی طرح اب بھی عذرا میں صرف قوت ارادی کے زور سے انسان کو فنا کرنے کی طاقت موجود تھی۔ مگر اس نے نہ بولنے کا ارادہ کیا نہ جواب میں کچھ کہا۔ بلکہ جیسے کوئی اور عورت جو دل دے چکی ہو کرتی۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ اس کی خوبصورت بڑی بڑی آنکھوں میں آنسوؤں کے بڑے بڑے قطرے پیدا ہوئے۔ اور چونکہ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ یہ قطرے بارش کے موٹے موٹے قطروں کی طرح مرمر کے فرش پر گرنے لگے۔

اس کے دل کی بشری کیفیت کو دیکھ کر اہین کا غصہ فرو ہو گیا۔ اور اب اس نے منت سماجت کر کے عاجزی سے معافی مانگنی شروع کی عذرا نے معافی کے نشان کے طور پر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور کہا :۔

" دوسرے جس طرح چاہیں مجھ سے گفتگو کریں۔ (کاش میں اسے آزما کر دیکھتا !) مگر اہین! تیرے درشت لفظوں کی مجھے برداشت نہیں۔ آہ! تو ظالم ہے۔ بیرحم ہے۔ میں نے کیا خطا کی تھی؟ میرا کیا چارہ ہے جب میری روح ہر وقت تیری نگران رہتی ہو۔ تجھے چاہے علم نہ ہو مگر جب سے ہم اس کور کی غاروں میں جدا ہوئے ہیں۔ میری روح تیری محافظ اور نگران رہی ہے۔ کیا یہ میرے بس کی بات ہے کہ جب میری روح تجھے کسی خطرے میں دیکھتی ہے جس میں شریک نہیں ہوسکتی تو میرے دل کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں؟ چند نیم وحشی شکاریوں کی جان تیری ذات پر کسی آنچ کے آنے کے مقابلے میں کیا وقعت رکھتی ہے۔ جبکہ مجھے علم ہے کہ اگر میں انہیں مار ڈالوں تو دوسرے تیری زیادہ خبر گیری کرینگے۔ اور اگر نہ ماروں تو ممکن ہے کہ وہ یا اُن کے دوسرے ساتھی تجھے کسی ایسے خوف ناک خطرے میں ڈال دیں جس سے تیری ——— تیری . . . . موت آجائے "!

آخری لفظ کہتے ہوئے اس کی زبان رکی اور زور سے سِسکی لی۔ اہین نے کہا :۔

" میری جان! سن۔ ان لوگوں میں ذلیل سے ذلیل آدمی کو اپنی جان ایسی ہی پیاری ہے جیسی مجھے اپنی ہے۔ اور تجھے ان کے قتل کرنے کا اسی طرح حق نہیں ہے جس طرح مجھے۔ یہ عیب ہے کہ چونکہ تجھے مجھ سے محبت ہے تو میرا عشق تجھے ظلم و جور پر مجبور کرے۔ اگر تجھے میری جان کا خطرہ ہے تو مجھے اپنی غیر فانیت میں ملبوس کرلے۔ جس سے مجھے خوف آتا ہے۔ کیونکہ میں اسے ناپاک چیز خیال کرتا ہوں۔ اور اس

زمین پر میرے مذہب کی اجازت نہیں کہ اس کے حصول کی تمنا کروں تاہم تیری محبت کی خاطر مجھے یہ بھی منظور ہے۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ پھر ہم میں کبھی جدائی نہ ہوگی۔ یا اگر جیسا کہ تو نے کہا ہے ابھی یہ تیرے امکان میں نہیں۔ تو آ۔ ہم دونو شادی کریں اور پھر دیکھیں تقدیر کیا دکھاتی ہے۔ موت سب کے لئے ہے۔ کلام پاک میں ارشاد ہے۔ کہ کُل نفسٍ ذائقۃ الموت۔ مگر اس صورت میں اگر میں مر گیا تو مجھے یہ اطمینان ہوگا۔ کہ چند لمحے میں نے تیرے ساتھ خوشی کے گذار لئے۔ چاہے چند ہی لمحے ہوں"

عذرا۔ (بے تابی سے ہاتھ ہلا کر) "کاش مجھے اس کی جرأت ہوتی! ایمن خدا کے لئے زیادہ تقاضہ نہ کر کہیں ایسا نہ ہو کہ میں استقلال کو ہاتھ سے کھو دوں اور تجھے خوفناک قعر نامعلوم میں لے جاؤں + ایمن! کیا تو نے کبھی پھونک دینے والے عشق کا نام نہیں سنا۔ یا ایسا جام عشرت نہیں دیکھا جو بظاہر تریاق نظر آتا ہو۔ مگر تاثیر زہر کی رکھتا ہو؟"

یہ کہہ کر گویا اپنے کمزور دل سے ڈر کر عذرا نے رخ پھیرا اور وہاں سے بھاگ گئی +

اس طرح اس معاملے کا خاتمہ ہوگیا۔ اگرچہ یہ معاملہ بظاہر بہت اہم نہ تھا۔ کیونکہ ایمن کے زخم درحقیقت صرف معمولی خراش تھے اور شکاری بجائے قتل کئے جانے کے ترقی پا کر ایمن کے محافظ دستے میں داخل کر دئے گئے۔ مگر اس سے بہت سی باتوں کا پتہ لگ گیا۔ مثلاً جب کبھی عذرا چاہتی تھی فاصلے پر سے ایمن کی نقل و حرکت کو دیکھ سکتی تھی۔ بلکہ اپنی قوت بصیرت سے دوسروں کو بھی مشاہدہ کرا سکتی تھی۔ اگرچہ کسی خطرے میں اس کی امداد کرنے سے وہ قاصر رہتی تھی اور شاید یہی وجہ تھی کہ ہر وقت اس کے دل میں ایمن کی طرف سے بے انتہا خطرہ رہتا تھا +

ذرا غور کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر ہمیں اپنے پیارے عزیزوں کے متعلق ہر وقت یہ علم ہو کہ کس خطرہ۔ کس بیماری اور کس خفیہ مصیبت سے انہیں واسطہ پڑنے کو ہے یا پڑ رہا ہے۔ تو ہمارے دل کی کیا کیفیت ہو گی۔ ہم دیکھ رہے ہوں کہ چٹان گرنے کے لئے ہل رہی ہے اور وہ اس کے قریب پھر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں پانی کا کٹورہ پینے کو موجود ہو اور ہمیں خبر ہو کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے۔ وہ کسی جہاز پر سوار ہو رہے ہوں اور ہمیں معلوم ہو کہ یہ جہاز غرقاب ہو جائے گا۔ مگر ہم انہیں تنبیہ کرنے یا روکنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں۔ یقیناً بشری دماغ ان خطرات کے علم کی موجودگی میں سلامت نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ ہر لحظہ نئی نئی مصیبتوں کے تیر ہمارے چاروں طرف چلتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ کوئی ایک سینے میں پیوست ہو جاتا ہے اور فنا کا پیغام دیتا ہے۔

تو عذرا پر کیا گزری ہو گی جب وہ اپنی روحانی قوت سے ہمارے خطرناک سفر میں ہمیں بال بال بھر کے فرق سے موت کے پنجے سے بچتے ہوئے دیکھ رہی ہو گی۔ مثلاً جب اس نے این کو میرے گھر میں دیوانگی اور مایوسی کے عالم میں خودکشی پر آمادہ دیکھا۔ اور عظیم الشان جدوجہد اور غیر بشری قوت ارادی سے اس نے اپنی روح کو دنیا کے اس سرے سے اس سرے تک پہنچانے کی طاقت حاصل کی اور این کو خواب میں اپنے مسکن کا پتہ بتایا۔ جہاں وہ اسے پا سکتا تھا۔ یا ایک اور مثال لیجئے جب اس نے این کو بکرے کی کھال کے تسمے سے بندھے ہوئے برف کے تودے میں لٹکتا دیکھا اور خود اس کی معاونت سے عاجز تھی بلکہ وہ آئندہ ایک لمحہ کا حال بھی دریافت نہیں کر سکتی تھی۔ کہ آیا وہ اس خوفناک انجام سے بچ بھی سکے گا یا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ مر گیا تو اسے ایک اور طویل مدت تک محنت انتظار کھینچنی پڑے گی۔ جبکہ کسی زمانۂ مستقبل میں وہ از سرِ نو پیدا ہو۔ ان حالات میں اس پر کیا عالم

طاری ہوگا +

اس کے غموم وہموم کا ان مادی خطرات پر ہی خاتمہ نہیں ہوتا بلکہ ان سے زیادہ قوی اور شدید اور بھی خطرات ضرور اسے پریشان کرتے ہونگے مثلاً خیال کیجئے کہ اس کے دل میں کس قدر اضطراب پیدا ہوتا ہوگا۔ جب وہ دیکھتی ہوگی کہ ایبن مجروانہ زندگی بسر کر رہا ہے اور دنیا میں ہزاروں قسم کے اشغال موجود ہیں۔ بالخصوص اس کی رقیبہ شمسہ کی تحریص وترغیب جو خود بقول عذرا کسی زمانہ میں اس کی بیوی رہ چکی تھی۔ نیز غور کیجئے کہ اُسے یہ بھی خوف ہوگا کہ شاید امتداد زمانہ اور تغیرات بشری رفتہ رفتہ اس کی دانائی قوت اور حسن کو ایبن کے دل سے محو کر دیں۔ اور اس کے ساتھ ہی ایبن کی تمنائے وصال کو مٹا دیں۔ اور اس طرح وہ جس نے اتنی مدت انتظار کیا تھا۔ آخر کار بھولی بسری تنہا ہستی رہ جائیگی +

سچ یہ ہے کہ خدائے رحیم نے انسان پر رحم کر کے اس کی قوت مشاہدہ کو محدود پیدا کیا ہے ورنہ ہم دنیا کے حالات دیکھ دیکھ کر پاگل ہو جاتے اور مارے خوف کے ہماری نسلیں نیست و نابود ہو جاتیں +

اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ عذرا کی غم نصیب ہستی نے ابدی زندگی اور محبت کے حصول کی تمنا میں دراصل سخت مصیبت اپنی گردن پر لے رکھی تھی۔ اس نے جو حسن اور فوق البشری قوت کا خزانہ چرایا اس میں سے خوف وخطر کے سینکڑوں پھونک دینے والے شرارے نکل کر اس کے سینہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جانشین ہو گئے تھے۔ جن سے معمولی انسانوں کو صرف دور کی حرارت کبھی کبھی محسوس ہوا کرتی ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کو منظور یہی ہے کہ رنج و راحت کا پلڑا برابر رہے اس لئے اس کے زخمی سینے میں ابھی امید کی جھلک باقی تھی +



باب بستم

عذرا کی کیمیا گری

جہانِ فانی و باقی فدائے کیمیائے تو
کہ سلطانیِ عالم راطفیل عشق مے بینم

چیتے والے واقعہ کے کچھ دنوں بعد ہی عذرا کی اشکوں کا اظہار ہؤا۔ جب ہم شام کو عذرا کے ساتھ کھانا کھا کر فارغ ہوتے تھے تو عذرا کا قاعدہ تھا کہ وہ ہماری آئندہ آنے والی زبردست غیر فانی زندگی کے متعلق تجاویز سوچا کرتی تھی۔ اس عجیب و غریب زندگی کے متعلق جس کا اُس نے ہم سے وعدہ کیا تھا +

یہاں اگر پہلے میں نے کہیں ذکر نہیں کیا تو یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ عذرا نے مجھے مطلع کر دیا تھا کہ اگرچہ میں نے پہلے کسی زمانہ میں اس تحفہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تاہم اب وہ ضرور مجھے بھی حیات بخش بخارات میں نہلائے گی۔ اگرچہ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس غسل کے بعد میری صورت کیا ہیئت اختیار کرے گی +

میں دل میں سوچا کرتا تھا کہ اگر ایسا ہو گیا تو خدا کرے میری صورت اس حالت سے بہتر ہو جائے۔ کیونکہ موجودہ بدصورتی کی حالت کے ابدی قیام کا خیال کچھ دلفریب معلوم نہیں ہوتا تھا + سچ تو یہ ہے کہ میرے نزدیک یہ سب معاملہ ایک فسانہ معلوم ہوتا تھا۔ جیسا کہ کبھی الف لیلہ

میں پڑھنے کا اتفاق ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ میرا دل یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ کبھی مجھے ایسی غیر فانی زندگی حاصل ہو سکتی ہے اور نہ میری دلی تمنا تھی کہ ایسا ہو۔

عذرا کی مذکورہ بالا تجویزیں بہت ہی دور رس اور عالمگیر تھیں موجودہ زمانے کے حالات سیاست و تمدن سے اس کی واقفیت بہت ہی محدود تھی۔ کیونکہ اگرچہ اُسے اُن کے دریافت کرنے اور نشو و ارتقا کو ذہن نشین کرنے کی قوت حاصل تھی مگر وہ اس طرف توجہ ہی نہ کرتی تھی۔ عملاً اس کی معلومات صرف اسی قدر تھیں جو اسے کور کی غاروں میں ہماری گفتگوؤں سے حاصل ہوئی تھیں۔ اب اس کا شوقِ دریافت ختم ہوتے ہی ہیں نہ آتا تھا۔ اگرچہ ہماری معلومات بھی تازہ نہ تھیں کیونکہ پندرہ سال قبل ہم مہذب دنیا سے الگ ہو گئے تھے اور اس کے بعد سے ہمارے تعلقات موجودہ دنیا سے ایسے ہی منقطع تھے جیسے اس کے۔ تاہم اسے مختلف اقوام کی کیفیات اس قدر ضرور بتا سکتی تھیں جتنی ہم مہذب دنیا سے الگ ہوتے وقت دیکھ آئے تھے۔ اور ٹیڑھے بانکے نقشے بنا کر مختلف ممالک اور ان کے حدود کا نشان سمجھا سکتے تھے۔ ان نقشوں پر وہ بہت دیر تک غور و خوض کرتی تھی۔

چینی قوم سے اُسے سب سے زیادہ دلچسپی تھی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ منگولین نسل کے آدمیوں سے واقف تھی۔ اور ہماری طرح ان کی بہت سی زبانوں کو سمجھ سکتی تھی۔ ان دریافتوں میں اس کا ایک مقصد بھی پنہاں تھا۔ جو اس نے بالکل معمولی طریقہ سے ایک دن ہمیں بتا دیا۔

ناظرین میں سے جنہوں نے اس داستان کا پہلا حصہ پڑھا ہے جو میں اپنے ایک دوست کے پاس شائع کرنے کی غرض سے چھوڑ آیا تھا۔ انہیں یاد ہو گا کہ جب عذرا ہمیں کور میں ملی تھی تو اس نے مصر پر فتح کر کے حکومت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ جس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ہم وہاں کے باشندے

تھے۔ اب اس کی جدید حاصل کردہ قوتوں کے ساتھ اس کے تخیلات میں بھی بلندی پیدا ہو گئی تھی۔ کیونکہ اب اس نے اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ ایین کو تمام روئے زمین کا خود مختار بادشاہ بنانا چاہتی ہے۔ ایین نے بارہا یہ جتایا کہ یہ قطعاً ناممکن ہے اور اس کی ہرگز ایسی واہیات خواہش نہیں ہو سکتی۔ مگر بے سود۔ عذرا صرف اس کی باتوں پر ہنس دیتی تھی اور کہتی تھی:۔

"جب میں انسانوں میں پیدا ہو کر انسانوں سے زیادہ قوی ہوں۔ تو انسانوں پر حکومت کرنا ضروری ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ عذرا (یعنی میں) کسی انسان سے دوسرے درجہ پر رہے۔ البتہ ایین! تو میرا حاکم ہے۔ ذرا غور کر کہ میں محض تیری محکوم ہو سکتی ہوں۔ اس لئے یہ ظاہر ہے کہ تو تمام دنیا پر حکومت کریگا۔ ہاں بلکہ ممکن ہے کہ اس زمین کے علاوہ دوسری دنیاؤں پر بھی جو بظاہر نظر نہیں آتیں مگر مجھے ان کے متعلق بھی کچھ معلومات حاصل ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ میں ان تک پہنچ بھی سکتی ہوں۔ اگرچہ ابھی کبھی میں نے ایسا ارادہ نہیں کیا۔ میری اصلی زندگی ابھی شروع نہیں ہوئی۔ اس دنیا پر اس کا جو تھوڑا سا زمانہ گزرا ہے اس میں زیادہ تر حصہ تیرے خیال اور تیرے فکر میں گزر گیا ہے۔ یہاں تک کہ یہ انتظار کی گھڑیاں گزر گئیں تو پھر پیدا ہوا اور میرے پاس واپس آگیا۔

"مگر اب چند مہینے اور ہیں۔ تیاری کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اب ہمیں غیر فانی قوت حاصل ہو جائیگی۔ صدیوں کی عقل مل جائیگی۔ اور ایسی طاقت کے ہم مالک ہونگے جس کے آگے پہاڑ گھاس کی ایک پتی اور سمندر پانی کے ایک قطرے کے برابر وقعت رکھیں گے۔ پھر ہماری ہستی شروع ہوگی۔ آہ! میرے دل میں اس وقت کا کس قدر انتظار ہے۔ جب ہم ستاروں کی ایک جوڑی کی طرح دنیا والوں پر اپنے غیر فانی حسن کی جلوہ نمائی کریں گے اور وہ حیرت سے ہمیں دیکھیں گے۔ ایین میں کہتی ہوں کہ [illegible]

مسرت ہو گی۔ جب دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں۔ سلطنتیں اور حکومتیں اپنے بادشاہوں اور والیوں کے زیر سایہ ہمارے تخت کے سامنے زانوئے اطاعت نہ کریںگی۔ اور ہماری فرمانبرداری کو فخر سمجھیں گی۔ کم از کم اس وقت تک مجھے اس سے مسرت حاصل ہو گی جب تک کہ ہم کسی زیادہ بلند تر چیز کی جستجو میں مصروف نہ ہونگے۔"

یہ تقریر کرتے ہوئے اس کی پیشانی کا نور زیادہ درخشاں ہو کر پھیل گیا۔ اور اس کی آنکھیں اس سے روشنی حاصل کرکے اس تیزی سے چمکنے لگیں کہ مجھے اُن میں خاص قوت اور طاقت نظر آنے لگی۔ ابین نے افسردگی سے پوچھا:۔

"مگر عذرا! یہ سب کچھ کس طرح ہوگا؟"

عذرا "کس طرح؟ میرے ابین! یہ تو بالکل سہل ہے۔ کئی راتیں میں نے اپنے عقلمند حنیف کی دانائی کی باتیں سُنکر گذاری ہیں۔ کم از کم حنیف ان باتوں کو دانائی کی باتیں سمجھتا ہے۔ حالانکہ ابھی اسے دنیا کا کچھ بھی علم حاصل نہیں۔ میں نے اس کے نقشوں کو بھی غور سے دیکھا ہے۔ اور ان کا مقابلہ ان نقشوں سے کیا ہے جو میرے ذہن میں ہیں۔ کیونکہ عرصے سے مجھے ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر تفکر کی فرصت نہیں ملی۔ میں نے دنیا کی قوموں کے حالات پر بھی جو تم سے معلوم ہوئے ہیں غور کیا ہے۔ ان کی بہت سی حماقتوں پر۔ دولت اور چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے بدلے ان احمقانہ جدوجہد پر۔ خوب فکر کیا ہے اور میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اُن سب کو ملا کر ایک کر دوں۔ اور ہم دونوں ان پر حکومت کرتے ہوئے ان کی تقدیروں کا فیصلہ کیا کریں۔ جنگ بیماریوں اور مفلسی کا خاتمہ کر دیں تاکہ خدا کی یہ چند روز زندہ رہنے والی مخلوق از مہد تا لحد آرام اور عافیت کی زندگی بسر کر سکے۔"

"اگر میرے ابین تجھے کشت و خون سے اتنی نفرت نہ ہوتی خواہ

کیسی ہی مصلحت کی وجہ سے کیوں نہ ہو۔ یہ بہت ہی جلدی کیا جا سکتا تھا کیونکہ میں ایسے ہتھیار استعمال کر سکتی ہوں۔ جو آناً فاناً میں ان کی بحری اور برّی قوتوں کو نیست و نابود کر سکتے ہیں۔ ہاں۔ میں۔ جس کے اشارے پر برق و باراں اور فطرت کی پوشیدہ طاقتیں کام کر سکتی ہیں۔ مگر تو موت کے نام سے گھبراتا ہے۔ اور تیرا یقین ہے کہ "خدائے تعالےٰ" میرے اس دعوے سے ناخوش ہوگا کہ میں فطرت کی برگزیدہ قوت ہوں۔ خیر یونہی سہی۔ کیونکہ تیری رضا میری رضا ہے۔ اور ہم اس سے نرم تر طریقہ اختیار کرینگے"۔

میں نے حیرت سے پوچھا کہ "آخر وہ کونسی ترکیب ہے جس سے تو روئے زمین کے شہنشاہوں کو اپنے اپنے تاج و تخت حوالے کرنے پر مجبور کر سکتی ہے؟"

عذرا "ان کی رعیت کو ہم مجبور کر دینگے کہ وہ اپنی بادشاہتیں ہمیں دے دیں۔ حنیف! تیرا دل کس قدر تنگ ہے۔ اور تیرے خیالات کتنے پست ہیں۔ ذرا عقل کے دروازے کھول کر غور کر۔ جب ہم مخلوقات کے سامنے زبردست خوفناک طاقت کے لباس میں ملبوس۔ لازوال حسن اور غیر فانی زندگی کے تحائف سے لدے ہوئے چاروں طرف ان کی ضرورت کے مطابق سونا بکھیرتے ہوئے ظاہر ہونگے تو کیا وہ نہیں پکار اٹھیں گے کہ "تم ہمارے بادشاہ ہو جاؤ اور ہم پر حکومت کرو"۔

میں "یہ ممکن ہے۔ مگر تمہارا کس جگہ ظاہر ہونے کا ارادہ ہے؟"

عذرا نے نصف کرۂ مشرقی کا نقشہ جو میں نے بنایا تھا اٹھایا اور پیکن پر انگلی رکھ کر کہا:۔

"یہ ہے وہ جگہ جہاں ہم اوائل میں کچھ صدیاں گذاریں گے مثلاً تین یا پانچ یا سات بشرطیکہ اتنے طویل عرصہ کی ضرورت ان لوگوں کو اپنی مرضی کے موافق اور ہمارے مفید مطلب بنانے میں پیش آئے۔ میں نے

ان چینیوں کو اس لئے منتخب کیا ہے کہ تو نے مجھے بتایا ہے کہ کہ ان لوگوں
کی تعداد بے شمار ہے ۔ اور یہ کہ یہ لوگ بہادر، دقیقہ رس اور متحمل ہیں
اور اگرچہ اب حکومت کی خرابی کی وجہ سے بے بس ہیں ۔ تاہم اگر چاہیں
تو اپنی تعداد کے ذریعہ سے مغربی طاقتوں کو نیچا دکھا سکتے ہیں ۔ اس
لئے ہم اوّل ان میں حکومت کرینگے اور کچھ صدیوں تک وہاں آرام
سے رہیں گے تاکہ وہ ہم سے عقل حاصل کریں ۔ اور حقیقت تو ان کی افواج
کو ترتیب دے کر ناقابل شکست بنائے گا ۔ اور ان کی سرزمین میں اعلیٰ
حکومت دولت اور راحت کے ساتھ نیا مذہب بھی پھیلائے گا ۔

میں نے مذہب کے متعلق دریافت نہ کیا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ وہ
عربی النسل ہونے کی وجہ سے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام
کی دیوانی تھی ۔ اور شاید یہی اس کا مدعا تھا ۔ دوسرے یہ کہ عذرا کی گفتگو
نے میرے دماغ میں اس نئی قسم کی حکومت کے متعلق جب عذرا چین
میں نازل ہوگی طرح طرح کے خیالات کا ہیجان بپا کر رکھا تھا اور میں
باریک توضیحات کی طرف خیالات کو منتقل نہ کر سکا ۔ میں نے جو مغربی
طاقتوں کو خوب سمجھتا تھا کہا :۔

"اگر مغربی طاقتیں نیچا دیکھنے سے پہلے متحد ہو کر تجھ پہ حملہ کر دیں
تو کیا ہوگا ؟"

عذرا "میں نے پہلے ہی یہ بات سوچ رکھی ہے اور میں دعا کرتی ہوں
کہ خدا کرے ایسا ہی ہو ۔ کیونکہ اس صورت میں اگر میں نے اپنی طاقت
کا استعمال کیا تو تو مجھے الزام نہیں دے سکیگا ۔ آہ اس وقت مشرق جو
اب تک خواب خرگوش میں ہے جاگ اٹھے گا ۔ جائے گا اور جنگ کے
ایسے ایسے میدانوں اور خوفناک معرکوں کے بعد جن کی نظیر پیش
کرنے سے تاریخ قاصر رہے گی میرے درخشاں علم کو فتح پاتے دیکھیگا
تو دیکھیگا کہ جنگ کے بعد دنیا کے تخت شکست کھا کھا کر [illegible] جا گرتے ہیں

یہاں تک کہ میں تیرا تخت ان قوموں کی مٹی ہوئی عظمت پر بنا دوں گی اور تو
ایک نئی اور بدرجہا ترقی یافتہ دنیا کی بادشاہت کا مالک ہوگا۔"

ایمن کو اس نئی دنیا کے کشت و خون کے ذریعہ ترقی پانے کا خیال
کچھ اچھا نہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ فطرتاً اسے شخصی حکومت سے نفرت تھی اور
اس کی طبیعت جمہوریت پسند واقع ہوئی تھی۔ اس لئے وہ اس پر بحث
کرتا رہا۔ مگر میں نے اور کوئی حصہ اس خیالی گفتگو میں نہیں لیا۔ عذرا کی
گفتگو صرف خیالی پلاؤ اور ہوائی قلعوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی
اور اس کی بلند پرواز تمنائیں کسی پاگل کے بادشاہی کے خبط سے بھی کچھ
بڑھی ہوئی تھیں۔ مگر اس کا کیا علاج کہ میرے دل میں اس کے متعلق ذرہ
برابر بھی شبہ نہیں تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے اسے کر بھی سکتی ہے۔ اور یقیناً
کسی حیرت انگیز نتیجہ پر پہنچ سکتی ہے۔ شبہ کی بات بھی کیا تھی۔ موت اسے
چھو تک نہ سکتی تھی۔ وہ موت پر قابو پا چکی تھی۔ اس کا حسن جس کے
متعلق اس نے ایک دفعہ تشبیہاً کہا تھا کہ اس کی نگاہوں میں دیوانگی
کی شراب بھری ہوئی ہے اور اس کی غیر محدود قوت ارادی کروڑوں
انسانوں کو اس کا مطیع و منقاد بنا سکتی تھی۔ اس کی بے مثال عقل نئے
آلات حرب ایجاد کر سکتی تھی۔ جن کا مقابلہ اعلےٰ تربیت یافتہ افواج کے
لئے بھی دوبھر ہو سکتا تھا۔ بلاشبہ وہ جو کچھ کہتی تھی کر سکتی تھی۔ اور جیسا
کہ میں یقین رکھتا تھا یہ ثابت ہوگیا کہ فطرت کی قوتیں اس کی محکوم تھیں شاید
وہ طاقت جو برق میں چھپی ہوئی ہے نتیجہ یہ تھا کہ تمام دنیا اس کے سامنے
تنکا سی حیثیت رکھتی تھی۔

باایں ہمہ عذرا میں نسائیت موجود تھی اور اس کی دنیاوی تمنائیں
اسے چین نہ لینے دیتی تھیں۔ اس کی غیر انسانی طاقتوں کے متعلق سب سے
زیادہ خطرناک یہ واقعہ تھا کہ خدا یا انسان کے کسی خیال سے ان پر کسی
قسم کی مجبوری عائد نہ تھی۔ ہم تصور کر سکتے تھے کہ وہ ایک فرشتہ تھی۔

اپنی اصلی جگہ سے گر گئی تھی اور شمسہ اور ساحرہ سمیری کے قول کے موجب یہ
دنیا اس کی اصلی جگہ نہ تھی۔ صرف دو چیزیں ایسی دریافت ہوئیں جو اس
پر اپنا اثر ڈال سکتی تھیں۔ اول تو اس کا عشق ایمن کے ساتھ اور دوسرے
بہت تھوڑی حد تک اس کا دوستانہ تعلق میرے ساتھ۔
تاہم اس کا ایک انسان کے لئے ایسا عشق جس کی شدت اور زیادتی
ناقابل بیان ہے۔ اس کے لئے جادو کا اثر رکھتا تھا۔ جب عذرا کے سر
پر عالمگیر حکومت اور غیر فانی ہونے کا نشہ سوار ہوتا تھا تو بھی اس کا دل
اس انسانی عشق کے طفیل فانی ہی رہتا تھا۔ اسی کا واسطہ دے کر اُسے
بچہ سے زیادہ بے ضرر بنایا جا سکتا تھا حالانکہ اس کے بغیر وہ تمام عالم
کو درہم برہم کر سکتی تھی۔
یہ تمام خیالات صحیح تھے۔

. . . .

میں ان خیالات میں منہمک تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ عذرا میرے
خیالات کو پڑھنے کی عبث کوشش نہیں کرے گی۔ کہ میں نے معدن
کو اس کے سامنے سجدہ کرتے دیکھا۔ عذرا جب ایمن کے پاس ہوتی
تھی تو کسی کا دخل در معقولات ہونا اسے بہت ہی ناپسند تھا اس لئے اُس
نے تیزی سے پوچھا:۔
"راہب! تجھے کیا کام ہے؟"
معدن "عذرا! مخبر واپس آ گئے ہیں۔"
عذرا "تو نے مخبر کس غرض سے بھیجے تھے۔ مجھے تیرے مخبروں کی
کیا ضرورت ہے؟"
معدن "مادر عذرا! تو نے مجھے حکم دیا تھا۔"
عذرا "اچھا وہ کیا کہتے ہیں؟"
معدن "عذرا۔ ان کی اطلاع بہت ضروری ہے۔ قانون کے باشندے

خشک سالی کی وجہ سے سخت مضطرب ہیں۔ ان کی کھیتیاں جل چکی ہیں اور قحط یقینی ہے۔ اس کا سبب ان مسافروں کی آمد کو قرار دیتے ہیں۔ جو فرار ہو کر تیرے پاس آ گئے ہیں۔ خانم شمسہ بھی تیرے اور ہمارے دارالتعلیم کے خلاف آگ بگولا ہو رہی ہے۔ دن رات کی محنت سے اس نے دو لشکر جمع کئے ہیں۔ ایک چالیس ہزار کا اور ایک بیس ہزار جوانوں کا۔ موخرالذکر کو اس نے اپنے ماموں سمیری کی کمان میں پہاڑ والوں کے خلاف روانہ کر دیا۔ اگر یہ لشکر شکست کھا گیا تو باقی لشکر کو لئے ہوئے وہ قاوون کے متصل میدانوں میں منتظر رہیگی"

عذرا نے حقارت آمیز ہنسی سے کہا" واقعی ضروری خبر ہے۔ کیا اس عورت کی نفرت نے اسے یہاں تک مجنون بنا دیا ہے کہ وہ میری طاقت سے مقابلہ کرنا چاہتی ہے۔ حنیف! ابھی ابھی تیرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ میں دیوانی ہو گئی ہوں جو ایسے ایسے منصوبے سوچ رہی ہوں جن کے سرانجام کی طاقت مجھ میں نہیں ہے۔ خیر چھ دن کے اندر اندر تجھے معلوم ہو جائیگا۔ اور یقیناً معلوم ہو جائیگا خواہ نتیجہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اور تماشا کیسا ہی چھوٹا سا ہو مگر آئندہ ہمیشہ کے لئے تجھے یقین ہو جائیگا۔ ٹھہرو! میں دیکھتی ہوں اگرچہ دیکھنے کی محنت سے میں تھک جاتی ہوں۔ کہ کہیں یہ مخبر اپنے غلط حواس کا یا شمسہ کی دروغ بیانیوں کا شکار تو نہیں ہے"

پھر یکایک جیسا کہ اس حالت میں عذرا کا قاعدہ تھا۔ اس کی نگاہیں خلا کی طرف اٹھیں۔ یہ حالت یا توسل انگاری کی وجہ سے جیسا کہ اس نے بیان کیا تھا۔ کہ اس سے وہ تھک جاتی تھی۔ بہت کم طاری ہوتی تھی۔ اس کا خوبصورت چہرہ سفید ہو گیا۔ اس کی پیشانی کا نور مدھم پڑ گیا۔ اور اس کی بڑی بڑی پتلیاں سکڑ کر مجتمع ہو گئیں۔

کچھ دیر کے بعد۔ تقریباً پانچ منٹ گزرے ہونگے کہ اس نے گہر

سانس کھینچا۔ جیسے کوئی سوتے ہوئے آنکھ کھلنے پر لیتا ہے۔ اور اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا۔ پھر اس کی اصلی حالت عود کر آئی۔ مگر معلوم ہوتا کہ تھکی ہوئی ہے۔ آخر اس نے کہا:-

"خبر بالکل سچ ہے۔ اور جلدی ہی مجھے بھی میدان عمل میں کودنا پڑیگا۔ کہیں میرے آدمی زیادہ مارے نہ جائیں۔ میرے سردار! کیا تو بھی جنگ دیکھنا چاہتا ہے؟ نہیں! تو یہیں حفاظت میں رہیگا جبکہ میں آگے جاؤنگی۔ اور جیسا کہ میں نے وعدہ کیا تھا۔ شمسہ سے ملونگی"

ایمن کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس نے غصے کے لہجے میں کہا "واہ! اس کے کیا معنے؟ عذرا جہاں تو جائیگی وہیں میں بھی جاؤنگا"

عذرا "خدا کے لئے نہ! میں التجا کرتی ہوں کہ تو یہ ارادہ چھوڑ دے۔ . . . ہم اس کے متعلق پھر بحث کرینگے۔ معدن! جا اور پہاڑ کے تمام سرداروں کے پاس آگ بھیجدے۔ آج سے تین دن کے بعد دوپہر شروع ہوتے ہی تمام قبیلے جمع ہو جائیں۔ نہیں سب نہیں بلکہ صرف بیس ہزار آدمی کافی ہونگے۔ باقی سب لوگ پہاڑ اور دار التعلیم کی حفاظت کے لئے یہیں رہیں گے۔ ان سب کو ہدایت کر دے کہ ہر شخص پندرہ دن کی خوراک ساتھ لے آئے۔ اگلی صبح میں انہیں مل جاؤنگی۔ جا"

معدن نے مجرا کیا اور رخصت ہو گیا۔ عذرا نے اس خیال کو چھوڑ کر مجھ سے پھر چین اور چین والوں کے متعلق سوالات شروع کر دئے۔

اگلی رات کو پھر اسی قسم کی گفتگو کے دوران میں جس کی تفصیل مجھے یاد نہیں رہی۔ ایمن کے ایک سوال پر عذرا کی ایک عجیب و غریب طاقت کا راز آشکارا ہو گیا۔ ایمن عذرا کی فتوحات کے دعووں پر غور کر رہا تھا۔ اور ہر ممکن طریق سے ان کے بطلان کی کوشش میں تھا کیونکہ یہ دعوے اس کے مذہبی۔ مدنی اور سیاسی خیالات کے بالکل مخالف تھے۔ آخر اس نے یکایک کہا کہ آخر کار ان ارادوں اور کارروائیوں کا ایک نہ ایک

دن خاتمہ ہو جائیگا۔ کیونکہ ان کی تکمیل کے لئے انہیں ایسی ایسی وہمی رقمیں خرچ
کرنی پڑیں گی کہ ان کے حصول کے لئے عذرا کو بھی کوئی طریقہ مروجب
محصولوں کی وصولی کے طریقہ پر سمجھ میں نہیں آسکیگا۔ عذرا نے اس کی طرف
دیکھا اور ہنسکر کہا:۔

"تجھے تو بالیقین اور حنیف کی نظر میں بھی شاید میری ہستی کسی واہمہ
پرست لڑکی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ جس کا کام ہر وقت ہوائی قلعے
تیار کرنا اور محلوں کے خواب دیکھنا ہو۔ یہی بات ہے تو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ
میں ایکی عورت ذات دنیا بھر سے جنگ کرنے کے منصوبے گانٹھ رہی ہوں
اور اس کے لئے کوئی تیاری اپنے پاس نہیں رکھتی۔ تمہیں یاد ہے جب ہم نے
پہلے اس معاملہ پر گفتگو کی ہے۔ میں نے اُس وقت سے آج تک تمام ممکن پیش
آنے والے واقعات پر غور کیا ہے۔ اور اب تمہیں علم ہو جانا چاہیئے کہ میں
بغیر کسی محصول کے ——— جس کی وجہ سے ہماری رعایا ہم سے اور بھی زیادہ
مانوس ہو جائیگی ——— ملکۂ عالم کا خزانہ پُر رکھونگی"۔

"این! تجھے یاد ہے کہ کور کی غاروں میں کس طرح صرف ایک شغل سے
میں اپنی لامتناہی زندگی کے دنوں میں حظ اٹھایا کرتی تھی۔ وہ یہ تھا کہ میں
اپنی ماں "فطرت"، کو مجبور کیا کرتی تھی کہ ایک ایک کرکے وہ تمام اسرار میرے
سامنے کھول دے۔ میں عالم موجودات کی ہر چیز کی ماہیئت سے کما حقہ
واقفیت رکھتی ہوں۔ اور ان طاقتوں سے واقف ہوں جو ان کو پیدا کرتی
ہیں۔ اب تم دو تو میرے ساتھ آؤ۔ تمہیں وہ شے دکھاؤں جسے آج تک فانی
انسان کی آنکھ نے نہیں دیکھا ہے"

میں نے عذرا کی کیمیا گری کا تصور کرکے پوچھا۔ "آخر وہ ہے کیا شے
جسے ہم دیکھیں گے؟"

عذرا "اس کا ابھی تجھے علم ہو جائیگا۔ اور اگر تیرا ارادہ ٹھہرنے کا ہو تو علم نہ
ہوگا۔ این میرے پیارے این! آؤ ہم چلیں اور اس عقلمند فلسفی کو پہلے

خیالی عقدے حل کرنے کے لئے چھوڑ جائیں "

یہ کہہ کر اس نے میری طرف پیٹھ پھیر لی اور امین کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے لگی + اس تبسم میں بلا کا اثر تھا۔ اگرچہ امین مجھ سے زیادہ عذرا کی نئی غیر معلوم قوت دیکھنے سے گھبراتا تھا مگر اس کے اثر سے اگر عذرا اس کو بھٹی میں کودنے پر آمادہ کرنا چاہتی تو کر لیتی +

چنانچہ وہ چل دئے میں بھی ساتھ ہو لیا۔ کیونکہ عذرا کے ساتھ جھوٹی غیوری اور ضد پر اڑنا بے سود تھا۔ علاوہ ازیں دل سے میں اس کی نئی قوت کا مشاہدہ کرنے کا مشتاق تھا۔ اور نہیں چاہتا تھا۔ کہ صرف امین کے بیان کو سُن کر ہی اکتفا کر لوں۔ اس کی قوت بیانیہ محدود سی ہی تھی +

وہ ہمیں ایسے راستوں سے لے گئی۔ جہاں سے ہم پہلے کبھی نہ گزرے تھے۔ اور ایک دروازے پر پہنچے۔ جسے کھولنے کو عذرا نے امین سے کہا + امین نے دروازہ کھولا۔ اندر غار میں سے تیز روشنی نمودار ہوئی + میں نے پہلی نظر میں بھانپ لیا کہ یہ عذرا کی کیمیائی تجربہ گاہ ہے۔ کیونکہ اس میں جابجا دھات کی صراحیاں اور طرح طرح کے اوزار موجود تھے۔ اس کے علاوہ اس میں ایک بھٹی بھی تھی۔ جو بحیثیت مجموعی نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ کیونکہ نہ اس میں ایندھن کی ضرورت تھی۔ نہ دھواں تھا۔ بلکہ ان روشنی کے میناروں کی طرح نیچے کے آتشیں بخارات اس کا منبع تھے +

جب ہم داخل ہوئے تو دو راہب وہاں کسی کام میں مصروف تھے۔ ایک تو ایک دیگ میں لوہے کی سلاخ سے کسی چیز کو آگ پر پکا رہا تھا۔ دوسرا اُس کی پگلی ہوئی سیال شے کو مٹی کے سانچے میں بھر رہا تھا + انہوں نے عذرا کے سلام کے لئے کام چھوڑ دیا۔ مگر عذرا نے کہا کہ کام جاری رکھو اور پوچھا کہ آیا سب کچھ ٹھیک ہے + انہوں نے جواب دیا " ہاں عذرا سب کچھ درست ہے " ہم اس غار سے گزر کر دروازوں اور راستوں میں سے ہوتے ہوئے ایک کوٹھڑی میں آئے جو چٹان کھود کر بنائی گئی تھی + اس

کوٹھڑی میں نہ کوئی چراغ تھا نہ آگ کا شعلہ تھا۔ مگر اس میں روشنی موجود تھی
جو سامنے کی دیوار سے چھن چھن کر پڑ رہی تھی۔ میں نے سکوت کو توڑنے
کی نیت سے سوال کیا کہ وہ راہب کیا کر رہے تھے۔
عذرا "فضول سوالات میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ ہے۔ خلیف
کیا تیرے ملک میں دھاتیں پگلائی نہیں جاتیں۔ ابھی تو پوچھیگا کہ میں کیا کر
رہی ہوں ـــــــ مگر بغیر دیکھے تجھے یقین نہیں آئیگا۔ اس لئے ابھی
تیرے شکوک دُور کئے دیتی ہوں۔"
پھر اس نے ہمیں دو پوشاکیں اور پہننے کو دیں۔ یہ پوشاکیں عجیب
تھیں۔ ان کی ساخت میں ایک حصہّ کپڑا اور ایک حصہّ لکڑی کا استعمال کیا
گیا۔ اور سر پر غوطہ خوروں کی ٹوپی کی شکل کا خود تھا۔
عذرا کے کہنے پر ایبن نے پہلے مجھے پوشاک پہنائی۔ پھر عذرا نے
ایبن کو پہنائی۔ مجھے اس خود میں سے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ میں نے
صرف آہٹ سے پہچانا کہ عذرا ایبن کو وہ پوشاک پہنا رہی ہے۔ تھوڑی
دیر میں پھر خاموشی ہوگئی۔ اس پوشاک نما تابوت میں میرا دم گھبرایا اور
مجھے اندیشہ ہوُا کہ کہیں دونوں مجھے اکیلا چھوڑ کر نہ چلدیں۔ اس لئے میں نے
چلاّ کر کہا "میرا تو اندھیرے سے دم گھٹا جاتا ہے۔"
اس پر مجھے عذرا کی تمسخر آمیز آواز سنائی دی "ہاں خلیف! ابے شک
اندھیرا ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ سے تیرے لئے ناواقفیت اور بے یقینی کا
اندھیرا رہتا ہے۔ اس لئے اب بھی میں پھر تجھے روشنی دکھاتی ہوں۔"
اس کی بات ختم ہوتے ہی مجھے کسی چیز کے لٹھکنے کی آواز آئی میرا خیال
ہے کہ وہ کوئی پتھر کا دروازہ تھا۔ اس کے کھلتے ہی دفعتاً روشنی ہوگئی
اس تیار شدہ لباس میں سے یہ روشنی گذر کر میری نگاہوں کو خیرہ کر رہی
تھی۔ اس روشنی میں میں نے دیکھا کہ سامنے کی دیوار کھل گئی تھی اور ہم
ایک اور کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے۔ اس کے پرلے کنارے

پر ایک پتھر کی چوکڑی سی بنی ہوئی تھی اور اس پر ایک بچے کی کھوپڑی کے برابر جسامت کی کوئی شے رکھی تھی۔ مگر اس کی صورت انسانی آنکھ کی طرح بیضوی بنی ہوئی تھی۔ اس آنکھ میں سے یہ ناقابل برداشت تیز روشنی نکل رہی تھی۔ اس مادے پر موٹا قیف نما غلاف کسی چیز کا چڑھا ہوا تھا جو بظاہر آتشی مٹی کا بنا ہوا تھا۔ مگر اس میں سے روشنی اس طرح نکل رہی تھی گویا یہ شیشے کا بنا ہوا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ جو شعاعیں قیف کی نلی میں سے مجتمع ہو کر اوپر کو جا رہی تھیں۔ وہ ایک دھات کے ٹکڑے پر جو مضبوط چھینکے میں لٹک رہا تھا۔ پڑ رہی تھیں۔

افوہ! کس غضب کی شعاعیں تھیں۔ اگر دنیا بھر کے تراشے ہوئے ہیرے ایک جگہ جمع کر کے کسی تیز روشنی کے نیچے رکھ دئے جائیں اور ان سے روشنی کا جو انعکاس ہو وہ جمع کیا جائے۔ تو وہ سب مل کر ان شعاعوں کے ہزارویں حصے کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا تھا ان کی تیزی سے میری آنکھیں جھپکی جاتی تھیں۔ اور میرے چہرے اور اعضا کی جلد جلی جاتی تھی۔ تاہم عذرا ان کے سامنے بالکل بغیر کسی آڑ کے کھڑی تھی۔ اس پر بس نہیں بلکہ عذرا آگے بڑھی۔ اور ان شعاعوں پر جھک گئی۔ شعاعیں اس کے جسم میں سے پار گذر گئیں۔ اور اس کا جسم پگھلے ہوئے لوہے کی طرح شفاف نظر آنے لگا۔ جس میں ہڈیاں الگ دکھائی دیتی تھیں۔ اس نے جھک کر اس لٹکتی ہوئی دھات کا معائنہ کیا اور کہا:۔

"یہ تو بالکل تیار ہے۔ مجھے اس قدر جلد توقع نہ تھی۔" یہ کہکر اس نے وہ دھات کا ٹکڑا دونو ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ اور ہنستی ہوئی ہمارے قریب آکر کہنے لگی:۔

اے تعلیم یافتہ حنیف! ذرا مجھے بتا تو سہی۔ کیا تو نے کبھی اس گئی گذری دنیا کی عزیب کاہنہ سے زیادہ کسی بڑے کیمیا گر کو دیکھا یا سنا ہے؟ اور

یہ کہکر اس نے وہ چمکتا ہوا ٹکڑا میرے نقاب کے قریب کر دیا +

میں بے تحاشا مڑکر بھاگا۔ اس عجیب و غریب پوشاک میں بھاگنا تو دوبھر تھا۔ جس طرح بنا میں اس کمرے کو چھوڑ کر چلا اور آخری پتھر کی دیوار کے پاس پہنچ کر اپنا لپٹا ہوا سر دیوار سے لگا کر کھڑا ہو گیا + میری پشت عذرا کی طرف تھی۔ کیونکہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی تپائی ہوئی گرم سلائیں میری آنکھوں میں دے رہا ہے + میں اسی حالت میں کھڑا رہا۔ اور عذرا میرا مذاق اڑاتی رہی اور پھبتیاں کستی رہی۔ یہاں تک کہ دروازہ بند ہونے کی آواز آئی اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا اور میری جان میں جان آئی +

پھر عذرا نے ایبن کے جسم پر سے اس "شعاع گیر" لباس کو اُتارا۔ اور ہم اس مدہم روشنی میں آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے ایک دوسرے کے منہ کو تکنے لگے۔ ہماری آنکھوں سے پانی جاری تھا +

عذرا "حنیف! اب تو تجھے اطمینان ہے"

میں " اطمینان کس چیز کا۔ البتہ سوزش اور خیرگی کے متعلق ضرور اطمینان ہے "

ایبن نے بھی میری ہاں میں ہاں ملا دی۔ وہ الگ گوشے میں بڑ بڑا رہا تھا کہ کس مصیبت میں پھنس گئے۔ مگر عذرا نے ہنسنا شروع کر دیا + آہ کیا انداز تھا۔ گویا دنیا بھر کی مسرت مجتمع ہو کر اس کے جسم میں سما گئی ہے ۔ یہاں تک کہ اس کے آنسو نکل آئے اور کہنے لگی :۔

"یا وحشت! میرے ایبن تو ان عجائبات کی سیر کرنے کا خواہاں تھا جو میں کرتی ہوں۔ اور حنیف تجھے یہاں کس نے بلایا تھا۔ تو تو بغیر بلائے میرے منع کرنے کے باوجود آیا تھا۔ اب تم دو تو ناشکریاں اور خفگیاں دکھا رہے ہو اور بچوں کی طرح رو رہے ہو۔ لو یہ لو۔ (ایک عرق جو قریب ہی رکھا تھا دے کر) اسے آنکھوں پر لگا لو۔ یہ جلن ابھی جاتی رہیگی"

ہم نے وہ عرق آنکھوں پر ملا - اور فوراً سوزش موقوف ہوگئی -
اگرچہ میری آنکھوں میں کئی گھنٹے تک سُرخی باقی رہی - میں نے پوچھا:-
" آخر کچھ معلوم تو ہو کہ وہ عجائبات کیا ہیں - اگر تیری مراد اس ناقابل برداشت شعلے سے . . . . "

عذرا " (بات کاٹ کر) نہیں نہیں - بلکہ اس سے ہے جو اس شعلے سے پیدا ہوتا ہے - جسے تو اپنی عظیم الشان نادانی کی وجہ سے شعلہ کہتا ہے (اس دھات کے ٹکڑے کی طرف اشارہ کر کے) اسے دیکھ (عذرا وہ ٹکڑا ساتھ لے آئی تھی اور وہ فرش پر پڑا تھا -) اس میں اب مطلق حرارت نہیں ہے - کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں اپنے نازک ہاتھوں کو جلا کر بدنما کر لونگی - حنیف! اسے چھو کر تو دیکھ "

مگر تو یہ مجھے کون سکھائے - میں تو یہ سمجھتا تھا کہ عذرا تو تیز سے تیز حرارت برداشت کرنے کی عادی ہے - اور اس میں اس کی شرارت ہے - تاہم میں نے اسے غور سے دیکھا - اور جب عذرا نے پوچھا کہ یہ کیا ہے تو میں نے کہا " سونا " پھر کہا " شاید تانبا ہو " کیونکہ اس کی سُرخی مائل بہ زردی ہونے کے سبب سے دونو دھاتوں میں سے ایک ہو سکتی تھی -

عذرا " نہیں نہیں یہ خالص سونا ہے "

امین " اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ اس پہاڑ میں کانوں کی کثرت ہے "

عذرا " ہاں لوہے کی کانوں کی "

امین " لوہے کی " اور عذرا کا منہ دیکھنے لگا -

عذرا " بالکل - کیا دنیا میں کوئی کان ایسی ہے جس میں اتنے بڑے بڑے سونے کے ٹکڑے دستیاب ہوتے ہوں؟ یہ خام لوہا ہے جسے میں اپنی کیمیاگری سے سونے میں تبدیل کر لیتی ہوں - اور یہی سونا ہماری

ضرورت میں ہمیں کام دیگا "
ابن حیرت سے عذرا کا منہ تکنے لگا اور میں بڑبڑایا۔ کیونکہ نہ تو مجھے یہ یقین تھا کہ یہ سونا ہے نہ یہ اعتبار تھا کہ عذرا لوہے کو سونا بنا سکتی ہے عذرا نے حسب عادت میرے خیالات پڑھ لئے اور خفگی سے کہنے لگی :۔
"حنیف ! فطرت کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر تو میرا دوست نہ ہوتا۔ اور باوجود تیری حماقت کے مجھے تیری حفاظت منظور نہ ہوتی تو میں تیرا ہاتھ اُن شعاعوں میں باندھ دیتی۔ یہاں تک کہ اس کی ہڈیاں تک سونے میں تبدیل ہو جاتیں۔ مگر نہیں میرا غصہ تجھ پر عبث ہے کیونکہ تجھے نہ بصارت حاصل ہے نہ سماعت۔ تاہم تجھے ماننا پڑیگا " یہ کہہ کر وہ کوٹھری سے نکل کر اس کے راستے کے کنارے تک گئی اور اُن راہبوں کو جو آگ پر کام کر رہے تھے کچھ پکار کر کہا ۔
لمحہ بھر میں وہ ایک ڈولی پر لوہے کا بھاری ٹکڑا اُٹھائے ہوئے لے کر آئے۔ اس کا وزن اتنا تھا کہ وہ دونو بمشکل اسے اُٹھائے لئے آ رہے تھے ۔
عذرا "اب ذرا بتا میں اس پر کیا نشان بناؤں۔ اتنا تو ضروری ہے۔ کہ تو اسے پہچانتا ہے کہ یہ لوہا ہے۔ اچھا میں اس پر علامت حیات بنا دیتی ہوں۔ اچھا ! "
ساتھ ہی اس کے کہنے پر راہبوں نے ہتھوڑوں اور چھینی کی مدد سے اس میں کھود کر علامت حیات کی صورت بنا دی ۔ عذرا نے کہا :۔
"حنیف یہ کافی نہیں ہے۔ تو اپنا چاقو مجھے دے۔ میں کل تجھے واپس دے دونگی۔ اور اس کی قیمت میں اضافہ ہو جائیگا "
چنانچہ میں نے اپنا شکاری چاقو جو ہندوستانی ساخت کا تھا اور اس میں دستہ بھی فولادی تھا۔ اُسے دے دیا ۔ عذرا نے اس پر مختلف نشانات اور کاریگر کے نام وغیرہ کے نشان مجھے دکھا کر کہا :۔

"تو ان نشانات کو تو پہچانتا ہے نا"
میں نے سر ہلا دیا۔ عذرا نے راہبوں سے وہ پوشاکیں پہننے کو کہا جو ہم نے ابھی اُتاری تھیں۔ اور ہمیں ہدایت کی کہ باہر دیوار کے پیچھے جا بیٹھیں۔ ہم جا بیٹھے یہاں تک کہ چند لمحہ کے بعد اس نے ہمیں پھر بلایا + ہم اُٹھ کر اندر گئے تو دیکھا راہب بیچارے ہانپ رہے تھے۔ پوشاکیں اتار چکے تھے اور عرق آنکھوں پر ڈھل رہے تھے۔ اور لوہے کا ٹکڑا اور میرا چاقو غائب تھے + اس کے بعد عذرا نے راہبوں سے کہا کہ سونے کا ٹکڑا اٹھا کر لے چلو + انہوں نے تعمیل کی مگر میں نے دیکھا کہ راہب اگرچہ دونو مضبوط تھے مگر اس ٹکڑے کے وزن کو اُٹھاتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے۔ اس سے اس کے وزن کا اندازہ ہو سکتا ہے + امین نے حیرت سے پوچھا:۔
"آخر اس کا کیا سبب ہے کہ تو عورت ہو کر اس ٹکڑے کو اس آسانی سے اٹھا لائی اور یہ دو آدمی اسے اٹھاتے ہوئے مر رہے ہیں"
عذرا:۔ "یہ ان شعاعوں کا ایک خاصہ ہے جنہیں تم دونو آگ کے نام سے موسوم کرتے ہو کہ وہ جس شے کی قلب ماہیئت کرتی ہیں۔ تھوڑی دیر کے لئے اس کے وزن کو بالکل اڑا دیتی ہیں۔ ورنہ میں نازک عورت اتنا وزن کیسے اٹھا سکتی تھی"
امین:۔ "اچھا۔ میں سمجھ گیا"
نتیجہ یہ ہوا کہ اس سونے کے ٹکڑے کو ایک غار میں رکھ دیا گیا جس پر لوہے کا دروازہ لگا ہوا تھا۔ اور ہم عذرا کی جائے قیام میں آئے۔ میں تو عذرا کی دھمکی کے خوف سے خاموش تھا مگر امین نے کہا:۔
"تو ان طاقتوں کے ساتھ تجھے دنیا کی تمام دولت بھی میسر ہے!"
عذرا:۔ "معلوم تو یہی ہوتا ہے۔ صدیاں گذریں جب میں نے فطرت کے اس راز کو دریافت کر لیا تھا۔ اگرچہ تمہارے آنے سے پہلے میں نے اسے کسی کام میں نہیں لگایا تھا + حنیف تو اپنی عادت کے موافق اسے جادو

ہی سمجھتا ہے۔ مگر پھر کہتی ہوں کہ جادو وادو کچھ نہیں ہے۔ صرف علم ہے جو اتفاقاً مجھے حاصل ہو گیا ہے"

امین "بے شک! تیرے کہنے کے مطابق تو یہ سیدھی سادی بات ہے مگر عذرا تو نے یہ بھی سوچا ہے کہ تیری یہ دریافت ایک عالم کو تہ و بالا کر دے گی؟"

عذرا "کوئی ایسا کام بھی ہے جو میں کر سکتی ہوں اور اس سے دنیا تہ و بالا نہ ہوتی ہو۔ جس کا تجھے اس قدر خیال ہے۔ حالانکہ تیرے تمام و کمال خیالات میرے لئے ہونے چاہئیں"

میں مسکرایا۔ مگر جلدی سے میں نے مسکراہٹ کو خفگی سے تبدیل کر کے امین کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی اس سے بھی ڈرا کہ کہیں عذرا اس پر بھی نہ بگڑ جائے اور جہاں تک ہو سکا چہرے پر ہر قسم کے آثار کو مٹا کر خاموش بیٹھ گیا۔ عذرا نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

"اگر یہی ہے تو دنیا کو تہ و بالا ہونے دو۔ . . . مگر تیرا مدعا کیا تھا آہ! میرے پیارے امین! خفا نہ ہونا۔ میں جلدی میں بعض اوقات تیرے خیالات کو سمجھ نہیں سکتی۔ میں نے صدیاں تنہائی میں گزاری ہیں۔ اور مجھے کبھی بھی مہذب تر یا کم از کم اپنے برابر کے کسی انسان سے گفتگو کا موقع نہیں ملا"

امین "افسوس! میرا یوں مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ایسی باتیں شجاعت کے خلاف ہیں"

اس پر عذرا نے تیور بدلے۔ اور امین پر خفگی کی نظر ڈالی۔ اس نے ڈر کے مارے دروازے کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔ مگر امین نے بغیر کسی خوف کے برابر آنکھوں میں آنکھیں ڈالے رکھیں۔ عذرا کچھ دیر اسی حالت میں رہی پھر کہا:۔

"امین۔ میرا خیال ہے کہ اس مقررہ وجہ کے بعد جس کا تجھے علم نہیں ہے۔ تیرے ساتھ میرے عشق کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ صرف تو مجھ سے خائف نہیں ہوتا۔ تو حنیف کی طرح نہیں ہے جو اس وقت سے جب سے میں نے اس کی ہڈیوں کو سونے کا بنا دینے کی دھمکی دی ہے۔ اور جیسا کہ (ہنس کر) واقعی میرا ارادہ بھی تھا۔ میرے قدم کی آہٹ سے کانپتا ہے۔ اور میری معمولی نگاہ سے بھی لرز اُٹھتا ہے۔

"میرے پیارے! تو کس قدر متحمل مزاج ہے کہ میری نسوانی کمزوریوں اور جذبات کو برابر برداشت کرتا رہا ہے"

یہ کہہ کر وہ آگے بڑھی۔ اور چاہتی تھی کہ امین سے لپٹ جائے۔ مگر فوراً ہی کچھ سوچ کر رُکی اور ایک کوچ پر امین کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور خود ایک چھوٹی سی گدی اس کے پاؤں کے قریب بچھا کر اس پر بیٹھ گئی۔ اور معصومانہ انداز سے نظر اٹھا کر امین کو دیکھ کر کہنے لگی:۔

"امین! دنیا کے تہ و بالا ہونے کی وجوہات بیان کرو۔ یقیناً دلائل معقول ہونگے۔ اور میں اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرونگی"

امین "میں اختصار کر کے چند لفظوں میں بتائے دیتا ہوں۔ جس میں . . ." امین رُکا +

عذرا "اپنی زندگی کے ابتدائی دنوں میں رہتی تھی . . . . ."

امین "ہاں۔ ابتدائی دنوں میں رہتی تھی۔ اپنی دولت کا معیار سونے کو قرار دے رکھا ہے۔ تمام تمدن کا مدار اسی پر ہے۔ اگر اسے اس قدر عام کر دیا گیا جیسا کہ معلوم ہوتا ہے تو کر سکتی ہے۔ تو تمام تمدن کی بیخ و بنیاد اکھڑ جائے گی۔ اعتبار اُٹھ جائیگا۔ اور اپنے غیر تہذیب یافتہ آباؤ اجداد کی طرح انسان کو پھر مبادلہ کے اصول پر کاربند ہونا پڑیگا۔ تاکہ اپنی ضروریات حاصل کریں۔ جیسا کہ اب بھی قانون میں دستور ہے"

عذرا۔ پھر اس میں حرج کیا ہے۔ یہ طریق تمدن تو زیادہ سہل ہوگا اور

انسان کو اس حالت کے قریب تر لے آئے گا۔ جب وہ نیکئ مجسم تھا اور عیش اور طمع سے خالی تھا۔"

ایپن "اور پھر انسانوں میں پتھر کی کلہاڑیوں سے سر پھٹول ہوا کرے۔"

عذرا۔ انہیں انسانوں میں جو آج فولاد سے ایک دوسرے کی سینہ شگافی اور اُن سیسہ کی گولیوں سے ایک دوسرے کی جانستانی کیا کرتے ہیں۔ جن کا تو نے ذکر کیا ہے + آہ ایپن! جب قوموں کی دولت ختم ہو جائے گی اور خدائے زر کی پرستش بند ہو جائے گی۔ جب سود خوار اور مالدار سوداگر کانپ کانپ کر سفید ہو جائیں گے۔ کہ ان کا لاتعداد اندوختہ بالکل بے کار شے ہے۔ جب میں دنیا کے صرافہ کے دیوالیہ بازاروں کا مذاق اڑاؤں گی۔ اور جب اس کے مالدار ترین اجڑے ہوئے بازاروں پر قہقہے لگاؤں گی تو کیا اس وقت دنیا کی اصلیت ظاہر نہ ہو جائیگی؟ اگر میں ان لوگوں کی جڑیں کاٹ ڈالوں جنہیں نیکی اور شجاعت کے مقابلہ میں روپے کے ساتھ زیادہ محبت ہے۔ جو زمین پر زمین اور مکان پر مکان بناتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُن غریبوں کو جن پر انھوں نے جبر کیا ہے رہنے کو جھونپڑا بھی میسر نہیں آتا۔ تو کیا برائی ہے + اگر میں تمہارے بڑے بڑے آڑھتیوں کو جھوٹا ثابت کر دوں اور لالچی ساہوکاروں کے گھر سونے سے بھر دوں۔ یہاں تک کہ وہ اس کی صورت سے نفرت کرنے لگیں تو کیا مصیبت ہے اور اگر میں غریبوں اور مظلوموں کی حمایت کرکے دولتمندوں اور سرمایہ داروں کی حرص و آز کا قلع قمع کر دوں تو کیا غضب ہے۔ تمہیں کہو کیا اس وقت دنیا میں مسرت کی فراوانی ہو گی یا نہیں؟"

ایپن "میں نہیں جانتا۔ البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ ایسی حالت میں دنیا بالکل نئی دنیا ہو گی۔ جس کی بنیاد نئے اصولوں پر ہو گی۔ جس پر غیر معروف قوانین کی حکومت ہو گی۔ اور جس میں مقصد حیات کچھ اور ہی ہو گا۔

ایسی عجیب جگہ میں کون کہہ سکتا ہے کہ کیا ہوگا اور کیا نہ ہوگا؟"
عذرا "امین! اس کا پتہ تو تجربہ سے لگیگا۔ اور اگر یہ سب کچھ تیری مرضی کے خلاف ہؤا تو ہم اس تجربہ کو کرینگے ہی نہیں۔ کیونکہ تیری خواہش یہی معلوم ہوتی ہے۔ کہ دنیا پر۔ وہی بدی کا سرچشمہ یعنی الفتِ زر قائم رہے + اچھا کچھ مضائقہ نہیں۔ دنیا میں زر و بادشاہ کی حکومت رہے + میں جیسا کہ میرا منشا تھا اسے تبدیل نہیں کرونگی۔ مثلاً وہ قوتِ مداحی جسے تو نے ابھی روشن دیکھا تھا۔ یہ قوت جس کی میں مالک ہوں اور جس میں انسان کو صحت دینے اور معدنیات کی ماہیت کو تبدیل کر دینے کی طاقت موجود ہے۔ اگر میں چاہوں تو میرے اشارے پر شہروں کو برباد بھی کرسکتی ہے اور پہاڑوں کو جڑوں سے اُکھاڑ کر پھینک سکتی ہے۔ . . . لو۔ حنیف تو تکان سے پریشان ہوگیا۔ اور آرام کرنا چاہتا ہے۔ حنیف تو دنیا کے کاموں کا مبقر پیدا ہؤا ہے۔ محرک نہیں + میں ایسے لوگوں سے خوب واقف ہوں۔ کیونکہ میرے زمانے میں سکندریہ کی درس گاہیں ان کی نکتہ چینیوں کا میدان جنگ بنی رہتی تھیں۔ اور ان کی بھولی بسری ہڈیوں کی خاک دوشِ ہوا پر اڑتی پھرتی ہے۔ حنیف۔ میں سچ کہتی ہوں کہ بعض اوقات وہ لوگ جو چیزوں کے صنّاع اور موجد ہوتے ہیں ان چھوٹے چھوٹے شکوک اور نکتہ چینیوں سے بھڑک اُٹھتے ہیں۔ مگر میرے دوست خوف کی کوئی وجہ نہیں اور نہ تجھے میری خفگی سے بُرا ماننا چاہیئے۔ تیرا دل خود زرِ خالص ہے اس لئے مجھے تیری ہڈیوں کو سونا بنانے کی کیا ضرورت ہے؟"

میں نے عذرا کی مدحت سرائی کا شکریہ ادا کیا۔ اور خوابگاہ میں آیا + دل میں یہی سوچتا رہا کہ آیا عذرا کا جلال حقیقی ہے یا اس کی عنایت اصلی ہے۔ یا شاید دونو ہی مصنوعی ہیں + مجھے یہ بھی خیال رہا کہ سکندریہ کے نکتہ چینوں سے عذرا کا کیا تعلق؟ ممکن ہے کہ کبھی کسی زمانے میں

اس نے کوئی نظم لکھی ہو اور سکندریہ والوں نے اس کا خاکہ اڑایا ہو۔ مگر کیا کہا جا سکتا ہے؟

صبح جب میں اٹھا تو مجھے معلوم ہوا کہ اور جاہے سب کچھ غلط ہو مگر یقیناً عذرا زبردست کیمیاگر تھی۔ کیونکہ میں ضروریات سے فارغ ہوا ہی تھا کہ وہ راہب جنہیں ہم نے تجربہ گاہ میں دیکھا تھا۔ میرے کمرے میں ایک بوجھ اٹھائے ہوئے داخل ہوئے۔ اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا۔ ساتھ معدن بھی تھا۔ اس کے اشارے پر انہوں نے وہ بوجھ زمین پر رکھ دیا۔ میں نے معدن سے پوچھا:۔

"یہ کیا بلا ہے؟"

معدن "عذرا نے یہ تمہارے لئے تحفہ ارسال کیا ہے۔ اور مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کل تم اس سے کسی بات میں الجھ گئے تھے"

یہ کہہ کر اس نے کپڑا اٹھایا اور میرے سامنے دھات کا وہی ٹکڑا رکھا تھا۔ جس پر میرے اور ایمن کے روبرو نشان حیات کا نقش بنایا گیا تھا۔ فرق یہ تھا کہ اب لوہا نہیں تھا بلکہ سونا تھا۔ اور ایسا کھرا اور نرم سونا کہ ناخن سے اس پر نام لکھا جا سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی میرا چاقو بھی تھا۔ اس کا دستہ بھی سونے میں تبدیل ہو گیا تھا۔ مگر پھل بدستور لوہے کا تھا۔

بعد میں عذرا نے چاقو دیکھنے کو مانگا مگر اپنے تجربہ کی ناکامی سے اُسے رنج ہوا۔ اس نے دکھایا کہ پھل میں انگل بھر کے فاصلے تک سنہری خط اور نقطے پیدا ہو گئے تھے۔ جس سے اُسے خیال ہوا کہ فولاد کی قوت اور مضبوطی کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ حالانکہ اس کا منشا یہ تھا کہ صرف دستہ سونے میں تبدیل ہو جائے[1]

---

[1] مجھے آئندہ چل کر یہ ثابت ہو گیا کہ عذرا کی کیمیاگری کس قدر حقیقی تھی اور اس کا وہ علم کتنا صحیح تھا۔ جس کی رو سے اس نے وہ راز حل کر لیا تھا جس کے پیچھے ہزاروں

اس واقعہ کے بعد اکثر میں متحیر ہؤا کرتا تھا کہ آخر عذرا نے اعجاز کسطرح دکھایا اور کس جگہ سے یا کن چیزوں سے اس نے وہ برق صفت مادّہ اخذ کیا تھا۔ جس کے ذریعے سے یہ قلب ماہیئت واقع ہوئی + مجھے یہ بھی شبہ تھا کہ شاید اس مادّے میں وہ شعاعیں بھی موجود ہیں جن سے وہ آتشِ حیات بھی مرکب تھی جو ہم نے کور کی غاروں میں دیکھی تھی[1]۔ اب تک میں اس راز کو حل نہیں

(ھوسوں نے اپنی جانیں ضائع کر دی ہیں + یعنی یہ کہ عام ترین دھات کو اعلےٰ میں تبدیل کر دینا + جب میں سرحدِ ہند میں پہنچا تو پہلے قصبہ ہی میں ایک جوہری کے پاس وہ چاقو لے گیا۔ جو عیّار ہونے کے ساتھ بے ایمان بھی تھا۔ اور اس سے اس کے دستے کا امتحان کرنے کو کہا۔ اس نے تیزابوں اور دوسرے طریقوں سے اُسے پرکھا اور کہا کہ یہ خالص سونے کا ہے۔ شاید اس نے ۲۴ قیراط کہا تھا۔ اس نے یہ بھی دکھایا کہ یہ سونا عجیب ناقابلِ حل طریقہ سے پھل کے لوہے میں مخلوط ہوتا ہوتا رہ گیا ہے۔ اور مجھ سے اس راز کو بیان کرنے کی بابت کہا۔ مگر میں کیا بتا سکتا تھا۔ تاہم اس کے کہنے پر مزید پرکھ کے لئے میں اُسے اس کے پاس چھوڑ آیا۔ اگلے دن مجھے اختلاجِ قلب کا دورہ پڑ گیا۔ جس کی کچھ عرصے سے مجھے عادت ہو گئی تھی۔ جب میری طبیعت کچھ سنبھلی اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہؤا تو اس کی دکان پر پہنچا۔ معلوم ہؤا کہ وہ خدا جانے کہاں غائب ہو گیا ہے۔ سب سے پوچھا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ اس طرح میں اس چاقو سے ہاتھ دھو بیٹھا + (حنیف)

[1] جدید تحقیقات کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ پُراسرار آتشِ حیات خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو ایک قوت تھی آگ نہ تھی۔ کیونکہ اس میں جلانے کی طاقت نہ تھی۔ اور شاید اس کا نکاس اس ترکیب سے ہو جیسے ریڈیم سے شعاعیں نکلتی ہیں یا کسی ایسی ہی اور شے سے۔ اگرچہ حنیف کو ۱۸۸۵ عیسوی میں ایسی شعاعوں کا علم نہیں ہو سکتا تھا مگر بلا شبہ عذرا کو انکی ہستی اور انکے حیرت انگیز اثرات کا کما حقہٗ علم ہوگا۔ اور اس زمانے میں بھی ہمارے سائنس دانوں اور کیمیاگروں کو ان کے خواص کا صرف سطحی علم حاصل ہؤا ہے۔ آنے والے زمانے میں خدا جانے ان سے کیا کیا کچھ فوائد حاصل ہو سکیں گے + (مؤلف)

کر سکا۔ کیونکہ یہ میرے وہم سے بھی بالاتر ہے +
میرا خیال ہے کہ روئے زمین پر فتح حاصل کرنے کی تیاری میں جس کے لئے اس کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ عذرا کے حکم سے اس غار میں ہر وقت سونا بنانے کا کام جاری رہتا تھا۔ کچھ بھی ہو عذرا نے اس قلیل مدت میں جبکہ ہم یکجا رہے۔ پھر کبھی اس کا تذکرہ نہ کیا + فی الحال اس کے مقصد کی تکمیل کے لئے اسی قدر کافی معلوم ہوتا تھا۔ یا شاید دوسرے ضروری امور کی طرف متوجہ ہونے کے سبب سے اُس نے اس کے خیال کو ترک کر دیا تھا تاہم اور ہزاروں باتوں میں سے جن کا میں نے کوئی ذکر نہیں کیا۔ چونکہ انتخاب لازمی ہے۔ میں نے اس عجیب واقعہ کا اور اس کے متعلق اپنی تمام گفتگو کا اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس نے میرے دل پر بہت گہرا اثر کیا اور اس سے فطرت کی پوشیدہ قوتوں پر عذرا کے اقتدار کا عجیب پتہ چلتا ہے مگر ہماری تقدیر میں اس سے زیادہ زبردست اور خوفناک تجربہ اٹھانا لکھا تھا +

باب بست و یکم

شمسہ کی پیشین گوئی

طوطئے را بہوائے شکریں دل خوش بود
ناگہش سیل فنا نقش امل باطل کرد

اس عجیب و غریب واقعہ سے جس میں لوہے کو سونا بنایا گیا تھا گئے

روز عبادت گاہ میں عظیم الشان مجمع ہوا۔ ہمارا خیال تھا کہ یہ آنے والی جنگ کی تقدیس کی غرض سے کیا گیا ہے۔ ہم اس میں شریک نہیں ہوئے مگر حسب معمول ہم نے کھانا ایک جگہ ہی کھایا۔ کھانے پر عذرا پر عجیب کیفیت طاری رہی۔ یعنی کبھی تو سخت روکھا پن ظاہر ہوتا تھا۔ اور کبھی قہقہے لگتے تھے۔ اس نے کہا:۔

"تمہیں خبر بھی ہے۔ آج میں "کلام الٰہی" بنی ہوئی تھی۔ اور پہاڑی بیوقوفوں نے اپنے حکیموں کو عذرا سے یہ پوچھنے کو بھیجا تھا کہ جنگ کا انجام کیا ہوگا؟ ان میں سے کون مارا جائیگا اور کسے عزت حاصل ہوگی۔ مگر میں میں انہیں کیا بتا سکتی تھی۔ تاہم میں نے دو معنی باتیں کہہ دیں۔ تاکہ ان سے جو چاہیں مطلب نکال لیں۔ لڑائی کا رُخ کیا ہوگا۔ اس کا تو مجھے علم ہے کیونکہ اس کی کمان میرے ہاتھ میں ہوگی۔ مگر مستقبل کے حالات تو یہ تو یہ ان کا تو مجھے اسی قدر علم ہے جسطرح میرے حنیف تجھے ہو سکتا ہے۔ اور اس کی شان تجھے معلوم ہی ہے۔ میرے لئے ماضی اور حال تو روشن ہیں مگر افسوس مستقبل کا علم حاصل نہیں۔"

اس کے بعد وہ سوچنے لگی اور آخر کار سر اُٹھا کر منت سے ابین سے کہا:۔

"ابین! میری التجا قبول کر۔ اور خدا کے واسطے چند روز کے لئے یہیں ٹھہر یا شکار کو چلا جا۔ للّٰہ ان جا! میں بھی تیرے پاس رہونگی اور علیفا اور معدن کو لشکر کے ساتھ بھیج دوں گی۔"

"ابین غصے سے کانپنے لگا۔ عذرا کی اس تجویز سے کہ تجھے تو جنگ پر بھیج دیا جائے اور ابین آرام سے رہے۔ اُسے طیش آگیا۔ وہ مرد شجاع تھا مگر اس کی شجاعت حد سے متجاوز تھی۔ اسے زبانی طور پر تو جنگ سے اختلاف تھا مگر دل سے پورے وحشیانہ جوش کے ساتھ لڑنے کا مشتاق تھا۔ اس نے کہا:۔

"ہرگز نہیں - عذرا میں ہرگز نہیں ٹھہروں گا - اگر تو نے مجھے یہاں چھوڑ بھی دیا تو میں خود پہاڑ پر سے میدان جنگ کا راستہ نکال لونگا - اور لڑائی میں جا پہنچوں گا"

عذرا: اچھا تیری مرضی - مگر اس کا بار تیرے سر پہ ہوگا ......

نہیں نہیں میرے سر پر - میں ہی ذمہ دار ہوں "

اس کے بعد باتوں کا رُخ بدلا - اور عذرا نے لڑکیوں کی طرح گزشتہ زمانے کی کہانیاں سنانا شروع کیں اور ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگی + یہ کہانیاں غم و اندوہ سے بالکل خالی تھیں - جو واقعات وہ بیان کر رہی تھی بہت ہی دلچسپ تھے - یعنی ایسی قوموں کے قصے جن کا صرف نام تاریخ میں موجود ہے اور ایسے لوگوں کے افسانے جن کا نام بھی کسی نے نہیں سُنا - مگر دو ہزار سال پہلے وہ انہیں جانتی تھی اور ان میں رہی سہی تھی + اس نے ان کی محبتوں - ان کی لڑائیوں - ان کی خوبیوں اور بُرائیوں کی کہانیاں بیان کیں - اور مذاقیہ پیرائے میں ان پر نکتہ چینی کرتی رہی - یا انسانی آرزوؤں اور تمناؤں کی مضحکہ انگیز بیہودگی پر تنقید کرتی رہی +

آخر کار اس کی گفتگو میں ذاتیات کا رنگ پیدا ہوا - اُس نے حقیقت کے لئے اپنی جستجو کا ذکر کیا - اور بتایا کہ کس طرح دانائی کی تلاش میں اس نے اپنے زمانے کے تمام مذاہب کی چھان بین کی - اور یکے بعد دیگرے سب کو مسترد کر دیا + یروشلیم میں اس نے اپنے خیالات کی تبلیغ کی تو قانون کے شکنجہ میں جکڑ کر اسے سنگسار کیا گیا - پھر وہ اپنے وطن عرب میں پہنچی تو لوگوں نے اس پر انقلاب انگیزی کا اتہام لگایا اور شہر بدر کرا دیا + وہاں سے وہ مصر کو گئی اور اس زمانے کے فرعون کے دربار میں پہنچی - اس جگہ اس کی ملاقات ایک جادوگر سے ہوئی جو نیم شعبدہ باز اور نیم غیب دان تھا + اس نے اسے اپنے فن کی تعلیم دی - اس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی کہ آخر کار اپنے استاد سے بڑھ گئی - اور اسے اپنی اطاعت پر مجبور کر لیا +

اس کے بعد اس کی داستان یکایک کور کے کھنڈرات میں جا پہنچی کیونکہ شاید درمیانی حالات وہ بتانا نہیں چاہتی تھی + اس نے ایبن کو بتایا کہ کس طرح وہ سیاست کی حالت میں وہاں پہنچا - اس کا نام قرطیس تھا - اس کے ساتھ شہزادی ایمنراٹس تھی - جسے وہ مصر کے قیام کے زمانے میں جانتی تھی اور اس سے متنفر تھی - ان کے تعاقب میں وحشی لوگ تھے - مگر اس نے انہیں پناہ دی اور پھر کیا سلوک کیا + اس نے یہ بھی بتایا کہ جس روز وہ سب آتش حیات کی تلاش میں جانے والے تھے اس سے پہلی رات تینوں نے ایک جگہ کھانا کھایا تھا - اور وہاں شہزادی ایمنراٹس نے ایک پیشین گوئی ان کے سفر کے متعلق کی تھی +

عذرا " وہ رات ایسی ہی خاموش تھی - جیسی کہ آج ہے اور کھانا بھی بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ ابھی کھایا ہے - ایبن کی صورت میں بھی کچھ نمایاں فرق نہیں تھا - صرف اس قدر تھا کہ اس وقت اس کے ڈاڑھی نہ تھی اور کم عمر تھا - وہ میرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا - اور حنیف جہاں تو بیٹھا ہے اس جگہ شہزادی ایمنراٹس بیٹھی تھی - وہ حسین تھی اور مجھ سے بھی زیادہ حسین تھی ——— مگر میرے آتش حیات میں نہانے سے پیشتر کی حالت کے مقابلہ میں ——— اُسے غیب دانی بھی آتی تھی مگر میرے برابر علم نہیں تھا - ہمیں روز ازل سے ایک دوسرے سے نفرت تھی جو اس وقت اور بھی زیادہ ہو گئی تھی - جبکہ اُسے یہ معلوم ہوا کہ میں تجھے - یعنی اس کے عاشق کو کس نظر سے دیکھتی ہوں تم اس کا خاوند کبھی نہیں ہوئے کیونکہ تم اس تیزی سے فرار ہوئے تھے کہ شادی کا موقعہ ہی میسر نہیں آیا + اسے یہ بھی علم تھا کہ جو تنازعہ ہم میں عرصہ گذریں شروع ہوا تھا وہ صدیوں اور پشتوں تک جاری رہنے والا ہے - اور جب تک انجام کا پتہ نہ چلیگا اس وقت تک ہم میں سے ایک دوسری کو فنا نہیں کر سکے گی - کیونکہ ہم دونوں نے تجھے حاصل کرنے کے لئے گناہ کیا - اور قضا و قدر نے تجھے ہماری روحوں کا بوجھ بنا کر پیدا کیا تھا - اس وقت ایمنراٹس

بولی اور کہا :-

"اے قرطیس! میری نگاہ میں تیری شراب خون کی صورت میں نظر آ رہی ہے۔ اور اے بنت الراعب (وہ مجھے اسی نام سے پکارا کرتی تھی) تیرے چاقو سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ یہ جگہ مدفن ہو گیا ہے۔ اور قرطیس تو یہاں سو رہا ہے۔ اور تیری تاملہ میں بھی یہ قوت نہیں کہ وہ تیرے مردہ جسم میں جان ڈال سکے "

"چنانچہ اس کے قول کے مطابق ہی ہوا۔ اور یہی تقدیر میں لکھا تھا میں نے تجھے اس سرچشمۂ حیات کے قریب قتل کیا۔ میری عقل گم ہو گئی تھی۔ کیونکہ میری صورت میں جو تبدیلی واقع ہو گئی تھی تو اُسے سمجھنے سے قاصر تھا۔ اور مجھ سے منہ چھپا کر تو نے اپنے چہرے کو اس کے بالوں میں پناہ دی . . . کیوں معدن کیا ہے؟ بندۂ خدا کبھی تو میرا پیچھا چھوڑا کرو"

معدن جو ابھی داخل ہوا تھا جھک کر آداب بجا لایا۔ اور عرض کیا "عزا! خانم شمسہ کے پاس سے ایک مراسلہ آیا ہے"

عذرا :- (بے پروائی سے) مہر توڑ کر مراسلہ پڑھو۔ شاید وہ اپنی حماقت سے باز آ گئی اور مصالحت چاہتی ہے"

معدن نے پڑھنا شروع کیا :-

"بخدمت عزا اے دارالعلم کوہستان۔ جو اس دنیا میں عذرا کے نام سے موسوم ہے اور ملائے اعلیٰ میں جہاں سے اسے آوارگی کی اجازت مل گئی ہے "نجم افتادہ" کے لقب سے ملقب ہے ــــــ"

عذرا :- (بات کاٹ کر) کیا عجب لقب دیا ہے۔ مگر شمسہ تجھے علم نہیں۔ کہ بعض اوقات چھپے ہوئے انجم بھی پھر نکل آیا کرتے ہیں۔ ہاں آگے پڑھو"

معدن :-

"عذرا کو سلام پہنچے۔ تو نے جو بہت بوڑھی ہے۔ صدیوں کے گزرنے کے ساتھ بہت عقل و فراست حاصل کی ہے۔ اور دوسری قوتوں کے

ساتھ یہ بھی کمال پیدا کیا ہے کہ تو اپنی فسوں سازیوں سے مردوں کی نگاہ میں اپنی صورت کو بے حد حسین بنا لیتی ہے۔ مگر ان کمالات کے باوجود تو اس کمال سے محروم ہے۔ جو مجھے حاصل ہے یعنی غیب دانی۔ اس لئے واضح ہو کہ میں نے اور میرے زبردست عالمِ غیب ماموں نے اس کا نتیجہ دریافت کرنے کے لئے آسمان کی خفیہ کتابوں کی ورق گردانی کی ہے۔ اُن میں یہ مرقوم ہے کہ:۔

میرے لئے موت جس پر میں خوش ہوں۔ تیرے لئے خودکشی۔ اور سرزمین قالون کے لئے خونریزی اور تباہی تیرے ہاتھوں سے۔ اور بس۔

راقمہ شمسہ خانم قالون"

عذرا متانت اور خاموشی سے سنتی رہی نہ اس کی پیشانی پر بل آیا نہ چہرے پر کوئی تغیر رونما ہوا۔ اس نے معدن سے متکبرانہ انداز میں کہا:۔

"شمسہ کے نامہ بر سے کہہ دے کہ مجھے تیرا پیام مل گیا ہے اور میں اس کا جواب عنقریب محل سرائے قالون میں رو در رو دونگی۔ جا راہب زیادہ مخل ہونے کی ضرورت نہیں"

معدن کے چلے جانے کے بعد وہ ہم سے مخاطب ہو کر کہنے لگی:۔

میں نے گذشتہ زمانے کی داستان سنائی تھی۔ اس موقعہ پر بہت ہی برمحل ثابت ہوئی۔ کیونکہ جس طرح ایمنراٹس نے بُری پیشین گوئی کی تھی۔ اسی طرح شمسہ نے کی ہے۔ اور ایمنراٹس اور شمسہ درحقیقت ایک ہی ہیں۔ اچھا! اگر اس کا کہنا ہی سچ ہے تو ہونے دو میں اس سے ڈرتی نہیں۔ کیونکہ مجھے یقین ہے کہ انجام کار فتح میری ہی ہے۔ ممکن ہے کہ شمسہ نے مجھے خوفزدہ کرنے کی نیت سے یہ چال چلی ہو۔ تاہم بفرض محال اس کا قول صحیح بھی ہو تو پیارے ایبن! ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ انجام ہمارے لئے اچھا ہی ہے کیونکہ تقدیر کے آگے کسی کا چارہ نہیں۔ علاوہ ازیں ہم دو تو میں جو ز...

اتحاد روزِ ازل سے قائم ہو چکا ہے۔ دنیا کی کوئی طاقت اسے توڑ نہیں سکتی "

یہاں آ کر وہ ذرا رُکی مگر پھر یکایک شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی شروع ہوئی :-

" ابن میں کہتی ہوں کہ ہماری زندگیوں اور موتوں کی ظاہری گڑبڑ میں ایک خاص نظام پوشیدہ ہے۔ ظلم کے نقاب کے پیچھے رحم کی جاں گداز آنکھیں چمکتی ہیں۔ اور اس بے مروت اور عربدہ ساز دنیا کے مصائب درحقیقت پاک اور ابدی عدل کی تلوار کے چمکتے ہوئے شرارے ہیں۔ پُرالم زندگیاں جو ہمیں ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ اس زریں زنجیر کی کڑیاں ہیں جو آخر کار ہمیں اپنے اصلی و ازلی مقام راحت پر لے جائیگی۔ اس آخری پُر سکون منزل پر پہنچنے کے لئے ہمیں بہت سے تکلیف دینے والے قدم اُٹھانے پڑتے ہیں۔ کیونکہ میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ ہم پر دار بیجوں کی طرح ہیں جو انقلاب اور تقدیر کی ہوا کے دوش پر اڑتے پھرتے ہیں۔ یہاں تک کہ مقررہ گلزار میں پہنچکر ہم اُگیں گے اور اپنی مہک سے وہاں کی تمام فضا کو معطر کر دینگے "

" اچھا ابن! رخصت۔ اب ذرا آرام لے لو۔ صبح نکلتے ہی ہم کوچ کریں گے "

اگلے دن دوپہر کے قریب ہم پہاڑی قوموں کی نبرد آزما خونخوار فوج کے ساتھ پہاڑ سے اترے۔ جاسوس ہم سے پہلے روانہ ہو چکے تھے۔ ان کے بعد ان کا عظیم الشان رسالہ اعلےٰ قسم کے گھوڑوں پر سوار آیا۔ ان کے دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف پیدل فوج کے دستے روانہ تھے۔ جو اپنے اپنے سرداروں کی زیر کمان تھے۔

عذرا منہ پر نقاب ڈالے ــــ کیونکہ وہ پہاڑی قوموں کے سامنے بے نقاب نہ ہوتی تھی ــــ رسالے کے قلب میں سفید عربی

گھوڑی پر سوار تھی۔ جلو میں ایبن اور ہم تھے۔ ایبن خان کے سیاہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اور میرے لئے بھی بالکل اسی شکل و صورت کا گھوڑا مہیا کیا گیا تھا۔ ہمارے اردگرد مسلح راہبوں اور چیدہ چیدہ سپاہیوں کے محافظ دستے تھے۔ ان میں وہ شکاری بھی تھے جنہیں ایبن نے عذرا کے غصے سے نجات دلائی تھی۔ اور اب وہ ایبن کے خاص محافظ مقرر ہو گئے تھے۔

روانگی کے وقت ہمارے دلوں پر مسرت کی لہر آ گئی تھی۔ کیونکہ اواخر سرما کے ان دنوں میں جب آفتاب پوری طرح روشن تھا باہر کی تازہ ہوا نے ہمیں وہ غموم و ہموم بھلا دئیے تھے۔ جو ان آگ سے روشن تنگ و تاریک مکانات میں پیدا ہوتے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں ہزارہا آدمیوں کے لشکر کی روانگی اور آنے والی جنگ کے خیالات نے دلوں میں ولولہ پیدا کر دیا تھا۔ ایبن کو تو میں نے مدت سے ایسی مسرت کی حالت میں نہیں دیکھا تھا۔ کچھ عرصہ سے اس کے جسم میں لاغری اور افسردگی پیدا ہو گئی تھی جس کی وجوہات شاید وہی ہوں جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں۔ مگر اب حالت ہی کچھ اور تھی۔ اس کے چہرے پر سرخی دوڑنے لگی تھی آنکھوں میں خاص چمک پیدا ہو گئی تھی۔ عذرا بھی شاداں نظر آتی تھی۔ مگر اس کے مزاج میں ایسا ہی سکون تھا جیسا کہ فطرت میں۔ اس کی حالت اسی طرح بدلتی رہتی تھی۔ جیسے قدرتی نظارے کی صورت سائے یا روشنی کے تغیر و تبدل میں بدلتی رہتی ہے۔ کبھی تو دوپہر کی طرح اس کی طبیعت روشن ہو جاتی تھی کبھی رات کی طرح غم کی تاریکی اس پر فائز ہو جاتی تھی۔ کبھی صبح کی طرح فرحت اور کبھی شام کی طرح اداسی چھا جاتی تھی۔ اور کبھی خیالات کا دھواں برسات کے بادلوں کی طرح ان کی گہری نیلی نیلیوں میں گذر کر اس کے چہرے پر سایہ ڈال دیتا تھا۔ آخر اس نے کہا:۔

"میں مدتوں پہاڑوں کی تاریک غاروں میں بند رہی ہوں۔ اور میرے ہمراہی یا تو گونگے ہوتے تھے یا وحشی یا افسردہ دل راہب۔ اسی لئے اب

مجھے بیرونی دنیا اور کھلی فضا بھلی معلوم ہو رہی ہے + اوپر کی برف نیچے کے نشیب اور سامنے کے وسیع میدان کیسے خوشنما معلوم ہوتے ہیں + سورج کس قدر شان دار ہے اور میری طرح غیر فانی ہے۔ اور کھلی فضا کی ٹھنڈی ہوا بہشت کا نمونہ ہے۔ ایمن! یقین کرنا۔ مجھے گھوڑے پر سوار ہوئے بیس صدیوں سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے۔ مگر میں سواری کرنا نہیں بھولی اگرچہ یہ گھوڑی ان عربی گھوڑوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی جن پر میں عرب کے ریگستانوں میں سوار ہوا کرتی تھی۔ آہ مجھے یاد ہے جب میں اپنے والد کے پہلو بہ پہلو بدوؤں سے لڑنے گئی تھی۔ اور میں نے اپنے ہاتھ سے ان کے سردار کو نیزے کا نشانہ بنایا تھا۔ اور وہ رحم کے لئے چلا رہا تھا۔ انشاءاللہ کسی دن میں اپنے باپ کا حال سناؤں گی۔ میں انہیں بہت پیاری تھی۔ اور اگرچہ ہماری جدائی کو صدیاں گزر چکی ہیں مگر میرے دل سے ان کی یاد نہیں گئی اور اب تک ان کی قدمبوسی کی تمنا ہے . . . . دیکھو یہ اس وادی کا دہانہ ہے جہاں وہ بلی کی پرستش کرنے والا جادوگر رہتا تھا۔ جس نے تمہیں مار ہی دیا ہوتا۔ کیونکہ تم نے اس کی بلی کو نذر آتش کر دیا تھا۔ یہ ہے تو عجیب بات۔ مگر اس نواح میں اور اس کی دوسری طرف اکثر قومیں ایسی آباد ہیں۔ جو بلی کی پوجا کرتی ہیں یا اُن کے ذریعہ سے غیب دانی کرتی ہیں + میرا خیال ہے کہ پہلے رشان کے ساتھ جو سکندر کے زمانے میں یہاں آیا تھا۔ یہ رسم اس جگہ آئی ہوگی۔ اس مقدونیہ کے سکندر کے متعلق میں تجھے بہت سے حالات بتا سکتی ہوں۔ کیونکہ وہ تقریباً میرا ہم عصر تھا۔ اور جب میں آخری دفعہ پیدا ہوئی ہوں تو دنیا ابھی اس کے کارناموں سے گونج رہی تھی + اسی رشان کی بدولت قدیم زمانے کی آتش پرستی عزرایا آئیسس کی پوجا کے ساتھ مخلوط ہوئی۔ جس کی یادگار کے طور پر اب تک وہ آتشیں مینار موجود ہیں۔ جن سے عبادت خانہ روشن ہے۔ یقیناً اس کے لشکر کے ساتھ کچھ لوگ گربہ پرست بھی تھے۔ جو اپنے ساتھ یہ طریق عبادت یہاں لائے۔

اور اب رفتہ رفتہ امتداد زمانہ کے ساتھ اس کی یہ صورت رہ گئی ہے کہ ان کے ذریعہ سے جادوگروں کا پتہ لگا کر انہیں قتل کیا جاتا ہے + حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے خواب سا یاد بھی ہے کیونکہ اس مندر کی سب سے پہلی عزا میں ہی تھی۔ اور میں اسی رتنان کے ساتھ جو میرا رشتہ دار تھا یہاں آئی تھی ❞

اس بات پر میں نے اور ابین نے حیرت و استعجاب سے اس کی طرف دیکھا + میں نے محسوس کیا کہ نقاب میں سے بھی وہ ہماری ہر حرکت کو تاڑ رہی ہے۔ مگر ابین تو مختار تھا جو چاہتا کرتا اور سوچتا۔ مگر غصہ مجھ پر ہی نازل ہوتا تھا۔ چنانچہ میں ہی پھر مخاطب کیا گیا :-

حنیف! شروع سے تیرا دل شکی اور بے اعتبار واقع ہوا ہے حالانکہ تجھے یاد ہے کہ میں نے ابھی تجھ سے کیا کہا تھا۔ پھر بھی اب تجھے میری بات کا یقین نہیں آیا" میں نے کہا کہ میں شک نہیں کرتا بلکہ دو بیانات کے تفاوت پر غور کر رہا تھا +

عذرا:" ان لفاظیوں سے کیا ہوتا ہے۔ دل میں تو تو مجھے جھوٹی گردانتا ہے اور میں اس سے برا مانتی ہوں + بیوقوف! میں نے جب یہ کہا تھا کہ مقدونیہ کا سکندر میرے زمانے میں تھا تو میری مراد تھی کہ اس زندگی کے پہلے دور میں وہ میرا ہمعصر تھا + ہاں اس زندگی سے پہلی زندگی میں اور میں اس سے تیس سال بعد تک زندہ رہی + ہم دونو کی پیدائش ایک ہی سال کی تھی! اور میں اسے اچھی طرح جانتی تھی۔ کیونکہ اس کے زمانے میں میں خطاب الٰہی تھی ور اپنی لڑائیوں کے متعلق وہ مجھ سے اکثر مشورہ لیا کرتا تھا۔ اور میرے ہی مشوروں پر اس کی فتوحات کا مدار تھا۔ اس کے بعد ہم میں جھگڑا ہو گیا اور میں اسے چھوڑ کر رتنان کے ساتھ دوسری طرف چل دی سی دن سے سکندر کے نصیبہ نے سکندری کھائی ❞

اس پر ابین نے مضطربانہ انداز سے ایک سیٹی کی سی آواز نکالی + ے نے خوف آمیز خیالات اور ان اعتراضات کو جو بوڑھے راہب کاہن

کی گفتگو کی یاد نے میرے دل میں پیدا کئے تھے دبا کر سوال کیا:۔
"اور عذرا تجھے وہ تمام واقعات یاد ہیں؟ جو تجھے اس زندگی میں پیش آئے؟"
عذرا "نہیں۔ اچھی طرح نہیں۔ صرف بڑے بڑے واقعات یاد ہیں۔ وہ بھی صرف اس طرح کہ میں نے انہیں اپنے اس علم کے زور سے حاصل کئے ہیں جسے تو باطن بینی کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ مثلاً حنیف مجھے یاد ہے کہ تو بھی اس زمانے میں موجود تھا۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک بدصورت فلسفی تھا۔ جس کا لباس میلا تھا اور ہر وقت شراب اور دانائی سے بھرا رہتا تھا۔ ایک دن وہ سکندر سے کسی بات میں اُلجھ پڑا اور بحث نے اتنا طول کھینچا کہ سکندر کو غصہ آگیا۔ اسے جلا وطن یا شاید غرقاب کرنے کا حکم دے دیا۔"
میں نے سمجھا کہ عذرا مجھے بیوقوف بنا رہی ہے۔ چنانچہ میں نے بھی مذاقیہ طور پر پوچھا کہ کہیں میں دیوجینس کلبی تو نہیں تھا۔ اس پر اس نے کہا:۔
"نہیں۔ میرا خیال ہے کہ دیوجینس تو نہیں تھا۔ تو جس دیوجینس کا ذکر کرتا ہے وہ بہت مشہور آدمی تھا۔ اور وہ واقعی حقیقی فلاسفر تھا۔ اس کے علاوہ وہ شراب کا عادی نہیں تھا۔ مجھے اس زندگی کے ساتھ زیادہ دلچسپی نہیں کم از کم اس سے کم ہے جو بالعموم بدھ مت کے پیروؤں کو ہوتی ہے۔ میں نے اس مت کا بھی کافی مطالعہ کیا ہے۔ اور تو نے بھی اکثر اس کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس زندگی میں ہماری ملاقات نہ ہوئی ہو۔ مجھے صرف ایک واقعہ اور یاد ہے وہ یہ کہ امین! جس ہڈیوں کی وادی میں میں نے تجھے پایا تھا وہ آتش پرستوں اور پہاڑیوں سے رثان کے لشکر کی جس کی ابدا و پہ قانون کے لوگ بھی تھے سخت لڑائی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی آجکل کی طرح ان دونو قوموں میں سخت دشمنی تھی اور موجودہ

جنگ میں صرف تاریخ کا ایک ورق دہرایا جا رہا ہے"۔
ابین "۔ تو ہماری راہنما تو خود تھی"۔
عذرا "۔ ہاں ابین! اور کون ہو سکتا تھا۔ اگرچہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ تو نے مجھے ان خوفناک چیتھڑوں میں نہ پہچانا ہو۔ تاہم میرا ارادہ تو یہی تھا کہ میں عبادت گاہ میں ہی بیٹھی تمہارا انتظار کروں۔ مگر جب مجھے معلوم ہوا کہ تم دو نو شمسہ کے نیچے سے رہائی پا کر قریب آ گئے ہو تو مجھ سے انتظار نہ ہو سکا۔ اور اس نفرت انگیز بہروپ میں تمہیں لینے آ گئی۔ میں تو دریا کے کنارے پر بھی تمہارے پاس تھی۔ اور اگرچہ تمہیں اس کا علم نہیں میں نے وہاں بھی تمہاری جان خطرے سے بچائی تھی۔ ابین! میں تیری صورت دیکھنا چاہتی تھی۔ اور تیرے دل کی وفاداری کا امتحان لینا چاہتی تھی۔ اگرچہ مقررہ وقت تک تجھے میری صورت دیکھنے یا آواز سننے کی اجازت نہ تھی۔ جبکہ اس خوفناک آزمائش میں سے گزر کر تیری وفا کا امتحان ہونا تھا۔ حنیف کے متعلق بھی میں دیکھنا چاہتی تھی کہ دیکھوں اس کی عقل کہاں تک رسائی کرتی ہے۔ اور وہ کس حد تک سچ کے قریب پہنچتا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے اس کی دیکھتی آنکھوں تیرے بٹوے میں سے بالوں کی لٹ نکالی اور رو رو کر دل کا بخار ہلکا کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک حد تک صحیح نتیجہ پر پہنچ گیا۔ مگر تو نے خواب میں مجھے پہچان لیا۔ اور اس صورت میں جانا کہ جس صورت میں اب ہوں۔ نہ کہ جس صورت میں اس وقت تھی۔ اور تیری زبان سے وہ شیریں الفاظ نکلے جو مجھے اب تک اچھی طرح یاد ہیں"۔
ابین "۔ تو اس کفن کے نیچے تیرا ہی خوبصورت چہرہ تھا جو آجکل میری آنکھوں کے سامنے ہے"۔
عذرا۔ شاید یہی ہو۔ مگر اصل چیز تو روح ہے۔ لیکن مرد عموماً اپنی جبلی حماقت کی وجہ سے اس کے برعکس سمجھتے تھے۔ ممکن ہے کہ میری صورت صرف وہی ہو جو تیرے تصور نے بنا رکھی ہے۔ یا جو میں تیری قوت ارادی سے

تیری آنکھوں کو دکھاتی ہوں۔ . . . وہ دیکھو جاسوس واپس آ رہے ہیں"۔

عذرا کے یہ کہتے ہی ہمیں دور سے کچھ شور سنائی دیا۔ تھوڑی دیر میں ہم نے دیکھا کہ کچھ سوار ہمارے ہراول کے قریب پہنچے ہیں۔ یہ جاسوس تھے اور یہ اطلاع دینے آئے تھے کہ شمسہ کا ہراول آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا ہے۔ ان کے ساتھ ایک قالون کا سپاہی بھی مقید تھا۔ اس نے سوال کرنے پر بتایا کہ شمسہ کا ارادہ مقدس پہاڑ پر ہم سے دوچار ہونے کا نہیں ہے۔ بلکہ دریا کے پرلے کنارے پر مقابلہ کرنے کا ہے۔ جہاں دریا کا پانی آڑ کا کام دیگا۔ اس فیصلہ سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس کی فوجی ذہانت اعلےٰ پائے کی ہے۔ اسی وجہ سے اس دن کوئی لڑائی نہ ہوئی۔

اس روز ہم تمام دن پہاڑ کی اترائی پر تیزی سے سفر کرتے رہے یہاں تک کہ شام کے قریب ہم اس تیار کئے ہوئے وسیع میدان میں جا پہنچے جو مردہ ہڈیوں کی وادی کے کنارے پر واقع تھا۔ جہاں ہمیں وہ ہماری پُراسرار راہبر ملی تھی۔ جب ہم آ رہے تھے۔ مگر اب اس جگہ پہنچنے کے لئے ہمیں اس سرنگ میں سے گزرنا نہیں پڑا جو بلحاظ طول مسافت میلوں کم تھی۔ مگر لشکر کے گزرنے کے ناقابل تھی۔

بائیں طرف مڑ کر ہم پہاڑ کی ناقابل گزار چوٹیوں کے گرد ہوتے ہوئے اس تاریک وادی کے کنارے پر پہنچ گئے۔ ان چوٹیوں کے نیچے سے وہ سرنگ گزرتی تھی۔ اس جگہ رات کو بلاخوف حملہ ہم آرام کر سکتے تھے اسجگہ عذرا کے لئے صرف ایک خیمہ استادہ کرایا گیا تھا۔ چونکہ لشکر کے ساتھ صرف یہی ایک خیمہ تھا۔ اس لئے لیو اور میں اپنے محافظ دستے کے ساتھ کچھ چٹانوں میں قیام گزیں ہو گئے۔ جب عذرا کو معلوم ہوا کہ ہمارا اس طرح قیام کرنا ناگزیر تھا تو وہ بہت خفا ہوئی۔ اور سامان رسد کے ذمہ دار افسر کو بہت دھمکایا۔ اگرچہ اس غریب کو خیموں کا کوئی علم نہیں

تھا۔

عذرا نے معدن کو بھی الزام دیا مگر اس نے ڈرتے ڈرتے یہ کہا۔ کہ وہ ہمیں کار آزمودہ جنگ جو سمجھتا تھا۔ اس لئے خیموں کی ضرورت نہیں سمجھی۔ سب سے زیادہ وہ اپنی غفلت پر ناراض تھی۔ یہاں تک کہ اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ "تم دونو میرے خیمے میں سو جاؤ۔ کیونکہ مجھے اس آب و ہوا سے کسی نقصان یا تکلیف کا احتمال نہیں" مگر این نے ہنسکر اسے اس بات سے روکا۔ اس سارے قصّے کا انجام یہ ہوا کہ ہم نے باہر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ عذرا نے تو محافظ دستے کی موجودگی کی وجہ سے نقاب تک نہ اُٹھایا۔ کھانا تو کیا تھا۔

اس شام عذرا کے دل پر رنج و الم کی گھٹا چھائی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ گویا نئے نئے توہمات اس کے دل میں پیدا ہو رہے تھے۔ آخر کار اس نے زبردست قوت ارادی سے ان خیالات کو دُور کیا اور آخر کار یہ کہا کہ وہ سو کر اپنی روحانی تکان دُور کرنا چاہتی ہے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس کا جسم کبھی آرام کا محتاج نہ ہوتا تھا۔ ہمیشہ روح کو آرام کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ اس کے آخری الفاظ یہ تھے:۔

"تم دونو بھی آرام سے سو رہو۔ مگر رات کو اگر مجھے ضرورت پیش آگئی تو میں تمہیں مشورے کے لئے بلا لوں گی۔ اس سے حیران نہ ہونا۔ کیونکہ شاید سوتے سوتے میرے ذہن میں کوئی نئی تجویز پیدا ہو اور اس میں تمہارا مشورہ درکار ہو"۔

یہ کہہ کر وہ رُخصت ہو گئی۔ مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ اس کے بعد ہم تینوں پھر کب اور کن حالات میں یکجا ہونگے۔

. . . .

ہم بے حد تھکے ہوئے تھے اس لئے پڑتے ہی مدہوش ہو کر سو گئے دل کو یہ اطمینان تھا کہ چاروں طرف ڈیرے ڈالے ہوئے ہے۔ اس

لئے کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ میری آنکھ آسمان کی طرف ٹکٹکی لگائے لگائے
بند ہو گئی تھی + اس وقت چاند نکل رہا تھا کیونکہ یہ زوالِ ماہ کے ابتدائی
دن تھے ۔ اور ابن بڑبڑا رہا تھا کہ بیشک عذرا سچ کہتی تھی۔ کہ کھلی ہوا
اُن غاروں کی تاریک زندگی کے بعد بہت ہی دل کش ہے + اس کے
بعد مجھے خبر نہیں رہی کہ کیا ہوا + کچھ دیر بعد میری آنکھ سنتری کی آواز
سے کھلی ۔ جس نے کسی کو ٹوکا تھا + تھوڑی دیر سکوت رہا پھر ہمارے
محافظ دستے کے سنتری نے کسی کو ٹوکا ۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ایک
راہب ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا + قریب کی روشن آگ کی شعاعیں اس
کے منڈے ہوئے سر اور چہرے پر پڑ رہی تھیں ۔ میں نے اسے پہچانا کہ
دار العلم کے راہبوں میں سے ایک ہے + اس نے جھک کر سلام کیا۔
اپنا نام بتایا جسے میں نے پہلے سُنا تھا ۔ مگر اب یاد نہیں کیا تھا ۔ اور کہا:۔

”حضور والا! مجھے معدن نے بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میں آپ
سے عرض کروں کہ عزا آپ دونو سے فوراً کچھ باتیں کرنا چاہتی ہے“

ابن جمائی لیتا ہوا اُٹھ بیٹھا اور پوچھا کہ کیا معاملہ ہے + میں نے
ساری بات بتائی تو کہنے لگا کہ بہتر ہوتا اگر صبح تک عذرا ہمیں آرام کرنے
دیتی ۔ پھر کہا:۔

”اچھا حنیف اب کیا چارۂ کار ہے اٹھو چلیں“

اس پر راہب نے جھک کر کہا ”عزا کا حکم ہے کہ حضور اپنے ہتھیار
اور محافظ دستے کو ساتھ لے چلیں“

ابن ”ہیں! اتنے بڑے لشکر کے قلب میں سو قدم کے لئے بھی ہمیں محافظ
دستے کی ضرورت ہے؟“

راہب ”عزا اپنے خیمہ سے نکل کر وادی میں چلی گئی ہے ۔ اور آئندہ
کوچ کا نقشہ دیکھ رہی ہے“

میں ”تجھے یہ کیسے علم ہوا؟“

راہب "مجھے ذاتی علم نہیں۔ معدن نے جو کہا تھا وہ میں نے عرض کر دیا اور یہی وجہ ہے کہ عذرا نے آپ کو محافظ دستہ ساتھ لانے کی تاکید کی ہے۔ کیونکہ وہ اکیلی ہے"

ایمن "کہیں وہ پاگل تو نہیں ہوگئی کہ آدھی رات کے وقت اس سنسان وادی میں پھر رہی ہے۔ مگر اس سے کیا بعید ہے؟"

میں خود یہی سمجھتا تھا کہ عذرا سے کچھ بعید نہیں۔ دنیا میں جو انہونی ہو وہ کر سکتی ہے۔ تاہم میں کچھ نہ رکا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ عذرا نے جاتے ہوئے کہا تھا کہ شاید میں تجھے بلا بھیجوں۔ اس کے علاوہ مجھے یقین تھا کہ اگر اس میں کوئی دھوکا ہوتا تو ہمیں محافظ دستہ ساتھ لانے کی ہدایت نہ ہوتی۔ ہم نے محافظوں کو بلایا جو کل بارہ آدمی تھے۔ اور اپنے تیر اور تلواریں سنبھال کر چل کھڑے ہوئے۔

سنتریوں کی پہلی اور دوسری دونوں قطاروں نے ہمیں ٹوکا۔ ہم نے نشانی کا لفظ بولا اور گزر گئے۔ آخری قطار والے سنتری نے حیرت سے ہمیں دیکھا مگر چونکہ وہ ہمیں پہچان گیا تھا۔ اس لئے اُسے کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور ہم آگے بڑھ گئے۔ آخر ہم وادی میں ایک تنگ اور تیز ڈھلوان راستے سے اترنا شروع ہوئے۔ ہمارا رہبر راہب اس راستے سے بہت ہی واقف معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ بے تکان اس پر سے اترتا جا رہا تھا۔ جب ہم وادی کی تہ کے قریب پہنچے تو ایمن نے مشتبہ لہجہ میں کہا کہ "بھلا یہ بھی کوئی جگہ ہمارے بلانے کی ہے"۔ اور اس کے ساتھ ہی نکاریو کا سردار جو چیتے والے مقدمہ میں بھی ملوث تھا بڑبڑانے لگا۔ میں اس کے الفاظ کو سننے کی کوشش کر رہا تھا کہ سامنے وادی کے اندر کوئی سفید پوش شے چلتی نظر آئی۔ اور ہم نے دیکھا کہ عذرا نقاب پہنے ہوئے سامنے کھڑی تھی۔ سردار نے بھی اُسے دیکھا اور اطمینان کا سانس بھر کر کہا:۔

"عذرا۔ وہ دیکھو عذرا۔"

امین "خیال تو کرو۔ اس مردوں کی جگہ میں وہ کس طرح پھر رہی ہے گویا یہ عیش باغ ہے" اور یہ کہکر تیزی سے آگے بڑھا +

اس مجسمے نے لوٹ کر ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور خود انسانی پنجروں میں سے گزرتی ہوئی آگے بڑھی۔ اور چلتے چلتے سامنے کی بلند پہاڑی کے سائے میں چلی گئی جہاں چاندنی نہیں پہنچ سکتی تھی + اس جگہ برسات میں ایک ندی بہا کرتی تھی۔ اور صدیوں پانی کے گذرنے کی وجہ سے وہاں راستہ سا بن گیا تھا۔ اور مٹی اور ریت جو وہ ساتھ بہا کر لاتی تھی اس طرح سنگلاخ زمین پہ بچھا ہوا تھا جس کی وجہ سے بہت سی ہڈیاں ریت میں دب گئی تھیں +

جب ہم بھی سائے میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ یہاں انسانی ڈھانچوں کی تعداد بہت ہی زیادہ تھی۔ کیونکہ چاروں طرف کھوپڑیاں اور بازوؤں اور ٹانگوں کی ہڈیاں پھیلی ہوئی نظر آتی تھیں + میں نے سوچا کہ بلاشبہ یہ راستہ اوپر کے میدان کو جاتا ہوگا۔ اور کسی زمانۂ سلف کی جنگ میں اس جگہ خوب جم کر تلوار چلی ہوگی۔ جس سے کشتوں کے پشتے لگ گئے ہونگے +

یہاں عذرا رکی اور راستے کو غور سے دیکھنے لگی۔ گویا وہ صبح کو اس راستے سے لشکر لے جانے کی تجویز سوچ رہی ہے + ہم اس کے قریب پہنچے اور ہمارا رہبر راہب بھی ہٹ کر ہمارے محافظ دستے سے مل گیا۔ اور ہمیں اکیلے آگے بڑھنے کو چھوڑ گیا + بات یہ تھی کہ بغیر اجازت عذرا کے قریب ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی + امین مجھ سے چند قدم آگے تھا۔ قریباً سات یا آٹھ گز آگے ہوگا۔ اور میں نے اسے کہتے ہوئے سنا :۔

"عذرا رات کو ایسی جگہ آنے کا کیا کام تھا؟"

اس نے کچھ جواب نہ دیا۔ ادھر کو منہ کیا۔ اپنے دونو بازو پھیلائے۔ اور پھر پہلو پہ گرا لئے + میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اس اشارے سے کیا مراد ہو سکتی ہے کہ ہمارے قرب و جوار سے اندھیرے میں سے عجیب قسم

کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز آئی۔ میں نے پھر کر دیکھا تو بھونچکا سا رہ گیا۔ چاروں طرف انسانی پنجر اپنے ریت کے بستر سے اٹھ اٹھ کر کھڑے ہو رہے تھے۔ میں نے ان کی کھوپڑیاں چمکتی ہوئی ہڈیاں اور خالی پسلیاں دیکھیں۔ بھوتوں کا مرا ہوا لشکر دوبارہ زندہ ہو رہا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ ان کے ہاتھوں میں نیزے بھی تھے۔

میں نے فوراً قیاس دوڑایا کہ یہ عذرا کی فسوں گریوں کا نیا شعبدہ ہے جسے دکھانے کے لئے اس نے ہمیں سوتے سے جگا کر بلایا۔ تاہم مجھے اعتراف ہے کہ میں خوف سے لرزنے لگا۔ دنیا میں بہادر سے بہادر جیری سے جری آدمی بھی قابل معافی ہے۔ خواہ کتنا ہی توہم پرستی سے خالی ہو۔ اگر آدھی رات کے وقت کسی قبرستان میں کھڑے ہوئے اسے تمام قبروں سے مردے نکل نکل کر باہر آتے دکھائی دیں اور اس وقت اس کے اعصاب جواب دے دیں۔ علاوہ ازیں ہمارے نواحی حالات تو ان سے کہیں بڑھ کر خوفناک تھے۔ جن کا کسی مہذب دنیا کے قبرستان میں امکان ہو سکتا ہے۔

لیو نے خوف سے لرزتی ہوئی مگر غصے سے بھری ہوئی آواز میں کہا۔

"عذرا یہ کیا شیطنت ہے؟" مگر عذرا نے جواب تک نہ دیا۔

میں نے پیچھے کی طرف کچھ شور سنا اور پھر کر دیکھا۔ ڈھانچے ہمارے محافظ دستے پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ ان غریبوں کو خوف کے مارے ہتھیار پھینک دئے تھے اور کچھ لوگ زمین پر گر گئے تھے۔ اس پر ان بھوتوں نے اپنے نیزوں سے ان پر وار کئے۔ ان واروں سے وہ بیچارے تڑپ تڑپ کر دم توڑ رہے تھے۔ اس نقاب پوش صورت نے لیو کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا:۔

"اسے پکڑ لو مگر میں حکم دیتی ہوں کہ اسے ضرر نہ پہنچے۔"

اب میں نے آواز پہچانی اور مجھے پتہ لگا کہ عذرا نہیں بلکہ شمسہ ہے۔ اس وقت مگر بہت ہی بعد از وقت مجھے اس پھندے کا پتہ چلا جس میں ہمیں

پھانسا گیا تھا۔ میں نے شور مچایا "فریب ــــــ . . . . . ." مگر ابھی یہ لفظ میری زبان سے نکلا ہی تھا کہ ایک مضبوط اور طویل قامت ڈھاپے نے بڑھ کر میرے سر پر کسی چیز سے ضرب لگائی اور میں خاموش ہو کر زمین پر آ رہا۔ اور اگرچہ میرے بولنے کی قوت سلب ہو گئی تھی مگر میرے حواس کچھ دیر تک قائم رہے + میں نے امین کو کئی آدمیوں سے ہاتھا پائی ہوتے دیکھا۔ جو اسے گرانے کی کوشش کر رہے تھے + اس شدت سے امین لڑ رہا تھا کہ شاید زیادہ قوت خرچ ہونے کے سبب سے اس کے پھیپھڑوں میں کوئی رگ پھٹ گئی اور اس کے حلق سے خون جاری ہو گیا + رفتہ رفتہ میرے حواس جواب دینے لگے یہاں تک کہ امین کو اسی حالت میں دیکھتے دیکھتے میں بیہوش ہو گیا اور سمجھنے لگا کہ میرا وقت آخر آپہنچا +

میں یہ نہ سمجھ سکا کہ میرا خاتمہ فوراً کیوں نہ کر دیا گیا۔ شاید یا تو اُن بہروپئے سپاہیوں نے مجھے مردہ تصور کیا یا میری جان لینے کا بھی حکم نہ ہوگا۔ کم از کم سوائے سر کی ضرب کے مجھے اور کوئی ضرر نہیں پہنچا +



باب بست ودوم

میدان جنگ

پردہ از رخ برفگندی طرح نو انداختی
عالمے را سر بسر میدان محشر ساختی

جب مجھے ہوش آیا تو دن نکل چکا تھا + میں نے آنکھ کھول کر سب سے پہلے متین صورت دیکھی۔ جس نے مجھے کوئی تیز دوائی پلائی تھی اور میرا خوف اس کے اثر سے جوش مار رہا تھا + رفتہ رفتہ میرے دماغ پر سے ایک پردہ سا اٹھنا شروع ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کے قریب عذرا بھی کھڑی ہے + عذرا نے مجھے ہوش آتا دیکھ کر دردناک آواز میں کہا :۔

"بول حنیف خدا کے لئے بول۔ یہاں کیا ہوا ہے۔ تو زندہ ہے مگر میرے دل کا مالک کہاں ہے۔ تو نے اسے کہاں چھپا دیا ہے۔ بول نہیں تو تیری خیر نہیں "+

یہ نظارہ بالکل وہی تھا۔ جو میں نے اس وقت دیکھا تھا۔ جب برف میں دبے ہوئے میرے حواس جاتے رہے تھے + میں نے جواب دیا :۔

"اُسے تو شمسہ لے گئی "+

عذرا "اسے تو شمسہ لے گئی اور تو زندہ رہ گیا "+

میں وہ مجھ پر خفا ہونے کی ضرورت نہیں - اس میں میری کیا خطا تھی -
خود تو نے جاتے جاتے کہا تھا کہ میں شاید صبح سے پہلے تمہیں بلاؤں - اسی کا
نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دھوکا کھا گئے " یہ کہہ کر میں نے مختصر الفاظ میں ساری
داستان کہہ سنائی +

عذرا غور سے سنتی رہی پھر اس جگہ گئی جہاں ہمارے محافظ دستے
کے آدمی مرے پڑے تھے - اور انہیں دیکھ کر کہنے لگی :-

"ان کی قسمت اچھی تھی کہ یہ مارے گئے - حنیف تو نے دیکھا کہ
رحم کا کیا نتیجہ ہوتا ہے - جن لوگوں کی جان بخشی میں نے ایمن کی خاطر کی تھی
وہ ضرورت کے وقت اس کے کام نہ آئے " یہ کہہ کر وہ اسجگہ پہنچی جہاں
ایمن گرفتار ہوا تھا + یہاں ایک تلوار ٹوٹی پڑی تھی - یہ تلوار رثان والی تھی
اس جگہ دو لاشیں بھی پڑی تھیں - ان کے جسم پر سیاہ رنگ کی تنگ پوشاک
تھی - جس پر سر سے پاؤں تک انسانی پنجر کی ہڈیوں کی طرح چونے سے نقش
بنے ہوئے تھے - اور سر پہ بالکل کھوپڑی کی طرح نقش بنے ہوئے تھے
عذرا نے کہا :-

"بیوقوفوں کو بہکانے کے لئے یہ خوب ترکیب تھی - اللہ اللہ شمسہ کو
یہ جرأت ہوئی کہ اس نے عذرا بن کر دھوکا دیا - عذرا کا بہروپ بنایا
دیکھو تو سہی کہ باوجود اس سراسیمگی کے وہ کس شجاعت سے لڑا + حنیف -
اسے کوئی چشم زخم تو نہیں پہنچا - مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اسے ضرور کوئی ضرر
پہنچا ہے - خدا کرے میرا خیال غلط ہو "
میں وہ میرے خیال میں اسے زیادہ ضرر نہیں پہنچا - البتہ اس کے منہ میں
سے کچھ خون جاری تھا - اور بس - وہ دیکھ چٹان پر اس کے قطرے
بہ رہے ہیں "
عذرا - (دانت پیس کر) "میں اس کے خون کے ایک ایک قطرے کے بدلے
سو سو آدمیوں کی جان لونگی - میں اپنی جان کی قسم کھا کر کہتی ہوں " یہ

کیونکہ اس نے آواز بلند کی اور زور سے کہا "اٹھو چلو گھوڑے لاؤ۔ نہیں حنیف تو یہیں ٹھہر۔ ہم نزدیک کے راستے سے جائیں گے۔ جبکہ لشکر وادی کے گرد ہو کر آئیگا۔ معدن! حنیف کی مرہم پٹی کر اور ناشتہ لاکر دے زخم گہرا نہیں۔ اس کے لمبے بالوں نے بچا لیا"۔

چنانچہ معدن نے ایک مرہم سا میرے سر پہ ملا۔ میں اس عرصہ میں کھانا کھاتا رہا۔ تھوڑی دیر میں میرا دماغ اعتدال پہ آگیا۔ کیونکہ گو ضرب کاری تھی مگر ہڈی کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔ جب میں تیار ہو گیا تو گھوڑے آ گئے۔ اور ہم ان پر سوار ہو کر پانی کے راستے سے چڑھائی پر چل دیئے۔ عذرا نے سامنے میدان میں گھوڑوں کے قدموں کے نشانات دیکھ کر کہا:۔

"وہ دیکھو یہاں ایک گاڑی بھی ان کے انتظار میں کھڑی تھی۔ جس میں چار تیز گھوڑے لگے ہوئے تھے۔ آہ شمسہ کی تدبیر بہت گہری اور کارگر چال پر مبنی تھی۔ اور میں اپنی حماقت میں مطمئن ہو کر پڑی سوتی رہی"۔

اس میدان میں پہاڑی قوموں کی فوج جو صبح سے کوچ کر چکی تھی جمع ہو رہی تھی۔ رسالہ تمام و کمال جمع ہو چکا تھا۔ جس میں پانچ ہزار کے قریب سوار تھے۔ اور ہر ایک کے ساتھ ایک ایک فالتو گھوڑا تھا۔ عذرا نے ان کے سرداروں کو مخاطب کیا اور تقریر شروع کی:۔

"عذرا کے پرستارو! اجنبی سردار کو جو میرا مہمان اور منگیتر ہے ایک جھوٹے راہب نے دھوکا دیا اور جال میں پھنسا کر قید کر لیا۔ اب وہ دشمن کی قید میں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ میں اسے چھڑانے کے لئے جلدی چلوں تاکہ کہیں اس پر کوئی آنچ نہ آجائے۔ ہمیں خانم کے لشکر پر حملہ کرنے کے لئے دریا سے پار جانا ہے۔ دریا کو عبور کرتے ہی میں رسالہ کو ساتھ لے کر جاؤں گی۔ کیونکہ آج کی رات قالون میں

شب باش ہونا چاہتی ہوں + معدن تو کیا کہتا ہے - یہ کہ اس کی دیواروں کی حفاظت کے لئے دوسرا جرار لشکر مقرر رہے + مجھے اس کا علم ہے اور اگر وہ لشکر ابھی وہیں ہے۔ تو میں اُسے تباہ کر دوں گی + مجھے مشکوک نگاہوں سے نہ دیکھو یہ سمجھو کہ وہ لشکر مرچکا ہے + سوارو! میرے ساتھ چلو - قوموں کے سردارو تم پیچھے آؤ - اس شخص کی خیر نہیں جو اس لڑائی کے موقع پر پیٹھ دکھائے گا - کیونکہ اس کے حصّے میں موت اور ابدی لعنت آئے گی - مگر بہادروں کو دولت اور عزت ملے گی - ہاں میں وعدہ کرتی ہوں کہ بہادروں کو قانون کی سرزمین ملے گی - تم سب اس دریا کو عبور کرو - یہی تمہارے لئے میرا حکم ہے - میں قلب میں رسالے کو لے کر آتی ہوں - میمنہ اور میسرہ کو بڑھاؤ"

سرداروں نے نعروں سے اس تقریر کا جواب دیا - کیونکہ یہ لوگ پیدائشی جنگجو تھے - اور پشتہا پشت سے جنگ کے دلدادہ تھے - علاوہ ازیں اگرچہ جنگ کا جو طریقہ عذرا نے بیان کیا تھا وہ بظاہر خطرناک نظر آتا تھا مگر انہیں اپنے اس خطاب الٰہی پر پورا اعتماد تھا - اور جبلی طور پر غنیمت کے ہاتھ آنے کے وعدے سے بھڑک اُٹھنے والے تھے +

ایک گھنٹہ کے یلغار کے بعد فوجیں دریا کے کنارے کی دلدلی زمینوں میں پہنچ گئیں - مگر اس سے کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی - کیونکہ اس خشک سالی نے اس دلدل کو بھی خشک بنا دیا تھا - اور اسی وجہ سے دریا بھی ناقابل گزر نہیں رہا تھا - جیسا کہ مجھے خوف تھا - تاہم اس کی پتھریلی تہ اور سامنے کے بلند کنارے کافی رکاوٹ کا باعث تھے - مزید یہ کہ پرلے کنارے پر شمسہ کا لشکر پرے جمائے کھڑا تھا +

اتنے پیدل فوج کے بازو اِدھر اُدھر سے آ آ کر دریا کے کنارے پر پہنچے - رسالہ کے گھوڑے دلدل کا لمبا لمبا گھاس کھانے اور پانی پینے میں مصروف رہے + اس تمام وقت میں عذرا خاموش کھڑی رہی - کیونکہ وہ بھی گھوڑے سے اُتر آئی تھی - تاکہ اس کی سواری کی گھوڑی اور ساتھ

کے دو فالتو گھوڑے پیٹ بھر کر گھاس کھالیں اور پانی پی کر سیر ہو جائیں۔
صرف ایک دفعہ اُس نے باتیں کیں ؛
عذرا "حنیف! تو اس حملہ کو دیوانگی سے تعبیر کرتا ہے۔ کیا تجھے خوف
ہے؟"
میں "نہیں۔ تیری کمان میں بظاہر خوف کی کوئی وجہ نہیں۔ تاہم وہ لشکر
جرار جو سامنے ہے ــــــ"
عذرا "وہ میرے سامنے اس طرح چھٹ جائیگا۔ جیسے ہوا سے بادل چھٹ
جاتے ہیں۔ حنیف! میں تجھے بتاتی ہوں کہ آج تیری آنکھیں وہ تماشا دیکھینگی
جو آج تک دنیا کے پردے پر کسی انسان کی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ تجھے اس
وقت میرے الفاظ یاد آئینگے۔ جب میں اپنی طاقتوں کو آزاد کرونگی۔ اور
تو عذرا کے چاک شدہ نقاب کے ساتھ قالون کی تباہ شدہ فوجوں میں سے
گزرے گا۔ مگر آہ۔ مجھے رہ رہ کر یہ خوف کھائے جاتا ہے کہ کہیں شمسہ
اسے مارنے کی جرأت نہ کر بیٹھے۔ ہائے پھر کیا ہوگا؟"
میں حیران تھا کہ "طاقتوں کو آزاد" کرنے سے کیا مراد تھی۔ مگر میں نے
کہا "اس کا خیال نہ کرو۔ عشق اس کا ہاتھ امین پر اُٹھنے نہ دیگا"
عذرا "حنیف! خدا تیری زبان مبارک کرے۔ تاہم میں جانتی ہوں کہ
امین اسے دھتکار دے گا پھر شاید میری ذات سے اس کی نفرت اور
رقابت کی آگ اس کے عشق پر غالب آجائے۔ اگر خدانخواستہ یہ ہوا۔ تو
میرے انتقام کا کیا فائدہ ہوگا؟ حنیف! تو کچھ اور کھا پی لے۔ میں تو جب
تک قالون کے محل میں نہیں پہنچ جاؤنگی ایک دانہ تک کھانا حرام سمجھتی ہوں
ذرا زین اور لگام کو بھی غور سے دیکھ لینا۔ کیونکہ آج کی منزل سخت اور
دراز ہے۔ تو امین کے گھوڑے پر سوار ہو جا کیونکہ یہ اچھی نسل کا جانور ہے،
اگر یہ مرگیا تو دوسرا فوراً آجائیگا"
میں نے حتے الوسع عذرا کے احکام کی تعمیل کی اور سر کو پانی میں دھو

کر معدن کی امداد سے دوائیں تر کر کے ایک پٹی سر پہ باندھ لی۔ جس سے مجھے معتدبہ سکون حاصل ہؤا + بات یہ بھی تھی کہ انتظار کی شدید گھڑیوں اور آنے والے واقعات کے خیال نے مجھے اپنی تکلیف بھلا دی تھی +

اس وقت عذرا آسمان کی طرف منہ اُٹھائے خاموش کھڑی تھی اور اگرچہ نقاب کی وجہ سے اس کا چہرہ نظر نہیں آتا تھا۔ مگر میں اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس کی نگاہیں پہاڑ کی چوٹی سے اوپر آسمان سے لگی ہوئی ہیں۔ مجھے یہ بھی یقین تھا کہ وہ اپنی زبردست قوت ارادی کا اثر کسی نامعلوم شے پر ڈال رہی ہے۔ کیونکہ اس کا جسم اس طرح کانپ رہا تھا جیسے تیز ہوا میں نرسل کانپتا ہے +

یہ صبح بھی عجیب تھی۔ خنکی کے ساتھ مطلع بالکل صاف تھا۔ چاروں طرف خاموشی طاری تھی۔ ہوا میں ایسا سکون تھا جیسا برف باری سے پہلے ہؤا کرتا ہے۔ اگرچہ موسم کے لحاظ سے ابھی برف باری کی کوئی توقع نہیں تھی + ایک آدھ دفعہ مجھے محسوس ہؤا کہ کل کائنات لرز رہی ہے۔ لیکن یہ لرزنا زلزلہ کی صورت میں نہیں تھا۔ کیونکہ زمین کے ساتھ ہوا تک میں ارتعاش پیدا ہوتا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ زمین اور فضا کُل کی کُل ایک جاندار جسم ہے جو کسی کے خوف سے کانپ رہا ہے +

میں نے عذرا کی نگاہ کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پہ دیکھا تو مجھے وہاں سیاہ رنگ کے غلیظ بادل جمع ہوتے ہوئے دکھائی دئے۔ اور ہر بادل کا کنارہ آتشیں گوٹ سے مزین تھا + میں نے ان ڈراؤنے بادلوں کو دیکھ کر ڈرتے ڈرتے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ موسم تبدیل ہونے والا ہے۔ عذرا نے جواب دیا:-

"ہاں۔ رات سے پہلے پہلے موسم میرے دل کی وحشت سے زیادہ وحشت سے بھر جائیگا + اب قانون والے پانی کے لئے دُہائی نہیں دینگے حنیف جلدی سے سوار ہو۔ اب یلغار شروع ہونے والا ہے" اور یہ

کہکر وہ بھی فوراً اس گھوڑے پر سوار ہوگئی جو معدن لئے کھڑا تھا +

اس کے بعد پانچ سواروں کے جھرمٹ میں ہم دریا کے کنارے کیطرف چلے + جب ہم کنارے پر پہنچے تو میں نے دیکھا کہ پہاڑیوں کے دو دستے ہمارے دائیں بائیں نصف میل کے فاصلے پر دریا میں اتر چکے تھے - دیکھ کر تو میں ان کا انجام کچھ نہ معلوم کر سکا - مگر بعد میں معلوم ہوا کہ دونو طرف زبردست کشت وخون کے بعد وہ دوسرے کنارے پر پہنچ ہی گئے +

خانم کی فوج کا اصلی حصہ عین ہمارے سامنے جمع تھا - سامنے کنارے پر پرے کے پرے جمے ہوئے تھے اور چیدہ چیدہ مسلح بہادر آدمی کمر تک پانی میں اترے کھڑے تھے ! اور اس بات پر آمادہ تھے کہ ہمارے قریب پہنچتے ہی ہمارے گھوڑوں کو بھالوں کا نشانہ بنا ڈالیں +

اس وقت ہمارے ہراول کے بہادروں نے شیرانہ نعرہ لگایا - اور پانی میں کود پڑے + ہم ابھی کنارے پر ہی تھے کہ وہ دریا میں کھڑے ہوئے پیدلوں سے الجھ پڑے + یہ خونریزی جاری تھی کہ معدن نے آکر بتایا کہ رات کے وقت دشمن کے پڑاؤ میں سے شمسہ اور سمیری ایلن کی مشکیں باندھے ایک رتھ پر سوار کئے تیزی سے قاؤن کی طرف گئے ہیں +

عذرا: "مجھے سب معلوم ہے - اب باتوں کا وقت نہیں"

معدن ادب سے پیچھے ہٹ گیا - ہمارے دستے کنارے پر جا پہنچے اگرچہ بیسیوں کھیت رہے - مگر کنارے پر قدم رکھنا تھا کہ دشمن کی فوج نے یکایک حملہ کیا اور بہت سوں کو مار کر انہیں پھر پانی میں دھکیل دیا - انہوں نے تین دفعہ حملہ کو روکیا - مگر تینوں دفعہ اسی طرح دھکیل دئے گئے آخر عذرا پر اضطراب طاری ہوا - اور کہنے لگی :-

"انہیں سردار کی ضرورت ہے اور میں خود ان کے آگے جاؤنگی - آ - حبیب میرے ساتھ آ" اور یہ کہہ کر سواروں کا لشکر ساتھ لئے ہوئے

کچھ دور پانی میں چلی گئی۔ اور یہاں تھوڑی دیر انتظار میں رُکی۔ یہاں تک کہ ہمارے ہراول کی سپاہ شکستہ ہو کر ہمارے ساتھ آملی۔ معدن نے میرے کان میں کہا:۔

"یہ کیا دیوانگی ہے۔ عذرا ماری جائیگی"

میں "اچھا؟ تمہارا یہ خیال ہے؟ تو پھر ہم کیا بچینگے؟"

میرے اس کہنے پر معدن کو ہنسی آگئی۔ معدن کیسا ہی نرم دل تھا۔ مگر اس میں بہادری کا جوہر موجود تھا۔ علاوہ ازیں مجھے یقین تھا کہ وہ اپنی مالکہ کے متعلق میرے یقین کا اندازہ کر رہا تھا۔ گو وہ جانتا تھا کہ اُسے کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

عذرا نے اپنا ہتھیار سے خالی ہاتھ اوپر اُٹھایا اور آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ اس اشارے کو پاتے ہی تمام فوج نے ایک طویل نعرہ لگایا۔ اور اس کے شور میں اس نازک بدن عورت نے اپنے گھوڑے کو کچھ کہا جسے سنتے ہی وہ پانی میں کود گیا اور آگے بڑھا۔ دو لمحہ کے بعد تیروں اور بھالوں کی ہم پر اس قدر بوچھاڑ ہوئی کہ آسمان نظر آنا بند ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ دائیں بائیں گھوڑے اور سوار مر مر کر گر رہے تھے۔ مگر عذرا یا میرے جسم تک کوئی شے نہ پہنچتی تھی۔ پانچ منٹ کے بعد ہم سامنے کے کنارہ پر پہنچ گئے۔ اور اس جگہ معرکے کی لڑائی ہوئی۔ اور خوب جم کر تلوار چلی۔

اُف کس غضب کا ہنگامہ تھا۔ مگر عذرا کی سفید قبا کے دامن انگل بھر پیچھے ہٹنا نہ جانتے تھے۔ اور جس طرف وہ اُڑتے ہوئے نظر آتے تھے۔ لوگ اس کے پیچھے پہنچتے تھے یا اس کوشش میں مارے جاتے تھے۔ آخر ہم کنارے پر پہنچے چاروں طرف دشمن کا ہجوم تھا۔ سینے سے سینہ بھڑا ہے ہم چیونٹی کی چال آگے بڑھ رہے تھے۔ جیسے کوئی کشتی دریا کے مخالف رُخ پر ملاحوں کی قوت کے مطابق آہستہ آہستہ بڑھتی ہے۔ اسی طرح

ہم بڑھ رہے تھے + ہاں ہم آگے ہی آگے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ دشمن کی صفیں جو اب تک آپس میں گھتی ہوئی تھیں۔ کچھ ہلکی ہونا شروع ہوئیں۔ اور سواروں کی یہ زندہ میخ ان کے اندر سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی + رفتہ رفتہ یہ صفیں بھی ٹوٹیں۔ بکھریں اور پیچھے رہ گئیں + ہم دشمن کے قلب کو توڑ کر پار آگئے تھے۔ اور پیچھے پہاڑی فوجوں کو چھوڑ آئے تھے تاکہ اُن کے باقی ماندہ حصے کو الجھائے رکھیں۔ اور اسی طرح آگے بڑھتے رہیں + نصف میل کے قریب آگے بڑھ کر ہم سب جمع ہوئے۔ بہت سے کھیت رہے تھے اور ان سے زیادہ تعداد میں زخمی ہو گئے تھے۔ مگر عذرا نے حکم دیا کہ جو لوگ زیادہ مجروح ہیں وہ تو پیچھے رہ جائیں اور اپنے گھوڑے اُن گھوڑوں کے بدلے میں دے دیں جو مارے گئے تھے۔ یہ انتظام فوراً ہو گیا۔ اور ہم قالون کی طرف بڑھے۔ اب ہماری تعداد تین ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ سامنے غیر محدود میدان تھا۔ پہلے ہم قدم قدم چلے پھر پوییٹے ہو گئے۔ آخر کار گھوڑوں کو سرپٹ اُڑاتے ہوئے چلے۔ یہ راستہ اس سے بہت چھوٹا تھا۔ جس کے ذریعہ میں اور لین خان کے کتوں سے بچ کر بھاگے تھے۔ یہاں تک کہ دوپہر کے قریب یا ذرا اس کے بعد ہمیں دُور فاصلے پہ اپنی پہاڑی پر آباد قالون کا شہر نظر آنے لگا +

اس جگہ ایک پانی کا تالاب تھا۔ جس میں کچھ پانی باقی تھا۔ چنانچہ اس کے کنارے پڑاؤ کا حکم ملا۔ لوگوں نے گھوڑوں کو پانی پلایا اور خود باجرے کی روٹیاں اور بھنا ہوا گوشت جو ساتھ لائے تھے کھایا + یہاں ہمیں کچھ اور جاسوس ملے۔ جنہوں نے بتایا کہ شمسہ کی عظیم الشان فوج شہر کے پلوں پر جمی کھڑی ہے۔ اور اس قلیل تعداد سے ان پر حملہ کرنا تباہی کے مترادف ہے۔ مگر عذرا نے ان کے الفاظ کی پرواہ بھی نہ کی بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ اس نے سُنا ہی نہیں + اس نے صرف اس قدر حکم دیا کہ تھکے ماندے گھوڑے

چھوڑ دئے جائیں اور تازہ دم گھوڑوں پر سوار ہو کر کوچ کی تیاری کی جائے +

غرض ہم روانہ ہوئے اور مسلسل کئی گھنٹے تک چپ چاپ چلے گئے اور سوائے گھوڑوں کی ٹاپ کے اور کوئی آواز ہمیں سنائی نہ دیتی تھی عذرا بالکل خاموش تھی اور اس کا محافظ دستہ بھی مہر بلب تھا۔ البتہ وہ کبھی کبھی پیچھے پھر کر دیکھتے تھے اور اپنے خونی نیزوں سے سرخ آسمان کی طرف اشارہ کرتے تھے +

میں نے بھی پیچھے پھر کر دیکھا اور جو کچھ میں نے دیکھا میں کبھی نہیں بھول سکتا + سرخ رنگ کے مہیب بادل گھر کر اس کثرت سے جمع ہو گئے تھے۔ کہ ان کے نیچے میدان تاریک دکھائی دیتا تھا۔ یہ ابر ایک سرخ پوش فوج کی طرح آسمان پر بڑھتا چلا آ رہا تھا + سامنے کے درخشاں کناروں سے بخارات برچھیوں کی طرح بڑھ بڑھ کر آگے نکلتے تھے۔ ان کی تیزی تلوار کی چمک اور اسپ بادپا کی تگاور سے مشابہ تھی +

ابر کے نیچے فضا مطلقاً ساکن تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مردہ زمین پر ابر کا سیاہ کفن لپٹتا چلا آ رہا ہے + قالون کی بستی پر روشنی پڑ رہی تھی اور جوں جوں ہم آگے بڑھتے تھے۔ شہر قریب آتا دکھائی دیتا تھا + دشمن کے جاسوس گھات سے نکل نکل کر اپنی برچھیاں ہلاتے ہوئے ہمارے سامنے سے شہر کی طرف بھاگے جاتے تھے۔ اور ان کے تمسخر آمیز قہقہوں کی آواز گونج کر ہمارے کانوں تک پہنچتی تھی +

اب ہمیں قالون کا عظیم الشان لشکر پرے کے پرے جمائے کھڑا نظر آیا + ان کے ریشمی علم ساکن ہوا میں غیر متحرک لٹک رہے تھے اور سامنے کی طرف سوار چمکدار زرہیں پہنے لشکر کو عقب میں لئے کھڑے تھے +

اس وقت چند سفیر سامنے سے آئے اور عذرا کے اُٹھے ہوئے

ہاتھ کا اشارہ پاکر ہم ٹھہر گئے۔ اس سفارت کا صدر ایک درباری ترک تھا۔ جس کو میں پہچانتا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو روکا اور دلیرانہ انداز میں کہا:۔

"عذرا! شمسہ کا پیغام سن اور غور کر۔ تیرا پیارا اجنبی سردار شمسہ کے محل میں قید ہے۔ اگر تو نے پیش قدمی کی تو ہم تجھے اور تیری قلیل فوج کو تباہ کر دیں گے۔ اور اگر قسمت سے تو نے فتح بھی پالی تو وہ زندہ نہیں بچے گا۔ جا اپنے پہاڑ پر راہبانہ زندگی بسر کر۔ شمسہ تجھے امان دیتی ہے اور تیری رعایا کی جان بخشی کرتی ہے۔ بول خانم کے پیغام کا کیا جواب ہے؟"

عذرا نے معدن کے کان میں کچھ کہا جس پر معدن نے بہ آواز بلند کہا:۔

"اس کا کوئی جواب نہیں۔ اگر جان کو عزیز جانتے ہو تو جاؤ۔ موت تمہارے سر پر کھیل رہی ہے۔"

یہ سنتے ہی وہ واپس لوٹے اور ان کے بادرفتار گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ لیکن عذرا کچھ دیر تک خیالات میں مستغرق کھڑی رہی۔

دفعتاً وہ پلٹی اور اس کے باریک نقاب میں سے میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سفید اور خوفناک تھا۔ اور اس کی آنکھیں جھلائی ہوئی شیرنی کی طرح چمک رہی تھیں۔ اس کے دانت سختی سے بند تھے اور اس نے بمشکل مجھ سے یہ الفاظ کہے:۔

"حنیف! دہان دوزخ میں پھاندنے کو تیار ہو جا۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر ممکن ہوتا تو میں ان کو بخش دیتی۔ مگر میرا دل بادۂ جرأت سے بےہوش ہو رہا ہے۔ اور ایمن کو زندہ سلامت دیکھنے کے لئے ضروری ہے کہ رحم کو بالائے طاق رکھ کر اپنی تمام مخفی قوتوں کو کام میں لاؤں۔

حنیف! بخدا وہ لوگ ابین کے قتل کے درپے ہیں۔"
اس کے بعد اس نے آواز کو بلند کر کے کہا "سپہ سالارو! کچھ خوف نہ کرو۔ اگرچہ تم تعداد میں قلیل ہو۔ مگر تمہاری پشت پر لاکھوں کی قوت ہے۔ اب عزا کے پیچھے چلو اور راستے میں خواہ کوئی افتاد پڑے قطعاً خیال تک نہ کرنا۔ یہی الفاظ تمام سپاہیوں کو سنا دو کہ وہ بخوف سامنے کی فوج سے گزر کر پل پر سے ہوتے ہوئے قالون کے شہر تک عزا کا ساتھ دیں۔"
سرداروں نے اِدھر اُدھر جا کر سپاہیوں کو عذرا کا حکم سنایا۔ اور پہاڑی قوموں کے لوگوں نے جواب دیا:۔
"ہاں! ہم لوگ جنھوں نے پانی میں تیرا ساتھ نہیں چھوڑا۔ میدان میں بھی تیری رفاقت سے منہ نہ موڑیں گے۔"
عزا "چل تاریکی بڑھتی جاتی ہے۔"
اس پر چند احکام کی متابعت میں رسالہ ایک مثلث کی صورت میں مرتب ہو گیا۔ جس کی راس پر سب سے آگے عذرا بہ نفس نفیس خود اپنے سفید گھوڑے پر سوار تھی۔ اگرچہ میں اور معدن اس کے دائیں بائیں تھے تاہم باوجود انتہائی جد و جہد کے ہمارے گھوڑے عذرا کی رکاب سے آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ اس تاریک ہجوم کے سامنے اس کا سفید پوش جسم نمایاں طور پر چمک رہا تھا۔ جیسے کسی تاریک پانی کی بڑی لہر پر برف کا گالا تیر رہا ہو۔
نفیری کی ایک سمع خراش آواز سنائی دی اور سیلاب کی رو کی طرح درختوں کے جھنڈیں سے دونوں طرف سے دشمن کے رسالہ کے بازو بڑھ کر ہمیں گھیرتے ہوئے دکھائی دئے۔ چونکہ سامنے کے لشکر کے قلب کا دل بادل ہاتھوں میں نیزے لئے ہوئے اس طرح آگے بڑھا جیسے بڑی بلند لہر موج مارتی ہے جس کے اوپر سورج کی روشنی میں چمکتا ہوا

جھاگ موجود ہو اور ان کے پیچھے لاتعداد سپاہیوں کا عظیم الشان لشکر شانے سے شانہ ملائے آمادۂ پیکار کھڑا تھا +

موت کا نقشہ ہماری آنکھوں میں پھر گیا اور معلوم ہوتا تھا کہ ہمارا مٹھی بھر رسالہ کوئی دم کا مہمان ہے +

عذرا نے اپنا نقاب کھینچ کر اتار دیا اور ہاتھ میں لیکر اوپر کو اٹھایا + سفید علم کی طرح یہ نقاب پیچھے کو اڑ رہا تھا۔ اور میں نے جو آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ عذرا کی پیشانی پر وہ نورانی شعلہ کا تاج اور کلغی چمک رہی تھی جو میں نے پہلے صرف ایک دفعہ دیکھی تھی +

اوپر آسمان پر ابر زیادہ غلیظ ہوتا جا رہا تھا۔ عذرا کی پیشانی کا نور زیادہ درخشانی اختیار کر رہا تھا۔ اور دس ہزار گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں زیادہ شور پیدا ہو رہا تھا۔ کہ یکایک پیچھے کی ناف آتش فشاں پہاڑ کے دہانے سے ایک شعلے کی چادر بلند ہوئی۔ اس میں سے آگ کے فوارے اس طرح نکل رہے تھے گویا آتش بازی چل رہی ہے +

تمام نظارہ خوفناک تھا۔ سامنے قالون کے مینار غروب ہونے والے غضبناک سورج کی روشنی سے سُرخ نظر آتے تھے۔ اوپر کسوف شمس کی طرف تاریکی چھا رہی تھی۔ ادھر اُدھر اندھیرے میں آتا ہوا میدان تھا۔ اور اس میدان پر ایک طرف سے شمسہ کا لاتعداد لشکر چڑھتا آ رہا تھا اور دوسری طرف سے ہمارے مٹھی بھر سوار مثلث کی شکل میں نوک کی طرف سے میخ کی طرح آگے بڑھ رہے تھے جن کا انجام بظاہر اسباب خوفناک تباہی کے سوا کچھ نہ تھا +

عذرا نے باگ چھوڑ دی۔ اور دونوں بازوؤں کو اس طرح اوپر نیچے حرکت دی گویا آسمان کو اشارہ کر رہی ہے۔ سفید ہوا کا پھریرا ہوا میں تڑپ رہا تھا + آنِ وحدت میں تاریک آسمان کی طرف سے اس اشارے کا جواب ایک چمکتے ہوئے بجلی کے شرارے کی صورت میں ملا۔ جو بادلوں

کے سیاہ مہیب ہاتھوں میں پھریرے کی مانند ہی تڑپ رہا تھا ✦

اس وقت عذرا نے اپنی قوتوں کے غیض و غضب کی بجلیاں قاوون والوں پر گرانی شروع کیں ✦ اس نے ایک نعرہ لگایا اور عجب خوفناک عذاب کا نزول شروع ہوا - جس کا مشاہدہ نہ آج تک کسی انسانی آنکھ نے کیا ہے نہ آئندہ کر سکے گی ✦ بادِ تند کے غضبناک جھونکے ہمارے قریب سے گزرتے ہوئے آگے بڑھے - جن کی طاقت کے سامنے پتھر اور چٹانیں پروں کی طرح اڑے جاتے تھے ✦ ان کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش اور اولوں کا طوفان شروع ہو گیا - جس کی تیزی اور سختی ہمیں بجلی کے مسلسل تڑپنے سے دکھائی دیتی تھی - جس کی آڑی ترچھی لہریں آسمان سے زمین کی طرف اور زمین سے آسمان کی طرف لگاتار چل رہی تھیں ✦

واقعی عذرا نے جو کہا تھا صحیح تھا - باد و باراں کا یہ طوفان! اولوں اور بجلی کے یہ حملے سراسر دوزخ کا نقشہ آنکھوں میں پھرائے دیتے تھے - مگر تعجب یہ تھا کہ اس دوزخ میں ہم بے تکلف اور بلا خوف و ضرر آگے بڑھتے جا رہے تھے - کیونکہ طوفان کا زور شور ہم سے چند قدم آگے ہی آگے رہتا تھا ✦ نہ کوئی تیر چلا نہ کسی نیزے کو خون آلود ہونے کا موقعہ ملا - یہ ژالہ باری جس میں دندانہ دار اولے برس رہے تھے - گویا ہماری نقابت کر رہی تھی ✦ برقی لہریں جن کے صدمے سے آدمی مر مر کر گر رہے تھے - ہمارے نیزے اور تلواریں تھیں جبکہ ہوا کا شور لمحہ بہ لمحہ ترقی پر تھا! اور اس کی آواز مختلف قسم کے شور برپا کر کے ایک خوفناک دل ہلا دینے والے نعرے کی صورت اختیار کر لیتی تھی - جس کا بیان کرنا امکان سے باہر ہے ✦ دشمنوں کے متعلق صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ غائب ہوتے ہوتے بالکل نظروں سے پنہاں ہو گئے ✦

اس وقت اندھیرا حد سے فزوں تھا - اور تاریک سے تاریک رات کے مشابہ تھا - تاہم بجلی کی تیز روشنی میں کبھی کبھی وہ ادھر ادھر منتشر

حالت میں بھاگتے دکھائی دیتے تھے۔ اور باوجود طوفان و شورِ عناصر کے ان کی دردناک آوازیں اور واویلا سنائی دیتی تھی + میں نے گھوڑوں اور سواروں کو غلط ملط زمین میں گرتے اور لوٹتے دیکھا + میں نے ان کی پیدل فوج کے دستوں کو زمین میں گرتے اور اکیلے اکیلے اور کئی کئی آدمیوں کو ہوا کے سامنے خزاں کے پتوں کی طرح اڑتے دیکھا + یہاں تک کہ آسمانی برچھیوں نے انہیں مار مار کر ہمیشہ کے لئے خاموش اور ساکت کر دیا + میں نے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ہوا کے سامنے جھکتے پھر جڑوں سے اکھڑ اکھڑ کر غائب ہوتے دیکھے + میں نے دیکھا کہ قالون کی فصیل اور شہر کی دیواریں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اڑ رہی ہیں اور اندر کے مکانوں میں آگ لگ گئی ہے۔ یہ آگ بارش کی طوفانی بوچھاڑ میں بجھتی ہے اور پھر بھڑک اٹھتی ہے + میں نے دیکھا۔ ہمارے سروں پر تاریکی پر پھیلا کر آتی ہے اور جب میں نگاہ اٹھاتا ہوں تو وہ شعلوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں جو تڑپتے تڑپتے میں اڑ کر غائب ہو جاتے ہیں +

آہ۔ تاریکی۔ انتہا درجہ کی سیاہی۔ ہنگامہ۔ موت۔ دہشت! میرے نیچے تھکا ہوا گھوڑا ہانپ رہا تھا۔ اور میرے پہلو پر عذرا کی پیشانی کی نورانی کلغی چمک رہی تھی۔ اور اس شور و شغب میں ایک سریلی فتحمندانہ آواز میں مجھے یہ الفاظ سنائی دئے:۔

"میں نے تجھ سے خوفناک موسم کا وعدہ کیا تھا۔ حنیف! اب تو تجھے اس کا یقین ہو گیا ہوگا کہ میں دنیا کی محبوس و خفتہ طاقتوں کو جگا کر آزاد کر سکتی ہوں"

. . . .

دیکھتے دیکھتے یہ سب کچھ غائب ہو گیا + اوپر شام کی ختم ہوتی ہوئی روشنی میں صاف اور شفاف آسمان چمک رہا تھا۔ اور عین ہمارے سامنے خالی پل اور اس سے پرے قالون کا آتش زدہ شہر دکھائی دے رہا تھا مگر

آہ! شمسہ کا وہ عظیم الشان لشکر کہاں گیا؟ اس کا جواب صرف اردگرد کی چند پُر قبریں
اور اُجڑی ہوئی زمینیں دے سکتی ہیں۔ جہاں کشتوں کے پشتے لگے
پڑے ہیں +

بایں ہمہ ہمارے پہاڑی رسالے کا ایک متنفس بھی ضائع نہیں ہوا تھا
وہ ہمارے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ ان کے چہروں پر سفیدی چھائی ہوئی
تھی۔ ان کے جسم بید کی طرح کانپ رہے تھے۔ گویا وہ خود موت سے ہاتھا
پائی کر کے اسے شکست دے کر آئے ہیں۔ مگر ان کے ہر انداز سے فتح مندی
نمایاں تھی +

پل کے بلند دروازے پر پہنچتے ہی عذرا نے اپنا گھوڑا ٹھہرایا۔ اس
کا رخ رسالہ کی طرف پھیرا۔ اور ایک لمحہ کے لئے اپنے خیر مقدم میں خاص
مغرورانہ انداز میں کھڑی رہی + اس قوم کے لئے یہ پہلا اور آخری موقع
تھا کہ عذرا کے بے نقاب چہرے پر ان کی نگاہیں پڑ رہی تھیں + اس کے
درخشاں چہرے اور نورانی کلغی کو دیکھتے ہی ان لوگوں کی زبان سے ایک
نعرہ بلند ہوا جس کے غریو کی مثال شاید دنیا نے پہلے کبھی نہ سُنی ہو + سب نے
بیک آواز چلا کر کہا :-

"دیوی - دیوی قابل پرستش دیوی !!!"

اسی وقت عذرا نے پھر گھوڑے کا رُخ پھیرا اور آگے بڑھی + رسالہ
اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے شہر کے سیدھے بازار میں سے ہوتا ہوا
اس کے انجام پر عین محل سرائے تک پہنچا +

جب ہم محل سرائے کے دروازے پر پہنچے تو سورج غروب ہو
چکا تھا۔ محل کے صحن میں۔ محل کے چاروں طرف سناٹا تھا۔ البتہ سوائے
بھڑکتے ہوئے آگ کے شعلوں ... سگان موت کے بھونکنے کی آواز کے
کسی آواز کی نمود نہ تھی +

عذرا گھوڑے سے اتری اور سوائے میرے اور صعدن کے سب

کو ٹھہرنے کا اشارہ کر کے تیزی سے دروازے میں سے ہوتی ہوئی محل کے کمروں کی طرف بڑھی ۔ تمام کمرے خالی اور سنسان پڑے تھے مکان کے مکین یا فرار ہو گئے تھے یا شکار اجل ہو گئے تھے ۔ مگر عذرا کے دل میں نہ کسی قسم کے شبہات پیدا ہوئے نہ اس کے قدم رکے ۔ وہ اس تیزی سے بڑھی جا رہی تھی کہ ہم دونو بمشکل ساتھ دے سکتے تھے ۔ تیزی سے وہ ان پتھریلی سیڑھیوں پر چڑھی ۔ جو محل کے بلند ترین بالاخانہ کو جاتی تھیں ۔ ہم اوپر چڑھتے گئے ۔ یہاں تک کہ اس کمرے میں پہنچے جہاں ساحر سمبری ستارہ شناسی کیا کرتا تھا ۔ اور خود رہا بھی کرتا تھا ۔ اور جس میں شمسہ نے ہمیں موت کی دھمکی دی تھی ۔

اس کا دروازہ بند تھا ۔ مگر عذرا کے آتے ہی بلکہ یوں کہو کہ عذرا کا سایہ پڑتے ہی اس کی چٹخنیاں اور زنجیریں تار عنکبوت کی طرح ٹوٹ کر بکھر گئیں ۔ تالے کھل گئے اور تختے خود بخود کھل کر اندر کو دھس گئے اب ہم چراغ سے روشن کمرے کے اندر تھے ۔ اور جو کچھ ہم نے دیکھا یہ تھا ۔ کہ ایک کرسی میں دست و پا بستہ امین بیٹھا تھا ۔ اگرچہ اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی مگر بظاہر اس کے غرور اور تمکنت میں کوئی کمی نہ تھی ۔ بوڑھا ساحر ہاتھ میں خنجر لئے ــــــ بلکہ اس پر وار کرنے کے لئے خنجر تولے کھڑا تھا ۔ اور قریب ہی فرش پر شمسہ خانم قالون کی لاش پڑی تھی ۔ جس کے چہرے پر باوجود موت کے بادشاہت ٹپک رہی تھی ۔

عذرا نے انگلی سے اشارہ کیا ۔ اور سمبری کے ہاتھ سے خنجر سنگ مرمر کی زمین پر گر گیا ۔ اور دیکھتے دیکھتے سمبری کی یہ حالت ہو گئی گویا وہ پتھر کا بنا ہوا ہے ۔ اور قطعاً بے حس و حرکت کھڑا کا کھڑا رہ گیا ۔

عذرا نے جھک کر خنجر اٹھایا اور پھرتی سے امین کے ہاتھ پاؤں

کے بند کھول دئے۔ اور پھر گویا تکان سے عاجز آکر ایک قریب کی بنچ پر بیٹھ گئی + امین اپنی جگہ سے اٹھا اور حیرت کی نگاہوں سے اپنے گردوپیش دیکھا۔ پھر ماندہ اور بھرّائی ہوئی آواز میں کہا :-

"عذرا! عین وقت پر پہنچی! ایک لمحہ اور گزرتا تو یہ خونی کتا ـــــ سمبری کی طرف اشارہ کیا ـــــ خیر جو کچھ ہوا عین وقت پر ہوا۔ ہاں! لڑائی کا کیا حشر ہوا اور تو اس طوفان باد و باراں میں سے گزر کر یہاں تک کس طرح پہنچی۔ اور حنیف! آہ۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ تمہیں قتل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے"

عذرا:"لڑائی بعض لوگوں کے حق میں بہت بری ثابت ہوئی۔ اور میں طوفان کے اندر سے گزر کر نہیں آئی بلکہ اس کے بازوؤں پر سوار ہو کر آئی ہوں + خدارا یہ بتا کہ جب سے ہم دونوں میں جدائی ہوئی تجھ پر کیا گزری +"

امین:"گزری کیا۔ مجھے ان لوگوں نے دھوکے سے پکڑ لیا۔ قابو میں کر لیا باندھ لیا اور یہاں لے آئے + مجھ سے کہا گیا کہ میں تجھ کو لکھ کر اس لڑائی کو موقوف کرادوں۔ میں نے انکار کر دیا اور پھر۔ ۔ ۔ ۔"
(امین نے شمسہ کی لاش کی طرف دیکھا۔)

عذرا:"اور پھر؟"

امین:"پھر وہ خوفناک طوفان شروع ہوگیا۔ جس سے یقین تھا کہ میں دیوانہ ہو جاتا۔ آہ! اگر تو ہوا کا شور سن سکتی جبکہ طوفانی جھکڑ قلعہ کے کنگروں اور دیواروں کے پرخچے اڑا رہے تھے۔ اور پتھروں کو سوکھے ہوئے پتوں کی طرح اڑائے لئے جاتے تھے + اگر تو بجلی کو بارش کی طرح تڑپ تڑپ کر گرتا دیکھتی۔ اگر۔ ۔ ۔ ۔"

عذرا:"یہ تو میرے سفیر تھے جنہیں میں نے تیری حفاظت کے لئے بھیجا تھا +"

ابین نے عذرا کی طرف دیکھا۔ مگر زبان سے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور کچھ دیر خاموش رہ کر گویا وہ اس بیان کی صداقت پر اپنے خیالات کو مجتمع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کہا :۔

"شمسہ نے بھی یہی کہا تھا۔ مگر میں نے اس کا یقین نہیں کیا۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ آج قیامت کا دن ہے + ابھی ابھی اس کا جنون پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا۔ اور اس نے کہا کہ میری رعایا تمام و کمال تباہ ہو چکی ہے میں دوزخ کی طاقتوں سے مقابلہ آرا نہیں ہو سکتی۔ مگر میں تجھے جہنم رسید کر سکتی ہوں۔ اور یہ کہہ کر اس نے خنجر اٹھایا تاکہ مجھے قتل کر دے میں نے کہا کہ دیر نہ کر مجھے ختم کر دے۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میں جہاں بھی جاؤں گا۔ عذرا۔ تو وہیں پہنچے گی۔ علاوہ ازیں اس تاریک وادی کی ہا تھا پائی میں جو جراحت مجھے پہنچی تھی اس کی وجہ سے خون کافی نکل چکا تھا اور میں زندگی سے بیزار تھا + میں نے آنکھیں بند کر لیں اور وار کے انتظار میں بیٹھا رہا۔ مگر بجائے اس کے مجھے اس کے ہونٹ اپنی پیشانی پر محسوس ہوئے اور اسے یہ کہتے سنا۔ نہیں میں ایسا نہیں کر سکتی۔ اچھا خدا حافظ۔ تجھے تیری تقدیر پر چھوڑا۔ اور میں اپنی قسمت کا لکھا بھگتتی ہوں + اس داؤ پر پانسہ میرے خلاف گر چکا ہے۔ ممکن ہے کہ کہیں اور اس کے برعکس ہو۔ میں جاتی ہوں تاکہ اگر میرے امکان میں ہو تو دوبارہ پانسہ پھینکوں "۔ میں نے آنکھیں کھولیں تو شمسہ وہاں سامنے کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں ایک جام بلورین تھا ——— دیکھو وہ اس کے ساتھ ہی پڑا ہے ——— اس نے چلا کر کہا "گو میں شکست خوردہ ہوں مگر فتح میرے ہاتھ ہے۔ کیونکہ میں صرف اس لئے جا رہی ہوں کہ جس راستہ پر تجھ کو چلنا ہے۔ اسے تیرے لئے آراستہ کر لوں۔ اور عالم بالا میں تیرے لئے جگہ درست کر لوں۔ جب تک ہماری پھر ملاقات ہو میں تجھے قول دیتی ہوں۔ کیونکہ میں برباد ہو چکی ہوں۔ عذرا کے سوا

میرے کوچوں میں آگئے ہیں۔ اور ان کے آگے آگے برقی چادروں میں ملبوس خود انتقام گیر عذرا آ رہی ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے وہ جام پی لیا اور ابھی ابھی مر کر گر گئی۔ دیکھو اس کے سینے میں ابھی جان باقی ہے۔ اس کے بعد یہ بوڑھا مجھے مار ڈالتا کیونکہ میرے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور میں مقاومت نہیں کر سکتا تھا۔ مگر دروازہ خود بخود کھلا اور تو آگئی۔ اب اسے بخش دے۔ کیونکہ یہ شمسہ کے خون سے ہے۔ اور اسے اس کے ساتھ محبت تھی"۔

اس تقریر کے بعد این اسی کرسی پر جس میں ہم نے اسے بندھا ہوا پایا تھا بیٹھ گیا۔ اور ایک قسم کی غنودگی سی اس پر طاری ہو گئی اور یکایک اس کے چہرے پر ضعف کے آثار پیدا ہو گئے۔

عذرا "تیری طبیعت خراب ہے۔ معدن وہ دوا نکال جو میں نے تجھے ساتھ لانے کو کہا تھا۔ جلدی کر"۔

معدن جھکا اور اپنی ڈھیلی قبا کی جیب سے ایک شیشی نکالی اور اس کا منہ کھول کر کہا:۔

"سردار۔ اسے پی۔ یہ دوا تیری طاقت کو واپس لے آئے گی۔ کیونکہ یہ خود تیز ہے"۔

این نے سیدھے بیٹھ کر اپنے فطری تبسم سے کہا "جتنی تیز ہو اچھی ہے۔ میں پیاس سے بے تاب ہوں۔ کل رات سے ایک کھیل تک اُڑ کر میرے منہ میں نہیں گئی۔ مجھے پوری قوت سے لڑنا پڑا۔ اور پھر اس تیزی سے اتنی دُور اٹھا کر لایا گیا کہ حواس باختہ ہو گئے۔ پھر اس جنگی آندھی سے بچ کر زندہ رہا"۔ اور یہ کہہ کر وہ دوا غٹ غٹ پی گیا۔

یقیناً دوا پُر تاثیر تھی۔ کم از کم اس کے پیتے ہی جو تبدیلی این پر واقع ہوئی ضرور حیرت انگیز تھی۔ ایک منٹ کے اندر اندر اُس کی آنکھوں میں نور پیدا ہو گیا۔ اور چہرے پر سرخی دوڑنے لگی۔ اور اس نے عذرا سے کہا۔

"تیری ادویات میں بلا کی تاثیر ہے۔ جیسا کہ مجھے عرصہ سے تجربہ ہو چکا ہے۔ مگر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تو صحیح سالم اور فاتح میرے سامنے بیٹھی ہے۔ اور یہ کہ میں تیرا خیر مقدم کرنے اور مبارکباد دینے کے لئے زندہ ہوں + یہاں کھانا موجود ہے۔ (ایک تختہ کی طرف اشارہ کر کے جس پر مٹھائیاں چنی ہوئی تھیں اشارہ کر کے) میں بھوک سے جاں بلب ہوں۔ اجازت ہو تو کھاؤں +"

عذرا "ہاں خوشی سے۔ اور میرے حنیف تو بھی کھا لے +"

چنانچہ ہم نے بسم اللہ کر دی اور اس عورت کی لاش کی موجودگی میں ہم نے کھانا کھایا۔ جس کا چہرہ باوجود دستِ اجل کی دستبرد کے وقارِ شاہی سے خالی نہ تھا + وہیں بوڑھا ساحر بے حس و حرکت اس طرح کھڑا تھا۔ گویا کسی نے اس کی جان نکال لی ہے۔ اور وہیں عذرا بیٹھی تھی + وہ عجیب ہستی جو ایک لشکر جرار کو اُن خوفناک ہتھیاروں سے برباد کر سکتی تھی جو اس کے اشارے پر غلاموں کی طرح حاضر تھے +

معدن نے کچھ بھی نہ کھایا نہ پیا اور اپنی جگہ پر کھڑا ہمیں اپنی نگاہ محبت سے دیکھتا ہوا مسکراتا رہا۔ عذرا نے بھی کسی کھانے پینے کی شے کو ہاتھ تک نہیں لگایا +



باب بست و سوم

شادی اور غم

حافظا تکیہ بر ایام چو سہوست و خطا
من چرا عشرت امروز بفردا فگنم

میں پیٹ بھر کر کھانا کھا چکا۔ مگر این ابھی کھا ہی رہا تھا۔ کیونکہ یا تو خون کی کمی کی وجہ سے یا اس زبردست مقویٔ اعصاب دوا کی تاثیر سے این پر غیر معمولی اشتہا غالب تھی + میں بیٹھا این کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا کہ مجھے ایک عجیب تبدیلی کا احساس ہوا۔ جو اس کے چہرے میں واقع ہو گئی تھی + اگرچہ یہ تبدیلی کوئی فوری تغیر نہ تھا۔ بلکہ رفتہ رفتہ امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ واقع ہوئی ہوگی۔ مگر میں نے اس کا ادراک اسی وقت کیا۔ کیونکہ ہم قلیل جدائی کے بعد ملے تھے + اس دبلے پن کے ساتھ ساتھ جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ اس کے خوبصورت خدو خال سے روحانیت برسنے لگی تھی۔ اور اس کی نگاہوں سے آنے والی مصائب کا انعکاس ہوتا تھا +

اس کی ظاہری ہیأت کو دیکھ کر خواہ مخواہ میرا دل بیٹھا جاتا تھا۔ مگر میں کہہ نہیں سکتا تھا کہ کیوں؟ اب وہ محض وہ این نہیں تھا جسے میں اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ فراخ سینہ اور مضبوط ہاتھ پاؤں والا۔ ہنس مکھ۔ سیدھا سادا مسافر شکاری اور جنگجو جسے اتفاقاً ایک

روحانی طاقت سے عشق ہوگیا تھا۔ اور وہ طاقت خود اس پر عاشق ہوگئی تھی۔ جو ایک بے عیب کالبد نسوانی میں حلول کر آئی تھی۔ اور فطرت کی ہمہ گیر قوتوں سے مسلح تھی + بلاشبہ یہ سب باتیں اس میں موجود تھیں۔ مگر اس میں تغیر واقع ہو چکا تھا۔ اور مجھے یقین کامل تھا کہ یہ تغیر عذرا کی صحبت سے پیدا ہوا۔ کیونکہ اس کے چہرے کی اسوقت بالکل وہی کیفیت تھی جو اکثر آرام کے وقت عذرا کے چہرے کی ہوا کرتی تھی +

عذرا ابھی خیالات میں مستغرق متوہم نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ یکایک کسی خیال کی گرمی سے اس کی آنکھیں چمکیں اور رخساروں اور پیشانی پر سرخی دوڑ گئی + میں سچ کہتا ہوں کہ وہ طاقتور عذرا جس کے قتل کئے ہوئے آدمی جو صرف ایمن کی خاطر قتل کئے گئے تھے۔ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں باہر میدانوں میں پڑے تھے۔ اپنے عاشق کی نگاہوں کے سامنے شرما کر جھینپ رہی تھی +

ایمن دسترخوان پر سے اٹھا۔ اور کہا "عذرا۔ کاش اس لڑائی میں میں بھی تیرے ساتھ ہوتا"!

عذرا "دریا پر کچھ مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ اس کے بعد کوئی لڑائی نہیں ہوئی۔ میرے بادی۔ خاکی اور آتشی سپہ سالار کام کر رہے تھے اور کچھ نہیں تھا میں نے انہیں خواب سے جگایا اور میرے حکم سے تیری خاطر انہوں نے نبرد آزمائی کی اور تجھے بچا لیا"!

ایمن "ایک جان کی خاطر اتنی جانوں کا نقصان۔ معاذ اللہ" گویا اس خیال سے ایمن کو صدمہ پہنچ رہا تھا +

عذرا "اگر وہ ہزاروں کی جگہ لاکھوں ہوتے تو بھی میں ان سے ایک کو نہ چھوڑتی۔ ان کا خون تیری گردن پر نہیں بلکہ میری گردن پہ ہونا چاہئیے نہیں بلکہ (شمسہ کی لاش کی طرف اشارہ کر کے) اس کے سر پہ۔ ہاں اسکے

سر پر جس نے یہ جنگ برپا کی۔ کم از کم اسے میرا شکر گزار ہونا چاہئے
کہ موت کی تاریک گھاٹی میں اس کی رہبری کے لئے میں نے اتنا عظیم الشان
لشکر تیار کر کے بھیج دیا ہے "۔
این۔ تاہم جانِ من۔ تیرے متعلق اتنی خونریزی سے ملوث ہونے کا خیال
ہی کس قدر ہیبت آفریں ہے "۔
عذرا۔ (خاص مغرورانہ انداز میں) "اوہ! مجھے اس کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے
خدا کرے اتنی مخلوق کی قربانی میرے بیرحم ہاتھوں سے جنہوں نے ایک
دفعہ تجھے قتل کیا تھا۔ تیرے خون کا دھبہ اتارنے کے لئے کافی ہو "۔
این "مگر مجھے کیا حق حاصل ہے۔ کہ میں تجھ پر اعتراض کروں۔ (گویا
وہ اپنے دل کو سمجھا رہا تھا) خود میں نے کل اپنی جان کو دغا بازی سے بچا
کے لئے دو آدمیوں کا خون کر دیا تھا "۔
عذرا۔ (بھڑک کر) "اس کا ذکر تک نہ کرو۔ میں نے وہ جگہ دیکھی ہے
اور حنیف کو علم ہے کہ میں نے کس طرح قسم کھائی تھی کہ تیرے پیارے خو
کے ہر قطرے کے بدلے سو انسانوں کا خون بہاؤں گی۔ اور میں نے جو
جھوٹ نہیں بولتی اپنی قسم کو پورا کر دکھایا۔ اب اس آدمی کی طرف دیکھا جو
مرضی سے پتھر بنا کھڑا ہے۔ اور پھر بتا کہ جب میں یہاں آ کر پہنچی ہوں تو
تجھ سے کیا سلوک کرنا چاہتا تھا "۔
این "یہ مجھ سے اپنی ملکہ اور اس کی فوجوں کی تباہی کا بدلہ لینا چاہتا
اور عذرا تو کیسے کہہ سکتی ہے کہ تیری مرضی سے بالاتر کوئی قوت اس خو
کا مواخذہ نہیں کرے گی "۔
جب این یہ تقریر کر رہا تھا تو ایک خاص قسم کی زردی اس کے چ
پر چھا گئی۔ گویا موت کا وقت قریب ہے اور نزع کا عالم ہے اور سا
پتھریلی نگاہوں میں تبسم کی جھلک دکھائی دی۔
ایک لمحہ کے لئے عذرا کے چہرے پر بھی خوف و دہشت کے آ

نمایاں ہوئے - مگر جس سرعت سے یہ پیدا ہوئے تھے اسی تیزی سے جاتے بھی رہے - اور اس نے کہا:-

"نہیں میں حکم دیتی ہوں کہ ایسا نہیں ہو سکتا اور سوائے ایک قوت کے جو ان باتوں سے بے پرواہ ہے اس وسیع دنیا میں کونسی طاقت ہے جو میری مرضی کا مقابلہ کر سکتی ہے!"

وہ یہ کہہ رہی تھی اور جبکہ اس کے خوفناک غرور سے بھرے ہوئے الفاظ اس سنگین عمارت میں گونج رہے تھے مجھے ہاں! مجھے - حنیف کو

——— ایک رویا نظر آیا +

مجھے ایک خلائے بسیط نظر آیا - جس کی فضا میں بہت سے سورج چمک رہے تھے - اور ان سب سے بلند بالا ایک عجیب نورانی ہستی نور کی چادروں میں ملبوس نظر آئی - جس کے وجود کے سامنے میری ہستی ایک ذرۂ بے مقدار کی طرح لرز کر رہ گئی - اور میری روح کانپ کر فنا کے منازل طے کرتی ہوئی نظر آنے لگی - اور مجھے افسوس ہوا کہ یہ قضا و قدر کا مجسمہ بالائے افلاک تخت نشین ہے - اس کے ہونٹ متحرک ہوئے اور کل کائنات لبیک کہہ کر ان کے اشارے پر جھپٹی + ان میں پھر حرکت ہوئی اور وہ شموس درخشاں اس کے ساتھ ہی حرکت میں آئے کچھ ٹھہر گئے کچھ گردش میں آئے! اور کچھ فنا ہو کر نگاہوں سے غائب ہو گئے + مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ اس خاموش قوت کے سامنے میرے پاس کھڑی ہوئی ہستی نے جو یا عورت تھی یا کوئی روح تھی اپنی قوت اور جذبات کے زور سے مقاومت کی کوشش کی - میری روح گھبرائی اور خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے +

یہ خوفناک نظارہ ختم ہو گیا اور جب میرے حواس درست ہوئے تو میں نے عذرا کو نئی فاتحانہ آواز میں یہ کہتے سنا:-

"نہیں نہیں - خوف و دہشت کے ایام گزر چکے ہیں - اور صبح فتح نمودار

ہو چکی ہے۔ دیکھو" اور یہ کہہ کر اس نے ٹوٹی ہوئی کھڑکیوں میں سے نیچے
کو جلتے ہوئے شہر کی طرف اشارہ کیا جہاں سے واویلا کی مسلسل آوازیں
آرہی تھیں + یہ آوازیں عورتوں کی تھیں جو اپنے لاتعداد کشتوں کو رو
رہی تھیں۔ اور آگ کے شعلے فتحمندانہ شیطانوں کی طرح بھڑک بھڑک
کر مکانات کو اپنی لپیٹ میں نیست و نابود کر رہے تھے + پھر کہا" دیکھ
امین میری پہلی قربانی کی آگ کی طرف دیکھ جو میں نے تیری شان و شوکت
کے لئے پیش کی ہے۔ اور اس کے نغموں کو سُن + ممکن ہے کہ تو
اس کو نہ سمجھ سکے۔ اور نہ قبول کرے + ایسا ہوا تو میں اور قربانیاں
بھی چڑھانے کو تیار ہوں۔ تجھے جنگ سے الفت ہے۔ بہت خوب!
ہم جنگ کے لئے روانہ ہونگے۔ اور دنیا کے مغرور شہر ہماری
پیش قدمی کے نشان کے طور پر مشعل بن کر لوگوں کو متنبہ کرینگے"
وہ ایک لمحہ کے لئے رُکی۔ اس کے لب متحرک تھے اور اس کا
چہرہ آنے والی نامعلوم شوکت کے خیال سے تمتما رہا تھا۔ پھر وہ اُڑتے
ہوئے ابابیل کی طرح اس طرف جھپٹی جہاں شہید عشق شمسہ کے سر سے
سنہرا حلقہ تاج اتر کر زمین پر پڑا تھا +
وہ جھکی۔ اسے اُٹھا لیا۔ اور امین کے پاس آکر اس کے سر کے اوپر۔
مگر کافی بلندی پر۔ دونو ہاتھوں سے اسے تھام لیا۔ پھر آہستہ آہستہ ہاتھ
نیچے کو لاکر وہ تاج ایک لمحہ کیلئے امین کے سر پر ٹکایا۔ اور اپنی فاتحانہ سریلی
آواز میں کہنا شروع کیا :-
"میں اس تاج زر دنیاوی نشان کے ذریعہ سے تجھے دنیا کا بادشاہ بناتی
ہوں۔ ہاں اس کے حلقے میں تیرے لئے ساری زمین کی حکومت مرکوز
ہے۔ تجھے اس پر اور مجھ پر بادشاہت مبارک ہو"
تاج پھر بلند ہوا اور پھر نیچے لاکر اس کی پیشانی پر رکھا گیا۔ اور عذرا
نے پھر اپنا عجیب نغمہ شروع کیا :-

"اس تاشکستہ حلقہ کی۔ جو ابدیت کا نشان ہے قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں تجھے ابدی زندگی عطا کرونگی۔ تو زندہ رہ جب تک کہ دنیا قائم ہے اور اس کا اور میرا آقا بن کر رہ "

تیسری دفعہ پھر تاج اُٹھ کر اس کے سر پر آیا اور عذرا نے کہا :-

اس زرین حلقہ کی وساطت سے میں تجھے غیر محدود عقل کے خزانوں کا مالک بناتی ہوں۔ یعنی تجھے وہ قوت عطا کرتی ہوں جس کی وجہ سے فطرت کے خفیہ راستے تیرے قدموں کے لئے روشن ہو جائیں گے۔ میرے ساتھ تو فتح و نصرت کے پھریرے اُڑاتا ہوا اس کے راستوں پر سے گزرے گا۔ یہاں تک کہ وہ اپنی انتہائی بلندی سے ہمیں اُڑا کر ہمارے اس غیر فانی تخت پر پہنچا دے۔ جس کے دو ستون "حیات" "ممات" ہیں "

یہ کہہ کر عذرا نے وہ تاج پھینک دیا اور حیرت ہے کہ وہ لڑھک کر شمسہ کے بے جان سینہ پر جا پڑا اور وہیں ٹھہر گیا۔ عذرا نے کہا:-

"میرے سرتاج! کیا تو میرے ان تحائف سے مطمئن ہے؟"

امین نے غمگین نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور انکار میں سر ہلا دیا۔

عذرا: "تو پھر تجھے اور کس چیز کی خواہش ہے۔ مانگ اور میں قسم کھاتی ہوں کہ وہ تجھے مل جائیگی "

امین: "تو نے قسم کھائی ہے مگر کیا تو قسم پر قائم رہے گی؟"

عذرا: "ہاں میں اپنی قسم کھاتی ہوں اور اس قوت کی قسم کھاتی ہوں۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اگر وہ کوئی ایسی شے ہوئی جس کا دینا میرے امکان میں ہوا۔ اور پھر میں نے اس سے انکار کیا۔ تو خدا کرے مجھ پر ایسی تباہی نازل ہو۔ جس سے شمسہ کی منتظر روح تک مطمئن ہو جائے"

یہ الفاظ میں نے بھی سُنے اور ایک اور نے بھی۔ کیونکہ میں نے دیکھا کہ بوڑھے ساحر کی پتھرائی ہوئی آنکھوں میں پھر ایک تبسم کی جھلک پیدا ہوئی۔ ایمن نے جواب دیا :۔

"میں تجھ سے ایسی کوئی شے نہیں مانگتا جس کا دینا تیرے امکان میں نہ ہو۔ میں تو تجھ سے تجھے مانگتا ہوں۔ مگر ایک مدت مدید کے بعد نہیں جبکہ میں ایک پُر اسرار آگ میں نہا چکوں۔ بلکہ اب اور اس وقت"۔

عذرا گھبرا کر پیچھے ہٹی اور اس سے دور جا کھڑی ہوئی اور کہنے لگی :۔

"یقیناً مجھ پر اس بے وقوف ستارہ شناس فلسفی کی مثال صادق آتی ہے جو سلطنتوں کی تقدیر کا لکھا تاروں میں دیکھنے کے لئے باہر جا رہا تھا۔ اور گاؤں کے لڑکوں کے کھودے ہوئے گڑھے میں گر کر اس کی گردن ٹوٹ گئی اور بچارے کا وہیں خاتمہ ہو گیا + مجھے کبھی یہ توقع نہ تھی کہ جب تیرے سامنے شان و شوکت کی سیڑھیاں مسلسل بلند ہوتے ہوئے پہاڑوں کی چمکدار چوٹیوں کی طرح نمایاں ہونگی۔ جن پر تیرے فانی قدم چڑھ کر عین عرش معلےٰ تک پہنچ سکینگے۔ اس وقت بھی تو اپنی جنم بھوم یعنی زمین سے لپٹا رہے گا۔ اور اس سے عورت کی محبت ایسی ادنےٰ چیز کا خواستگار ہو گا + آہ۔ ایمن! میں تو سمجھتی تھی کہ تیری روح اس سے اعلےٰ تر خواہشات کی حامل ہو گی۔ تو مجھ سے عشق کی نسبت وسیع تر قوتوں کی فرمائش کرے گا۔ اور زیادہ بڑی سلطنتوں کی خواہش کریگا۔ اور یہ کہ تو مجھ سے کہے گا کہ طبقاتِ ارض و سما کے دروازے تیرے لئے کھول دوں۔ اور موت کے منہ سے بچا کر تجھے ابدی زندگی عطا کروں یا کائنات کے شمس الشموس پر تجھے تخت نشین کر دوں۔ تاکہ تو وہاں بیٹھا کل کائنات کے واقعات کا مشاہدہ کیا کرے۔ یا میرا خیال تھا کہ تو مجھے اس بات کے اظہار

کی فرمائش کرے جس کے اظہار کی آجتک کسی عورت کو جرأت نہیں ہوئی۔ یعنی خالص سچ ـــــ میرے تمام گناہ اور مصائب اور میرے خیالات کی وحشت زدہ جولانیوں کی داستان + شاید تو وہ پوچھیگا جس کا تجھے علم نہیں اور شاید نہ کبھی علم ہوگا ہی۔ یعنی یہ کہ میں کون ہوں اور کہاں سے آئی ہوں۔ اور کس طرح میں تیری فسوں زدہ نگاہوں کے سامنے بدصورت سے بدصورت بن گئی + تیرے لئے میرے عشق کا غائت مدعا کیا ہے۔ اور اس مغلوب الغضب دیوی کے افسانہ کی کیا حقیقت ہے۔ جو دراصل سوائے خواب کے کہیں نہ تھی۔ آہ میں خیال کرتی تھی۔ . . . نہیں نہیں جو کچھ میں خیال کرتی تھی اس کا کچھ فائدہ نہیں + میرے ایمن! تو وہ نکلا جو میں تمہیں سمجھتی تھی۔ اور پھر ایسے عظیم لمحہ میں جبکہ تجھے اُن پُراسرار دروازوں سے گزرنے کی کوشش کرنا چاہیئے تھی جو میری قوت تیرے لئے واکر سکتی ہے اور میرے ساتھ کائنات کی آسمانی فضا میں گام زن ہونے کی خواہش تیرے دل میں پیدا ہونی چاہیئے تھی۔ مگر تیری استدعا وہی ہے جو تمام دنیا کے لوگ خاموش چاندنی رات میں کیا کرتے ہیں۔ خواہ وہ محلوں میں ہوں خواہ جھونپڑوں میں۔ چاہے برفانی چوٹیوں پہ ہوں چاہے بھلتے ہوئے ریگستانوں میں۔ یعنی یہ کہ "آہ میری پیاری ایک بوسۂ لب شیریں۔ آہ میری جان ایک جامِ وصال" ایمن! میں تجھے ان ارضی باتوں سے بالاتر سمجھتی تھی"

ایمنی "عذرا بالکل ممکن ہے کہ اگر میں تیرے شموس و نجوم اور روحانی تحفہ تحائف سے خوش ہو کر مطمئن ہو جاتا تو شاید تجھے اس سے بھی بُرا سمجھتی۔ کیونکہ یہ سب کچھ نہ میری سمجھ میں آتا ہے نہ مجھے ان کی خواہش ہے۔ اگر میں تجھ سے کہتا کہ تو میری دیوی بن جا۔ بیوی نہ بن۔ سمندر کو پھاڑ دے تاکہ میں اس کی تہ پر چل سکوں۔ آسمان کو ٹکڑے

ٹکڑے کر دے تاکہ میں ستاروں کے بننے اور بگڑنے کا حال دیکھ سکوں
فنا اور بقا کے راز کھول اور مجھے سمجھا تاکہ میں اس راز کو سمجھ لوں
تمام دنیا کے باشندوں کو میری تلوار کا شکار کر دے اور تمام عالم
کی دولت میرے خزانے پُر کرنے کے لیئے لا دے۔ مجھے طوفان
پر اسی طرح قابو عطا کر دے۔ جس طرح تجھے حاصل ہے۔ تاکہ عناصر
کی قوتوں اور فطرت کے قانون کو اپنی مطلب براری کے لئے جس طرح
چاہوں موڑ لوں۔ اور زمین پر مجھے اسی طرح درجۂ ربوبیت عطا کر
جس طرح تو سمجھتی ہے کہ تجھے حاصل ہے تو کیا ہوتا +

مگر عذرا میں فرشتہ نہیں ہوں۔ میں انسان ہوں۔ مرد ہوں اور
مردوں کی طرح اپنی معشوقہ کے وصال کی خواہش رکھتا ہوں + آہ۔
عذرا! اپنی قوتوں کے لباس کو چاک کر دے۔ ان قوتوں کا لباس جو
تیرے راستوں کو لاشوں سے بھرتے ہیں۔ اور مجھے تجھ سے الگ
رکھتے ہیں۔ چاہے صرف ایک رات کے لئے ہو۔ مگر ان بلند خواہشا
کو دل سے فراموش کر دے۔ جو مسلسل تیری روح کو تڑپاتی رہتی
ہیں۔ میری تمنا ہے کہ تو اپنی رفعت کو بھول جا اور عورت کی طرح
میرے آغوش میں دلہن بن کر آجا +"

عذرا نے کوئی جواب نہ دیا + ایبن کی طرف دیکھا اور نفی میں سر
ہلا دیا۔ جس سے اس کے دراز گیسوؤں میں اس طرح لہر پیدا ہوئی۔
جس طرح نسیم بہاری سے پانی میں لہریں پیدا ہوتی ہیں +

ایبن "تو انکار کرتی ہے اور تیرا مطلب یہ ہے کہ تو نہ یہ کر سکتی ہے
نہ کرے گی۔ مگر عذرا! تو قسم کھا چکی ہے اور میں قسم کا ایفا چاہتا ہوں
لے غور سے سن۔ میں تیرے تحائف کو مسترد کرتا ہوں۔ میں تیری دی
ہوئی حکومت نہیں چاہتا۔ مجھے تخت فرعون یا دولتِ قارون کی خواہش
نہیں۔ میں لوگوں کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہوں۔ ان کو قتل کرنا نہیں چاہتا۔

تاکہ دنیا کا بھلا ہو۔ میں تیرے ساتھ نہ کور کے غاروں میں جاؤنگا۔ نہ نفسِ حیات میں نہاؤنگا۔ میں تجھے چھوڑ جاؤنگا۔ پہاڑوں کو عبور کرونگا۔ یا اسی کوشش میں مرجاؤنگا۔ اور تو باوجود اپنی طاقتوں کے مجھے روک نہ سکے گی۔ کیونکہ دراصل مجھے تیری ضرورت نہیں۔ اب مجھ میں یہ ہر وقت کی کاوش برداشت کرنے کی طاقت نہیں۔ کہ تو سامنے ہو۔ تیری پیاری آواز میرے کانوں میں پڑتی رہے۔ تیری محبت بھری نگاہیں دیکھوں اور ہر وقت تیرے اگلے برس۔ اگلے برس۔ اگلے برس کے وعدے منتار ہوں۔ اسلئے یا تو اپنا قول پورا کر یا مجھے جانے دے"

عذرا اب بھی خاموش کھڑی رہی۔ مگر اس دفعہ اس نے سر جھکا لیا۔ اور لمبے لمبے سانس لینے لگی۔ اس وقت ایمن بڑھا اور عذرا کو آغوش میں لے کر بوسہ لے لیا + عذرا جلدی سے خدا جانے کس طرح ایمن کے ہاتھوں سے فوراً تڑپ کر نکلکر چند قدم کے فاصلے پر کھڑی ہوگئی اور کہا:۔

"کیوں حنیف تو گواہ ہے کہ میں نے متنبہ کر دیا تھا کہ بچنا کہیں تیری انسانی آتش میرے سینے میں بھی نہ بھڑک اٹھے + میں کہتی ہوں کہ میرے دل میں اس کی گرمی سلگتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ بھڑک کر شعلہ بن گئی تو . . . . . "

ایمن "۔ (مسکرا کر) تو کیا ہوگا۔ بس ہم چند لمحے تک عیش کے لطف کو اٹھائینگے +"

عذرا " مگر ایمن! آخر کب تک۔ اگر تو میرے حسن و شباب کا تنہا مالک بن گیا + اور حاسدوں کی نقصان رسانی سے بچنے کی قوت تجھ میں نہ ہوئی تو شبانہ روز سینکڑوں حاسد چھریاں تیرے سینے کی متلاشی رہینگی اور آخر اسے پالیں گی +

ایمن "۔ کب تک کی ایک ہی کہی۔ مجھے نہ علم ہے نہ میں پرواہ کرتا ہوں کہ یہ لطف کا زمانہ عمر بھر رہیگا یا ایک سال ایک مہینہ ایک دن یا ایک لمحہ اور جب تک تو وفادار رہیگی مجھے حاسدوں کے وار کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں ہوگی +"

عذرا "۔ اچھا یہ بات ہے! تو اس مخاطرہ کے لئے تیار رہے + یاد رکھ اس صورت میں تجھ سے کوئی وعدہ نہیں کرسکتی۔ ممکن ہے ــــ ہاں بالکل ممکن ہے کہ کسی

نہ کسی طرح قضا نیری دامنگیر ہوجائے "

امین "- اور اگر بالفرض میں مر بھی گیا تو کیا ہوگا ؟ کیا ہم ہمیشہ کیلئے جدا ہو جائینگے ؟"

عذرا "- نہیں نہیں - امین یہ تو ممکن ہی نہیں ہے اس کا مجھے یقین ہے - کہ ہمیں کوئی طاقت بھی جدا نہیں کر سکتی - اس کے متعلق مجھ سے پیمان واثق ہو چکے ہیں - مگر اس صورت میں ہمارے دوبارہ اتحاد کے لئے ہماری روحوں کو نئی زندگیوں اور نئے عالموں میں شاید اس زندگی سے بلند تر زندگی اور عالم میں سے کٹھن راستے عبور کرنے پڑینگے "

امین "- اگر یہی ہے تو عذرا ! میں اس خطرہ کو سر پر لیتا ہوں - کیا وہ جان جس کو میں شکار کے ہنگامی لطف کے لئے کسی چیتے یا شیر کے مارنے کی غرض سے خطرے میں ڈال سکتا ہوں - تیری ہم آغوشی کے لطف کے مقابلے میں کچھ زیادہ قیمتی ہے - عذرا میں تیرے قول کا ایفا چاہتا ہوں "

. . . .

اس وقت عذرا کے متعدد تغیرات میں سے سب سے زیادہ عجیب تغیر اس میں پیدا ہونا شروع ہوا - مگر میں اس کے بیان سے قاصر ہوں البتہ ایک استعارے سے سمجھ میں آسکتا ہے +

ایک دفعہ تبت میں کثرتِ برف باری کی وجہ سے ہم مہینوں ایک مقام پر گھرے رہے - برف پہاڑوں پر پڑ کر وادیوں تک میں چھا گئی تھی - ہم اس سفید براق منظر سے گھبرا گھبرا جاتے تھے + آخر برسات شروع ہوئی - جس کے ساتھ ہی چاروں طرف گہری دھند چھا گئی - جس نے تاریک راتوں کی تاریکی کو اور بھی بڑھا دیا + عرصہ تک یہی حالت رہی - یہاں تک ایک صبح کو سورج نکلا ہوا دیکھ کر ہم دروازے سے باہر آئے - اور چاروں طرف دیکھا تو عجب معجزہ نظر آیا - وہ برف جس سے وادیاں اٹی پڑی تھیں غائب ہو چکا تھا - اور اسکی جگہ گھاس کی ننھی ننھی کونپلیں پھوٹ رہی تھیں اور جگہ جگہ پھول اُگ رہے تھے + چاروں طرف پانی کے چشمے جاری -

اور پرندے درختوں پر چہچہا رہے تھے۔ سرما کی سختیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اور کاٹنے والی ٹھنڈی ہوائیں جا چکی تھیں۔ اور ان کی جگہ بہار اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی نسیم کو جلو میں لئے ہوئے محبت اور زندگی کے نغموں کے ساتھ کہسار میں جلوہ آرا تھی ۔

. . . .

اس بلند سقف مکان میں زندہ اور مردہ ہستیوں کے روبرو جبکہ اس قصۂ الم ناک کی آخری منزل طے ہو رہی تھی۔ عذرا کی طرف دیکھکر مجھے وہ بھولا ہوا نظارہ یاد آ گیا۔ کیونکہ عذرا کے چہرے پر اسی قسم کی تبدیلی واقع ہوئی تھی۔ اب تک باوجود اس حسن و رعنائی کے عذرا کا دل اُن سرمائی پہاڑوں کی طرح نظر آتا تھا۔ جس تک اس کے ناقابل رسائی برف کی وجہ سے پہنچنا ناممکن تھا۔ اور اس کی شفاف پیشانی اور برفانی خودداری کے سامنے خواہشات کے پر جلتے تھے۔ اور جذبات فنا ہو جاتے تھے ۔

اس نے قسم کھائی کہ وہ ایین پر عاشق ہے۔ اور یہ کہ اس کا عشق موت اور کئی اور مختلف طریقوں سے پورا ہوگا۔ تاہم اس کا یقین نہ آتا تھا۔ کہ یہ اظہار جذبات زبانی جمع خرچ سے زیادہ وقعت رکھتا ہے کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ستارہ پروانے کی جستجو میں نکلے۔ حالانکہ پروانہ ستارے کی تلاش میں نکل سکتا ہے۔ اگرچہ انسان دیوی کی پرستش کر سکتا ہے مگر خواہ دیوی کے چہرے پر کیسا ہی تبسم کیوں نہ ہو دیوی انسان پر عاشق نہیں ہو سکتی ۔

مگر اب یہ سب کچھ بدل چکا تھا۔ عذرا میں نسوانیت پیدا ہو گئی۔ مجھے اس کے لباس میں سے اس کے قلب کی حرکت دکھائی دینے لگی۔ اور اس کے تنفس میں ملائمی پیدا ہو گئی۔ اس کے اوپر اٹھے ہوئے چہرے اور دلکش نگاہوں میں ایک سرور و کیفیت کی جھلک نمایاں ہوتی جو میں

جوشِ عشق کا خاصہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے حسن و رعنائی میں دلکشی بڑھتی جا رہی ہے۔ اب نہ وہ غاروں کی رہنے والی نقاب پوش راہبہ تھی۔ نہ دار التعلیم کی مخطوب الہی کاہنہ۔ اور نہ میدان جنگ کی تباہی ریز روح بلکہ صرف ایک حسین مہ جبیں دلہن تھی جسے دیکھ کر دولہا کا دل قابو میں رہنا ناممکن ہو۔

آخر وہ بولی اور اس دفعہ اس کی گفتگو دنیاوی ادنےٰ اشیا کے متعلق تھی۔ کیونکہ اس نے ان الفاظ میں اپنی شکست کا اعتراف کیا۔ اور اپنے چاک چاک لباس میں دیکھ کر کہا:۔

"اُف۔ اُف میرے سرتاج۔ یہ لباس اس موقعہ کے لئے کس قدر ناموزوں ہے۔ آخر کار میں ان چیتھڑوں میں تیری آغوش میں آتی ہوں۔ حالانکہ تیری اور میری شان کے مطابق اس وقت مجھے شاہی لباس اور جواہرات میں مزین ہو کر تیرے سامنے آنا چاہیئے تھا۔"

امین "مجھے صاحبِ لباس دلہن کی ضرورت ہے۔ لباس کی ضرورت نہیں۔"

عذرا "اچھا تجھے دلہن کی ضرورت ہے۔ دیکھ وہ شمسہ پڑی ہے امین اب مجھے بتا کہ میں عورت ہوں یا روح؟ خدا را اپنی زبان سے کہہ دے کہ میں عورت ہوں۔ کیونکہ اس وقت میرے قلب پر شمسہ کی وہ پیشین گوئی کھٹک رہی ہے جس میں اس نے کہا تھا کہ فانی اور غیر فانی کا اتحاد ناممکن ہے۔"

امین "تو یقیناً عورت ہے۔ ورنہ مجھے اس قدر نہ ستاتا۔ جس قدر تو نے ان چند ہفتوں میں ستایا ہے۔"

عذرا "میں تیرے ان محبت آمیز الفاظ کی بے حد شکر گزار ہوں۔ مگر کیا وہ عورت تھی جس کے دمِ معجز نما نے سامنے میدان میں تباہی

نازل کی تھی + کیا وہ عورت تھی جس کے اشارے پر طوفان برق و باد نے سر تسلیم خم کرکے کہا تھا کہ " ہم حاضر ہیں تو حکم دے اور ہم تعمیل کرینگے"۔ کیا یہ بے جان چیز (دروازے کی طرف اشارہ کرکے) ایک عورت کی مرضی کے سامنے شکستہ ہو کر کھل گئی تھی + کیا کوئی عورت اس جادوگر کو پتھر بنا سکتی تھی + آہ! ابین۔ کاش میں عورت ہوتی۔ میں قسمیہ کہتی ہوں کہ میں اپنی تمام شان و شوکت کو شادی کے تمغہ کے طور پر تیرے قدموں پر قربان کر دیتی۔ اگر مجھے یہ یقین ہوتا کہ میں صرف ایک سال کے لئے عورت رہوں گی اور تیرے آغوش میں دلہن بن کر گزار سکوں گی +

" تو نے ابھی کہا ہے کہ میں نے تجھے ستایا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ستائے جانے کی تکلیف کو کچھ میں ہی جانتی ہوں۔ یہ میں ہی تھی کہ ہزاروں دفعہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ تیری بات مان لوں۔ مگر مجھے جرأت نہیں ہوئی۔ ہاں! ہاں! ابین میں سچ کہتی ہوں کہ اگر مجھے یہ یقین نہ ہوتا کہ تیری زندگی کا مختصر سا چشمہ میری زندگی کے طوفانی سمندر میں کھینچ کر فنا کے گھاٹ اترتا جا رہا ہے۔ اور میری روح تیری روح کو اس طرح جذب کر رہی ہے جس طرح سمندر دریا کو یا سورج کی کرنیں شبنم کو تو میں اب بھی نہ مانتی۔ مگر میں جانتی ہوں اور میری دانش مجھے بہ بانگ دہل بتا رہی ہے کہ پیشتر اس کے کہ ہم حبش کی سرزمین تک پہنچیں مصیبت نازل ہو کر رہے گی + تو اپنی خواہشات اور جذبات کے ہاتھوں جان دے بیٹھے گا اور میں دلہن بننے سے پہلے بیوہ ہو جاؤنگی +

" اس لئے دیکھ! میں مرحوم شمسہ کی طرح پانسہ پھینکتی ہوں۔ اور یہ نہیں جانتی کہ انجام کیا ہوگا۔ میں نہیں جانتی کہ میری تقدیر کا پانسہ کس پہلو گریگا۔ مگر میں پھینکتی ہوں +

یہ کہکر اس نے اپنے ہاتھوں کو اس طرح حرکت دی۔ جیسے کوئی مایوس قمار باز آخری داؤ لگاتا ہے۔ اور اپنی تقریر کو جاری رکھتے

ہوئے کہا:-

"لو۔کام ہو چکا قسمت کا پانسہ گر چکا۔ اگرچہ اس کا انجام میری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔میں نے خوف اور شکوک کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ اب موت آئے یا حیات۔میں ہر شے کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔"

"اب بتا۔ ہمارا عقد کس طرح ہوگا۔ ہاں میں سمجھ گئی۔ حنیف ہمارا نکاح پڑھائے گا۔ اور کون یہ کام کر سکتا ہے۔ یہ ابتدا سے ہمارا رہبر رہا ہے۔ اور یہی مجھے تیرے اور تجھے میرے حوالے کرے گا۔ یہ جلتا ہوا شہر ہمارے عقد کے لئے محراب ہے۔ اور زندہ اور مردہ ہمارے گواہ ہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ رسوم شادی کے طور پر میں پہلی دفعہ تیرے ہونٹوں پر اپنے لب لگاؤں گی۔ اور اس کے بعد نغمۂ شادی کی جگہ میں ایک سہرا گاؤں گی جیسے نہ آج تک کسی دنیاوی شاعر نے لکھا ہے نہ کسی دنیاوی عاشق و معشوق نے سنا ہے۔"

"آ حنیف! اپنا فرض پورا کر اور اس دولہن کا اس دولہا سے عقد کر دے۔"

جیسے کوئی خواب میں ہوتا ہے۔ میں نے اس کی تعمیل کی اور عذرا اور ایمن کے بڑھے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔ میں انہیں اس طرح تھامے کھڑا تھا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے یہ محسوس ہوا کہ عذرا کے جسم سے ایک حرارت کی لہر میری رگ و پے میں سے ہوتی ہوئی ایمن کی طرف جا رہی ہے۔ جس سے میرے جسم میں خاص قسم کا ارتعاش اور لرزہ پیدا ہوا۔ اور ان جلتی ہوئی لہروں سے عجب سرور میرے دل و دماغ پر مستولی ہو گیا۔ اس حرارت کے ساتھ ساتھ عجیب نظارے اور آسمانی نغمے اور ایک خاص احساس میرے دماغ میں پیدا ہوا گویا کہ زبردست قوت حیات میرے دل و دماغ کے پرزے پرزے

کر دے گی ۔

میں نے خدا جانے کن الفاظ میں خطبۂ نکاح پڑھا اور دونوں کے ہاتھ ملا دئے۔ اور پھر چکرا کر پیچھے ہٹا اور دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔ اور ان کی طرف دیکھنے لگا ۔

میں نے جو کچھ دیکھا یہ تھا:۔

"انتہائی جذبات سے سرشار اور کیف بیخودی میں مخمور عذرا کے لبوں سے ایک لفظ نکلا "خاوند" اور دونوں بازو پھیلا کر آگے بڑھے۔ ایمن کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ اور جھکا کر اس کا منہ اپنے منہ پر رکھ لیا۔ ایمن کے سنہرے بال عذرا کے سیاہ گیسوؤں میں مخلوط ہو گئے۔ اور عذرا نے ایمن کے لبوں پر بوسہ دیا ۔"

چند لمحوں تک وہ اسی طرح ہم آغوش کھڑے رہے۔ اس حالت میں عذرا کے سر کے نورانی تاج نے بڑھ کر ایمن کے سر کا بھی حلقہ کر لیا اور عذرا کے لباس میں سے اس کا ایک شعلہ نور کی طرح چمکتا ہوا نظر آنے لگا۔ آخر عذرا نے ایمن کو چھوڑا۔ قہقہہ لگا کر الگ ہو گئی اور کہنے لگی :۔

"اس طرح میرے پیارے ایمن اس طرح میں دوسری دفعہ اپنے آپ کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ اور اس جسم و جان کے ساتھ میں سب کچھ تیرے حوالہ کرتی ہوں۔ جس طرح کور کی تاریک غاروں میں کیا تھا اسی طرح یہاں قانون کے محل میں سب تیری نذر کرتی ہوں۔ اب میں تجھے بتاتی ہوں کہ خواہ کچھ ہو ہمیں کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی کیونکہ قضا و قدر نے ہمیں ایک کر دیا ہے۔ جب تک تو زندہ ہے میں تیرے پہلو میں زندہ رہوں گی۔ اگر تو مر گیا تو میں آسمانوں اور دوسرے عالموں میں تیرے پیچھے آؤں گی۔ آسمانوں کے دروازے میری محبت کے سامنے کھل جائینگے۔ تو جہاں جائے گا میں وہاں جاؤں گی۔ جب تو

سوئیگا تو میں بھی سو جاؤں گی۔ زندگی اور موت کے خوابوں میں تجھے میری ہی آواز سنائی دیا کرے گی۔ میری آواز جو ہمیشہ رہنے والی صبح صادق کے آخری گھنٹے میں تجھے جگائے گی۔ جبکہ اس تمام شب غم کا اندھیرا غائب ہو چکیگا +

"اب تو سن اور میں گاتی ہوں۔ میں وہ راگ گاتی ہوں جس کے نغموں سے آخر کار تجھ پر حقیقت کا انکشاف ہو جائے گا۔ جس کا اظہار بغیر تیرے عقد میں آئے ہونا ناممکن تھا۔ تجھے معلوم ہو جائیگا کہ میں کیا ہوں اور کون ہوں۔ اور تو کیا ہے اور کون ہے۔ ہمارے عشق کا مدعا و غائت کیا ہے۔ اس بے جان عورت کے تنفر اور حقارت کا سبب کیا تھا۔ اور وہ سب کچھ تجھ پر روشن ہو جائیگا۔ جو میں نے اب تک محیر العقل الفاظ اور نظاروں میں پوشیدہ رکھا ہے +

"اچھا میرے سرتاج۔ میرے پیارے اب نغمۂ تقدیر کے سرود پر غور کر"

یہاں اس نے اپنا بلسلہ گفتگو ختم کیا اور عالم وجد میں آسمان کی طرف مُنہ اُٹھا کر کھڑی ہو گئی۔ گویا وہ کسی الہام غیبی کی منتظر تھی۔ واللہ کبھی ــ یہاں تک کہ کور کی بیہ اسرار آتش میں بھی عذرا ایسی حسین نہ دکھائی دی تھی جیسی اس وقت محبت کے نشے میں چور۔ وجد کی حالت میں نظر آتی تھی +

میری نگاہیں اس کی طرف سے ایمن کی طرف پھر گئیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس کے سامنے ہکا بکا اور خاموش کھڑا ہے۔ ایسا ساکت جیسے کہ ساحر سمبری کا مردہ نما جسم تھا۔ یا جیسے خانم شمسہ کا ٹھنڈا جسم جس کی پتھرائی ہوئی آنکھیں زمین پر سے اوپر کو تک رہی تھیں + میں حیران تھا کہ اس کے قلب پر کیا واردات گزر رہے ہیں کہ جس وقت عذرا اپنی عالم گیر قوت اور نگاہ سوز حسن کے ساتھ اس کی پرستش میں مصروف تھی۔ وہ اس قدر بے حس و حرکت کھڑا ہے +

یکایک عذرا نے نہایت ہی سریلی اور پُرسوز آواز میں گانا شروع کیا۔ اس کے شیریں ترنم سے میرے خون میں ہیجان برپا ہو گیا۔ اور میرا تنفس رُک گیا:۔

"یہ آسمان و زمین اور یہ کائنات نہ تھی
ازل میں ۔ روح ابھی واقف حیات نہ تھی
ابھی نہ جلوہ گرِ بزم ہست تھا آدم
مرا وجود ترے ساتھ تھا مگر قائم
تو . . . . "

یکایک عذرا رُکی ۔ اور میں نے اس کے چہرے پر دہشت وہیبت کے آثار دیکھے۔ اور میں لرز اُٹھا ۔ اوہ ۔ میرے اللہ! ابین نے اس طرح جھومنا شروع کیا ۔ گویا اس کے نیچے پتھر کا فرش نہیں ہے بلکہ طوفان میں آئی ہوئی کشتی کا تختہ ہے + اس نے آگے پیچھے جھکولے کھائے ۔ دونو ہاتھ بڑھائے کہ عذرا کو پکڑ لے ۔ مگر یکایک پیچھے کو گرا اور ساکت پڑا رہ گیا +

آہ! عذرا نے ایک نعرۂ فلک شگاف لگایا ۔ یقیناً اسی چیخ کی آواز سے میدان کے مردے بھی جاگ اُٹھے ہونگے ۔ اور ستاروں میں بھی اس کے صدمے سے رعشہ آ گیا ہو گا ۔ مگر صرف ایک چیخ اور اس کے بعد خاموشی!!!

میں جھپٹ کر ابین کے پاس پہنچا ۔ مگر وہ عذرا کے بوسے سے جل کر اس کی سالہا سال کی دبی ہوئی محبت کی آگ سے جھلس کر مردہ شمسہ کے سینے پر پڑا تھا اور روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی ۔ انا للہ و انا علیہ راجعون +



باب بست و چہارم

خاتمہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

تھوڑی دیر میں مجھے عذرا کی آواز سنائی دی۔ اس کے الفاظ تقدیر کے اس لکھے کے سامنے جس کو مٹانے کی طاقت اس میں بھی نہ تھی۔ بہت ہی خوفناک معلوم ہوئے۔ کیونکہ ان میں مایوسانہ صبر و رضا کا رنگ تھا +

"معلوم ہوتا ہے کہ میرا سرتاج کچھ عرصہ کے لئے مجھے چھوڑ گیا ہے اب مجھے بھی بہت جلد ہی اس کے پاس پہنچنے کی تیاری کرنا چاہیئے"

اس کے بعد اچھی طرح یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ کیونکہ میرے سامنے وہ جوانا مرگ پڑا تھا۔ جو سے دے کر دنیا بھر میں میرا ایک ساتھی تھا۔ میں اسے بیٹا اور دوست دونو سمجھتا تھا۔ غم و الم سے میرا دل بیٹھ گیا۔ آہ کس قدر المناک واقعہ تھا۔ کہ میں بوڑھا تھکا ماندہ بدصورت ابھی زندہ تھا۔ اور عین عنفوان شباب میں آنے والی مسرت اور ایسی شان و شوکت سے محروم جس کا خواب بھی کسی انسان کو نہ آیا ہو گا۔ یوں خواب اجل میں مدہوش پڑا تھا +

میرا خیال ہے کہ شاید کسی خیال مابعد کی بنا پر عذرا اور معدن نے اسے ہوش میں لانے کی تدبیریں کیں۔ مگر بے سود۔ موت کے سامنے عذرا

کی سب قوتیں اکارت تھیں۔ بلکہ مجھے تو یقین تھا کہ اگرچہ کسی غیر معلوم قوت کی وجہ سے امین کچھ دیر پیروں کے سہارے کھڑا رہا تھا۔ مگر درحقیقت عذرا کے بغلگیر ہوتے ہی وہ مر چکا تھا۔ کیونکہ جب میں نے اسے گرنے سے پہلے دیکھا ہے تو اس کا چہرہ بالکل مردوں کی طرح تھا +

ہاں مجھے یقین ہے کہ عذرا کی آخری تقریر اس کی روح کے سامنے ہو رہی تھی۔ کیونکہ اس کے آتشیں بوسوں نے امین کے جسد خاکی کو بے جان کر دیا تھا +

آخر کار جب مجھے ہوش آیا۔ تو عذرا درشت اور رکے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔ اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا ـــ اور وہ چند راہبوں کو حکم دے رہی تھی کہ بدبخت شمسہ کا جنازہ اٹھا کر لے جائیں۔ اور اس کے خاندانی رسم ورواج کے مطابق دفنا دیں +

امین کا جسم اب ایک چارپائی پر پڑا تھا۔ مگر حیرت یہ ہے کہ اس کے چہرے پر اطمینان اور تبسم کی جھلک تھی۔ اس کے دونو ہاتھ سینے پر رکھے تھے۔ جب راہب شمسہ کی لاش اٹھا کر لے جا چکے۔ تو عذرا سنبھل کر اٹھی اور کہا :-

"مجھے ایک سفیر کی ضرورت ہے۔ مگر کسی عام سفر کے لئے نہیں۔ بلکہ عالم بالا کے سفر کے لئے۔ جہاں وہ گئی گزری روحوں کو تلاش کر سکے"+

یہ کہہ کر اس نے معدن کی طرف دیکھا۔ اس وقت میں نے پہلی دفعہ مشاہدہ کیا کہ معدن کے چہرے پر پریشانی کے آثار پیدا ہوئے۔ کیونکہ باوجود ان تمام واقعات کے جو اس کمرے میں رونما ہوئے تھے معدن کا مستقل تبسم ذرہ بھر نہیں بدلا تھا۔ مگر اس وقت اس کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ اور غریب کانپنے لگا۔ عذرا نے حقارت آمیز لہجے میں کہا :-

"تو ڈرتا ہے۔ اچھا معدن مت گھبرا۔ میں ایسے انسان کو نہیں بھیجنا چاہتی۔ جو خوف سے کانپ رہا ہو۔ حلیف! کیا تو میری خاطر اور اس کی خاطر جانے کو تیار ہے"؟

میں "ہاں۔ میں زندگی سے عاجز آچکا ہوں۔ اور اس سے بہتر انجام کا خواہاں نہیں ہو سکتا۔ البتہ بہتر ہو کہ موت آئے اور جلدی آئے۔ اور زیادہ تکلیف نہ ہو"!

عذرا کچھ دیر سوچتی رہی پھر کہا:۔

"نہیں ابھی تیرا وقت نہیں آیا۔ تجھے ابھی کچھ کام کرنا ہے۔ اچھا میرے حلیف! تو ابھی زندہ رہ اگرچہ یہ چند روز کے لئے ہی ہے"!

اس پر اس نے ساحر کی طرف دیکھا۔ جو پتھر کا بت بنا کھڑا تھا۔ اور ان تمام حالات میں اس کے کسی عضو میں حرکت تک پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور چلا کر کہا:۔

"جاگ"!

یکایک اس کے رگ وپے میں خون متحرک نظر آیا۔ ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہوئے۔ تنفس سے سینے میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور وہ پھر زندہ ہو کر اپنی اسی قدیم غصہ اور منتقم ہستی میں واپس آگیا۔ اور اس نے طعن آمیز طریقہ سے جھک کر کہا۔ جیسے کوئی اس طاقت کے سامنے جھکتا ہے۔ جس سے نفرت ہو:

"بیگم میں تمہاری بات سنتا ہوں"!

عذرا "سمبری۔ تجھے کچھ نظر بھی آتا ہے" اور امین کی طرف اشارہ کیا:

سمبری "ہاں۔ میں دیکھتا ہوں۔ جو کچھ شمسہ نے اور میں نے پیشین گوئی کی تھی حرف بحرف صحیح ہو گئی ہے۔ ہے نا یہی بات؟ ہم نے کہا تھا کہ "قریب زمانہ میں ہی قانون کے نئے تاجپوش خان کی ایک بلانس وہاں

آتشیں کے کنارے پڑی ہو گی " اور یہ کہہ کہ اس نے اس سنہرے حلقہ کی طرف اشارہ کیا۔ جو عذرا نے ایین کے سر پہ پہنا دیا تھا اور پھر سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے شرارت آمیز تبسم سے کہنے لگا:۔

"اگر تو مجھے بے دست و پا نہ کر دیتی تو میں جو تمام نظارے کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ تجھے پہلے بتا دیتا کہ انجام یہ ہونے والا ہے۔ مگر بیگم صاحبہ تجھے یہی پسند آیا کہ مجھے گونگا کر دے + اے عذرا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے ضرورت سے زیادہ سرگرمی کی اور انجام یہ ہوا کہ تو اس چوٹی کے دامن میں دست و پا شکستہ گر کر رہ گئی ہے۔ بس یہ پہنچنے کے لئے تو نے دو ہزار سال تک محنت شاقہ برداشت کی تھی + دیکھ تو نے لاتعداد انسانی جانوں کے بدلے ہیں جو اور نگ منصفِ حقیقی کے سامنے تیری تو توں کے غلط استعمال کی شکایت لے جا کر تیرے ظلم کے داد خواہ ہیں۔ کیا حاصل کیا ہے " اور یہ کہہ کر اس نے ایین کے مردہ جسم کی طرف اشارہ کیا +

عذرا "مجھے اس کا افسوس ضرور ہے۔ تاہم میری میری قوتوں کا صحیح استعمال ہو گیا۔ جب نوشتۂ تقدیر کے مطابق انہوں نے تیرے ہاتھ کو تھام کر خنجر کا وار روک لیا۔ اور مجھے میرا خاوند زندہ مل گیا۔ ہاں اور میں اس واقعہ کی بدولت خوش ہوں۔ اور تو سمجھ سکتا ہے کہ ان اندھے چمگادڑوں سے زیادہ خوش ہوں جنہیں تو جانتا ہے۔ کیونکہ تجھے یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ میں نے ایین کے ہاتھ اپنی آوارہ گرد روح کا دوبارہ عقد کر دیا ہے۔ جسے گناہوں نے مجھ سے بیزار کر دیا تھا۔ اور میرے اس شادی کے بوسے کی بدولت جس نے اس کے جسم کو جلا کر اس کی روح کو جدا کر دیا۔ ہمیں غیر مشروط عفو اور دائمی شان و شوکت کے تحائف اور تمام وہ انعامات جو پاکی

اور خوبصورتی کا خزانہ ہیں میسر آئینگے ۔

" دیکھ سمبری میں تیری عزت بڑھاتی ہوں ۔ تو میرا سفیر ہوگا ۔ اور خبردار خبردار اپنے فرض کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرنا ۔ کیونکہ میرے پیغام کو تو جس رنگ میں پہنچائے گا ۔ اس کے حرف حرف کا تجھ سے محاسبہ کیا جائیگا ۔"

" اچھا اب تو موت کے تاریک راستوں پر قدم زن ہونے کی تیاری کرے ۔ اور چونکہ فی الحال میرا خیال بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ۔ جہاں میرا سرتاج آج رات کو شب باش ہوگا ۔ اس لئے تو جا کر اسے تلاش کر ۔ اور میرا پیغام دے ۔ کہ تیری دلہن بہت جلد تیرے پاس آنے والی ہے ۔ اس سے کہنا کہ میرے لئے کوئی خوف نہ کر کیونکہ اس آخری غم نے میرے گناہوں کا کفارہ کر دیا ہے ۔ اور اب میں بالکل معصوم اس کے آغوش میں آؤں گی + اس سے کہنا کہ تقدیر میں اسی طرح لکھا تھا ۔ اور یہی ہمارے لئے بہتر ہے ۔ کیونکہ اب آخرکار وہ ابدی زندگی کے سرچشمہ میں غوطہ زن ہو چکا ہے ۔ اب اس کے لئے فنا کی رات ختم ہو کر بقا کا دن نکل آیا ہے + اسے ہدایت کرنا کہ وہ فنائے دروازے پر میرا انتظار کرے ۔ جہاں یہ تقدیر ہو چکا ہے کہ عنقریب میں بھی پہنچوں گی ۔ تو سنتا ہے ؟"

سمبری :۔ اے ملکۂ عالم ۔ اے توت ازلی ! میں سنتا ہوں ۔"

عذرا :۔ ایک پیغام اور ہے ۔ شمسہ سے کہنا کہ میں تجھے معاف کرتی ہوں ۔ تیرا دل ارفع تھا ۔ اور تو نے اپنا حق خوب ادا کیا + وہاں موت کے دروازوں پر ہم اپنا حساب طے کریں گی ۔ تو سنتا ہے ؟"

سمبری :۔ اے نیر ابدی ۔ اے فاتح شب ! میں سنتا ہوں ۔"

عذرا :۔ اچھا تو جا !"

عذرا کی زبان سے ان الفاظ کے نکلتے ہی سمبری فرش پر سے

اُچھلا اور تڑپ کر ہوا میں اس طرح ہاتھ مارے۔ گویا وہ اپنی اُڑتی ہوئی روح کو پکڑنا چاہتا ہے۔ لڑکھڑا کر اس تختہ پر گرا جہاں میں نے اور امین نے کھانا کھایا تھا۔ اور چاندی سونے کے برتنوں کے ڈھیر میں گر کر مر گیا + عذرا نے اس کی طرف دیکھا اور کہا:۔

" دیکھ حنیف اگرچہ اسے ہمیشہ مجھ سے نفرت رہی ہے تاہم اس ساحرکو ابتدا سے میری ہستی کا علم تھا۔ اور آخر کار میری قدیمی شوکت کے سامنے سر نیاز خم کئے بغیر نہ رہ سکا۔ اب اس کی زبان سے وہ نام نہ نکلا۔ جو اس کی ملکہ نے مجھے دے رکھا تھا۔ اور بجائے نجم شکست خوردہ کے اب "نیرِ ابدی۔ فاتح شب" اس کے منہ پر آیا۔ جیسا کہ حقیقت بھی ہے + اب یہ نیرِ ابدی دوبارہ طلوع ہو کر چمکے گا۔ اور اپنے دوسرے غیر فانی ساتھی کے ساتھ چمکے گا۔ پھر غروب نہ ہوگا۔ خیر اب وہ جا چکا ہے۔ اور اس سے پہلے وہ جا چکے ہیں۔ جو عالم بالا میں میرے خدمتگذار ہیں + حنیف تجھے یاد ہے ، تو نے عبادت گاہ میں ان کے سرداروں کو دیکھا ہے کہ عذرا کے الفاظ پر سر تسلیم خم کرتے تھے۔ اور اس کے دولہا کے قریب اس کی جگہ بنا رہے تھے +

" مگر آہ میری بیوقوفی کی بھی انتہا ہو گئی۔ جب آنکھوں دیکھتے مجھے تجربہ ہو چکا تھا کہ میرے غصہ میں اس قدر تیزی ہے تو میں نے یہ امید کس طرح کر لی کہ میرا سرتاج میری محبت کی شدت کو برداشت کر کے بچ رہے گا۔ تاہم جو کچھ ہوا اچھا ہوا۔ کیونکہ نہ مجھے اس جاہ وجلال کی پرواہ تھی جو میری بدولت اسے حاصل ہوتا نہ وہ کشت وخون کا قائل تھا۔ تاہم اگر وہ زندہ رہ جاتا تو یہ سب شان وشکوہ اس کو ضرور حاصل ہو جاتے۔ مگر اس تنگنائے دہر میں غاصبوں کے قدم خون کے کیچڑ میں ہمیشہ پھسل پھسل جایا کرتے ہیں +

" حنیف ! تو تھک چکا ہے۔ جا آرام کر۔ کل رات کو ہم پہاڑ کی

طرف کوچ کریں گے تاکہ تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرلیں۔"

میں برابر والے کمرے میں چلا گیا۔ اس میں سمیری سویا کرتا تھا۔ میں اس کے بستر پر دراز ہو گیا مگر نیند کہاں! کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ اور جلتے ہوئے شہر کی آگ کے شعلے بلند ہو ہو کر روشنی ڈال رہے تھے۔ میں نے اس روشنی میں دیکھا کہ عذرا این کی لاش کے سرہانے بیٹھی ہے۔ ہر ساعت پر میں دیکھتا تھا۔ مگر عذرا اسی طرح خاموش و ساکت دونوں ہاتھوں سے سر تھامے بیٹھی رہی۔ نہ وہ روتی تھی۔ نہ اس کے لب سے آہ نکلتی تھی بلکہ اطمینان سے بیٹھی اس طرح این کی لاش کی نگرانی کر رہی تھی۔ جیسے کوئی دایہ ننھے بچے کی سوتے ہوئے حفاظت کرتی ہے جو صبح کو ہنستا کھیلتا جاگ اٹھے گا۔

اس نے چہرے سے نقاب اٹھا دیا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس میں بے حد تغیر رونما ہو چکا تھا۔ غرور اور غصہ کا نشان تک باقی نہ تھا۔ اب اس پر نرمی اور غم کے آثار تھے۔ مگر ان کے پہلو بہ پہلو خاص سکون اور طمانیت کی جھلک بھی تھی۔ پہلے تو میری سمجھ میں نہ آیا کہ اس کی صورت دیکھ کر مجھے کیا موقعہ یاد آتا ہے۔ آخر کار مجھے یاد آگیا کہ اس وقت اس کی صورت بعینہٖ وہ تھی جو عبادت گاہ میں "مادر" کے بت کی تھی۔ واقعی اس کی نگاہیں محبت اور قوت سے بھری ہوئی اسی انداز سے این کے مردہ جسم پر پڑ رہی تھیں۔ جس طرح "مادر" کے بت کی نگاہیں موت کے خوفناک خواب سے جاگے ہوئے بچے پر پڑ رہی تھیں۔ اور اس کے کھلے ہوئے لب "کوئی امید کا یقین اور غیر فانی فسانہ" سناتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

آخر کار وہ اٹھی اور میرے کمرے میں آکر ملائم آواز میں کہنے لگی:۔

"میرے حبیب! تو مجھے مفتوح خیال کرتا ہے۔ اور میری وجہ سے

رنج و غم میں مبتلا ہے۔ حالانکہ تجھے یہ معلوم تھا کہ میں پہلے سے ایسے واقعہ کے ہو جانے سے خائف تھی "۔

میں :- "ہاں! عذرا میں تیری وجہ سے رنج میں مبتلا ہوں - اور اپنی وجہ سے بھی "۔

عذرا :- "تو ضعیف! تیرا رنج عبث ہے - اس لئے کہ گو میرا انسانی پہلو اس کو ابھی چندے زمین پر باقی رکھ سکتا تھا - مگر اب میری روح خوش ہے۔ کہ کچھ عرصہ کے لئے اس نے فنا کی بیڑیاں توڑ دی ہیں + اگرچہ مجھے اس کا علم نہیں تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ قرناً بعد قرنٍ میں نے قانونِ قدرت کے خلاف اپنی مغرورانہ جد و جہد کی بدولت اس کی اور اپنی حقیقی کامیابی اور بہبودی کو روکے رکھا + فرشتۂ تقدیر سے تین دفعہ میری مقابلہ آرائی ہوئی اور تینوں دفعہ میری طاقت اس کی طاقت کے سامنے شکست کھا گئی - مگر آج جب وہ امین کی روح کو بطور نشانِ فتح لے جا رہا تھا - تو اس نے میرے دل و دماغ کو عقل سے معمور کر دیا - اس نے جو پیغام مجھے دیا یہ تھا :-

"موت عشق کا وطن ہے - اور موت میں ہی عشق کی فتح ہے - زندگی کے مدفن کے بعد محبت پھر نئی شان و شوکت اور نئی پاکیزگی کے ساتھ پیدا ہوتی ہے - اور پھر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے فتح و نصرت کے سوا کچھ نہیں رہتا - یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے آنسو خشک کر لئے ہیں - اور اب میں پھر ملکۂ امن و امان ہوں + اب میں اس سے ملنے جا رہی ہوں جسے ہم کھو چکے ہیں - وہاں جہاں وہ ہمارا منتظر ہے اور یہ ودیعت ہو چکا ہے کہ میں ایسا کر دوں . . . مگر آہ! میں کتنی خود غرض ہو کر بھول گئی - تجھے آرام کی ضرورت ہے - سو جا - میں کہتی ہوں سو جا "۔

اس کے الفاظ میں خدا جانے کیا جادو تھا - کہ میں اس استعجاب میں غرق ہو گیا کہ آخر عذرا کو یہ عجیب اعتماد اور اطمینان کہاں سے میسر آیا +

میں نہیں کہہ سکتا۔ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ یہ اطمینان قلبِ حقیقی تھا۔ بناوٹ کو اس میں مطلقاً دخل نہ تھا۔ اس لئے میں صرف یہی خیال کر سکتا ہوں۔ کہ یقیناً اس کی روح پر الہامی تجلیات وارد ہوئی تھیں۔ اور جیسا کہ اس نے کہا تھا۔ ایبن کی محبت اور ایبن کا انجام کسی غیر معلوم طریقہ سے اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا تھا +

کم ازکم اس کے گناہوں کی یاد اور موت کا غیر محدود نظارہ اب قطعاً اس کے دل پر اثر پیدا نہیں کر رہا تھا۔ وہ صرف ان سب باتوں کو ایسے واقعات سمجھتی تھی۔ جن کا ظہور ناگزیر تھا۔ گویا وہ ایسی تخم پاشی کے پھل ہیں۔ جنہیں مدتیں گزریں تقدیر کے ہاتھوں نے بو دیا تھا۔ اور تقدیر کے کئے ہوئے کاموں کی وہ خود کو ذمہ دار نہ سمجھتی تھی۔ خوف و دہشت سے بھرے ہوئے تصورات جن سے انسانی دل لرز اُٹھتا ہے۔ اس پر کوئی اثر نہ کرتے تھے۔ اس معاملہ میں بھی اور تمام باتوں کی طرح عذرا اپنی آپ نظیر تھی +

جب میں بیدار ہوا تو دن نکل چکا تھا۔ اور بارش جس کے لئے قانون کے باشندے مدتوں سے ترس رہے تھے موسلا دھار ہو رہی تھی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ کفن پوش ایبن کے پاس بیٹھی ہوئی عذرا راہبوں، قبیلوں کے سرداروں اور بعض رئیسوں کو جو قانون کے قتل عام سے بچ رہے تھے۔ مملکت کے نئے آئین سمجھا رہی تھی۔ اور حکم سنا رہی تھی۔ میں پھر سو گیا +

شام کے قریب عذرا میرے سرہانے آئی اور مجھے جگا کر کہا:۔

"سب سامان تیار ہے اُٹھ اور میرے ساتھ چل"

چنانچہ ہم ایک ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے باقی لوگ قانون کی سرزمین پر قبضہ جمانے یا لوٹنے کی غرض سے وہیں ٹھہر گئے + سب سے آگے راہبوں کی جماعت ایبن کا جنازہ اُٹھائے جا رہی

تھی۔ ان سے پیچھے عذرا اور میں برابر برابر گھوڑوں پر سوار تھے ؛

ہماری قالون میں آمد اور اب اس جگہ سے روانگی میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اس وقت باد پا سواروں کے رسالے کی دوڑ۔ عناصر کے غیظ و غضب۔ بجلی کا مسلسل تڑپ تڑپ کر بادلوں کی چادر میں سے دکھائی دینا۔ اور ایک لشکر کی مایوسانہ آہ و بکا جو رعد و برق کے حملوں کے سامنے زمین میں بچھ بچھ کر خون میں نہا رہے تھے۔ یہ سب کچھ ایک قیامت کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔ اور اب سفید کفن میں لپٹی ہوئی لاش۔ آہستہ خرام گھوڑے۔ سواروں کی برچھیاں اُلٹی ہوئی۔ اور چاروں طرف چاند کی دھندلی روشنی میں قالون کی لاوارث عورتیں اپنے مردوں کی لاشیں دفن کرتی ہوئی غم و الم کی جیتی جاگتی تصویر پیش نظر کرتی تھیں ؛

اور عذرا جو اُس روز جنگ کی خوفناک دیوی بنی ہوئی شعلہ کا تاج اوڑھے ہوا سے باتیں کر رہی تھی آج ایک لاوارث بیوہ عورت تھی۔ جو گردن جھکائے اپنے خاوند کے جنازے کو مدفن کی طرف لے جا رہی تھی ؛

مگر آہ! قالون کے غریب باشندے اس سے کس قدر خائف تھے۔ ایک بیوہ عورت نے تازہ کھودی ہوئی قبر کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس کی لاش کی طرف اشارہ کیا اور کچھ نا ملائم کلمات کہے۔ جو میری سمجھ میں نہیں آئے اس پر اس کی ساتھ والیاں اس پر ٹوٹ پڑیں۔ اور مکوں اور لکڑیوں سے مار مار کر اسے زمین پر گرا دیا۔ پھر خود زمین پر دو زانو ہو کر جھکیں اور اس موت کی دیوی کے سامنے اپنی عاجزی اور اطاعت کے اظہار کے طور پر مٹی اٹھا اٹھا کر بالوں میں ڈالنے لگیں ؛

عذرا نے انہیں دیکھا اور اپنے پرانے مغرورانہ اور آتشیں لہجہ میں مجھ سے کہا :-

" اب اگرچہ پھر میرا قدم سرزمین قالون پر نہ آئیگا۔ تاہم تحفۂ رخصت کے طور پر میں نے ان بلا خور لوگوں کو ایسا سبق پڑھا دیا ہے۔ جس کی

مدت سے ان کو ضرورت تھی۔ حنیف! اب کئی نسلوں تک ان لوگوں کو عزا کے دارالتعلیم اور اس کے رعایا قبیلوں پر برچھی اٹھانے کی جرات نہ ہو گی"۔

. . . .

پھر رات کا وقت تھا اور ابن کا جنازہ عبادت گاہ کے اندرونی حصہ میں "مادر" کے بت کے سامنے جس کی خاموش نگاہیں اس کے مردہ چہرہ کا معائنہ کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ عین اس جگہ پڑا تھا۔ جہاں ایک روز قالون کے خان کا جنازہ رکھا گیا تھا۔ جسے خود ابن نے قتل کیا تھا۔

تخت پر نقاب پوش عزا بیٹھی تھی۔ اور اپنے رہبان و راہبات کو احکام دے رہی تھی:۔

"میں تھک گئی ہوں۔ اور ممکن ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے میں آرام کرنے کی غرض سے پہاڑوں سے پرلی طرف تمہیں چھوڑ کر چلی جاؤں۔ میں نہیں کہہ سکتی کہ میں ایک سال تم سے علیحدہ رہوں گی۔ یا ایک ہزار سال۔ اگر ایسا ہوا تو اٹی اور معدن اس کا مشیر اور خاوند اور ان کی اولاد میری جانشین ہو گی۔ یہاں تک کہ میں پھر واپس آؤں۔

"عزا کے دارالتعلیم کے رہبان و راہبات! میں نے نئی سرزمین اور نئی مملکت پر قبضہ کر لیا ہے۔ اسے میں اپنے ترکے کے طور پر تمہیں دیتی ہوں۔ اس پر رحم اور شرافت سے حکومت کرنا۔ آج سے جو پہاڑ کی عزا ہو گی وہی قالون کی خانم بھی ہوا کرے گی۔

"پرانے مذہب کے پیرو رہبان و راہبات! اس مذہب کی رسم و رواج اور نشانات کو اندرونی روح کل کی ظاہری اور بیرونی علامات سمجھا کرنا۔ اگر عزا دیوی نے دنیا میں حکومت نہیں کی ہے تو فطرت ضرور تمام عالم پر حکمران ہے۔ اگر آسمانی درباروں میں آئسس کا نام کسی

سے نے نہیں سُنا تو یہ یقین رکھو کہ آسمان میں پوری محبت والفت کے ساتھ اپنے انسانی بچوں کو غور د پرداخت میں مصروف وہ قوتِ مادری موجود ہے جس کی تصویر یہ "مادر" کا بُت ہے + وہ قوت مادری جس نے ہمیں پیدا کیا اور بغیر اندیشۂ نسیان انجام کار پھر ہمیں اپنے آغوش میں لے لے گی +
"ہمارے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے واسطے غم والم کی تلخی نہیں لکھی گئی ہے۔ اور نہ ہر وقت ہمارے لئے آنسو بہانے کا موقعہ ہے۔ رات کی تاریکی سے پرے شاہی سورج چمکتے ہیں۔ اور بارش کے گرد ہمیشہ قوس و قزح رنگ آمیز یاں کرتی رہتی ہے + اگرچہ وہ زندگیاں نہ جانیں جو ہمارے سامنے ضائع ہوتی ہیں۔ ہمارے ہاتھوں سے پگھلتے ہوئے برف کی طرح نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر انجام کار ثابت ہو جائیگا کہ غیر فانی ہیں۔ اور ہماری انسانی ابدوں کی بجھی ہوئی راکھ میں سے آخر کار ایک آسمانی ستارہ چمکتا ہوا نکلے گا"

یہاں عذرا ٹھہری اور چاہا کہ ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو رخصت کر دے کہ اسے پھر کچھ خیال آیا اور میری طرف اشارہ کرکے کہا:-

"یہ میرا پیارا دوست اور مہمان ہے۔ تم بھی اس کو ایسا ہی سمجھنا میری یہ مرضی ہے کہ تم لوگ یہاں اس کی حفاظت اور خاطر و مدرات میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرو۔ اور جب برف پگھل کر موسم بہار آنے کو ہو۔ تو تم پہاڑوں کے قریب والے قعر عمیق پر کسی تدبیر سے راستہ بناؤ اور اسے پہاڑوں سے پار کسی حفاظت کی جگہ پہ پہنچا کر واپس چلے آؤ + میرا حکم سُن لو اور اس کی تعمیل کا حقہ کرو۔ کیونکہ یاد رکھو کہ اس کی جان کا حساب تمہیں میرے سامنے دینا پڑیگا"

رات بہت گذر چکی تھی اور صبح صادق قریب تھی۔ اور ہم پہاڑ کی چوٹی پہ دہانۂ آتشیں کے کنارے پر کھڑے تھے۔ ہم چار شخص

تھے۔ عذرا، میں، معدن اور رائی + جنازہ اٹھانے والے ایبن کا جنازہ
کنارے پر رکھ کر جا چکے تھے۔ شعلوں کی چادر اپنی اسی شان سے چمکتی
ہوئی ہمارے سامنے اوپر کو جا رہی تھی۔ اس کی چوٹی ہوا کے زور سے
پرلی طرف کو جھکی ہوئی تھی۔ اور بڑے بڑے شعلوں کے ٹکڑے اس
سے نکل نکل کر فضا میں غائب ہونے جاتے تھے + ایبن کے جنازے کے
پاس عذرا دوزانو بیٹھی تھی۔ اور بالکل خاموش اس کے چہرے کو دیکھ
رہی تھی۔ آخر وہ اٹھی اور کہا:۔

"میرے حنیف تاریکی قریب آ رہی ہے وہ تاریکی جو صبح صادق کا
پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اچھا اب کچھ قلیل عرصہ کے لئے میں تجھے خیرباد کہتی
ہوں۔ جب تو قریب المرگ ہو جائے تو مجھے یاد کرنا۔ میں تجھے لینے آؤں گی
مگر اس سے پہلے نہیں + ٹھہر ابھی حرکت کرنے اور بولنے کا موقعہ نہیں۔ جب
سب کچھ ہو چکیگا۔ پھر تجھے اختیار ہوگا کیونکہ ممکن ہے کہ جب میں تیری
حفاظت کے لئے یہاں نہ ہونگی تو کوئی غیبی طاقت پیدا ہو کر تجھے مار ڈالے"

"یہ ہرگز خیال نہ کرنا کہ میں مغلوب ہو گئی ہوں۔ کیونکہ اب میرا
نام فتح ہے۔ یہ خیال نہ کرنا کہ عذرا کی طاقت ختم ہو چکی ہے۔ یا اس کا قصہ
تمام ہو چکا ہے۔ کیونکہ تو نے میری زندگی کا صرف ایک صفحہ دیکھا ہے
یہ خیال نہ کرنا کہ میں آج وہی گنہ گار مغرور چیز ہوں۔ وہی عذرا جس کی
صورت کا تو دیوانہ بھی تھا اور اس سے خوف زدہ بھی تھا۔ کیونکہ اب
میں نے اپنے سرتاج کی محبت اور قربانی سے نئی روح حاصل کر لی ہے۔
بلکہ تجھے جان لینا چاہیئے۔ کہ جس طرح ابتدا میں تھی۔ اسی طرح اب پھر
میری اور اس کی روح ملکر ایک ہو چکی ہے"

یہاں پہنچکر وہ تھوڑی دیر سوچتی رہی۔ پھر کہا:۔

"ایبن کی پیشانی پر آخری بوسہ دے لے۔ پھر پیچھے ہٹ کر خاموش
کھڑا رہ"

جس طرح ایک دفعہ پہلے ہوا تھا۔ اب دہانہ کے کنارے پر اندھیرا چھا گیا۔ اور تھوڑی دیر میں اس اندھیرے میں سے ایک دو بازوؤں کا شعلہ بلند ہوا۔ اور جہاں عذرا کھڑی تھی وہاں آکر رکا۔ اگرچہ اس دفعہ نہ میں نے کوئی دعا سنی نہ غیبی شاندار نغمہ سنائی دیا۔

شعلہ رکا۔ تھوڑی دیر دکھائی دیتا رہا اور غائب ہو گیا پھر تاریکی چھا گئی۔ اور لمحے تاریکی میں گھنٹوں کی طرح گذرنے لگے۔ یہاں تک کہ صبح کی پہلی کرن سے غار کا کنارہ منور ہوا۔

آہ۔ جگہ خالی تھی۔ بالکل خالی اور سنسان۔ نہ ایین کی لاش موجود تھی اور نہ عذرا تھی۔ اس کا شاہانہ وجود غائب ہو چکا تھا۔

آخر وہ گئی کہاں؟ میں اس کا جواب نہیں دے سکتا۔ البتہ مجھے اس قدر ضرور معلوم ہے کہ صبح ہوتے ہی جب دہان آتشیں سے اس کے خیر مقدم کے لئے شعلہ کی چادر بلند ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس کے اندر دو انسانی ہستیاں ہم آغوش اوپر کو تیرتی ہوئی اڑ کر غائب ہو گئیں۔ ان کے چہرے ایین اور عذرا کے چہرے تھے۔

اس کے بعد مہینوں جبکہ میں حیران و پریشان اس کوہستانی دارالعلوم کی عمارت میں یا سر مارزدہ برفانی ڈھلوانوں پر سرگرداں پھرا کرتا تھا۔ میں نے اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کی کہ آخر عذرا گئی کہاں؟ میں کبھی اپنے دل سے سوال کرتا تھا۔ کبھی آسمان سے پوچھتا تھا۔ اور کبھی ایین کی روح سے جو اکثر مجھے اپنے قریب محسوس ہوتی تھی۔ مگر تو بہ اس کا حل ممکن نہ ہوا۔ اور نہ میں اپنے ذہن سے کوئی اس کا حل پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس طرح عذرا کی ابتدا اور اس کی زندگی بھر وہ راز میں کھلی —— کیونکہ میں ہمیشہ اس کے سمجھنے سے قاصر رہا —— اسی طرح وہ نو موقعوں پر اس کی موت یا یوں کہو کہ اس کا رخصت ہونا کیونکہ میرا ذہن اس کی موت کے خیال کی طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔ موت کے اخفا میں رہا۔ یقیناً وہ

اب بھی موجود ہے۔ اگر اس زمین پر نہیں تو کسی اور عالم میں ضرور ہے ۔

میرا یہی یقین ہے اور جب میرا وقت آخر آئیگا جو یقینیاً بہت قریب ہے۔ مجھے پتہ لگ جائیگا کہ آیا میرا یقین غلط تھا۔ اور میں دیکھ لونگا۔ کہ آیا وہ میری رہبری کے لئے آتی ہے یا نہیں۔ جیسا کہ اس نے جاتے وقت اقرار کیا تھا۔ اسی وقت مجھے اس کا بھی علم ہو جائیگا۔ جو وہ ایبن کو اس وقت بتانے لگی تھی۔ جب وہ مرگیا۔ یعنی اس کی اور ایبن کی ہستی اور دونو کے باہم عشق کا راز ۔

چنانچہ اسی خیال کی بنا پر میں صبر سے انتظار کر سکتا ہوں۔ اور یہ انتظار طویل نہ ہوگا۔ اگرچہ میرا دل پاش پاش ہو چکا ہے اور میں مایوس ہوں ۔

. . . .

معدن اور دوسرے سب راہبوں نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک روا رکھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس کے برعکس ان کی منشا بھی ہوتی تو نہ کر سکتے۔ جنہیں عذرا کی وصیت یاد تھی اور یقین تھا کہ کسی نہ کسی زمانے میں انہیں اس معاملہ کا محاسبہ اپنی خوفناک ملکہ کے سامنے ضرور دینا پڑیگا اس کے بدلے میں میں نے انہیں جہاں تک مجھ میں قابلیت تھی نئے فتح شدہ علاقہ قالون کی حکومت کے متعلق اور بہت سے اہم سوالات کے متعلق تجویزوں اور مشوروں سے بہرہ اندوز کرنے کی کوشش کی ۔

اور آخر کار سرما کے طول طویل مہینے ختم ہوئے اور گرمی کے آتے ہی برف پگھلنے لگی۔ اس وقت میں نے کہا کہ اب میں جاؤنگا ۔ انہوں نے اپنے خزانوں میں سے مجھے کچھ جواہرات دے دئے تاکہ عند الضرورت کام آئیں ۔ کیونکہ جو سونا مجھے عذرا نے دیا تھا۔ وہ اس قدر بھاری تھا۔ کہ ایک آدمی اسے اٹھا کر سفر نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھے قالون کے میدانوں

یں سے ساتھ لے کر شہر تک پہنچے۔ اب کھیتوں میں بچے کھچے کسان ہل چلا رہے تھے۔ اور تخم پاشی ہو رہی تھی۔ مگر میں قانون کے جلے ہوئے کھنڈرات میں داخل نہ ہوا۔ کیونکہ ان کی صورت دیکھ کر موت اور مصیبت کا نقشہ میری آنکھوں میں پھر جاتا تھا۔ چنانچہ میں نے شہر سے باہر دریا کے کنارے پر عین اس جگہ قیام کیا جہاں میں اور ایمن آکر ٹھہرے تھے۔ جب دیوانہ خان نے ہمیں آزاد کیا تھا۔ یا یوں کہو کہ موت کے کتوں کو ہمارا شکار کرنے کے لئے چھوڑا تھا۔

اگلے دن ہم کشتیوں پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور اس جگہ کے قریب سے ہوئے۔ جہاں شمسہ کا عم زاد قتل ہوا تھا۔ آخر دروازے پر پہنچے یہاں پھر رات کو قیام کیا۔ میں سونے کے لئے لیٹا۔ مگر توبہ نیند کہاں۔

اس سے اگلی صبح کو میں اس قصر میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس تیز رو ندی پر جس کا پانی اب قریباً پایاب تھا۔ ایک عارضی پل بنا ہوا ہے اور میری روانگی کی تیاری میں چٹان کی بلندی تک ایک بھدی مگر کافی آرام دہ سیڑھی بھی تیار ہے۔ ان سیڑھیوں کے پہلے ڈنڈے پر قدم رکھ کر میں نے معدن سے معانقہ کیا اور رخصت چاہی۔ اس نے بالکل اسی تبسم سے مجھے رخصت کیا جس تبسم سے اس نے ہمارا خیر مقدم کیا تھا۔ مجھے اس وقت اور کوئی الفاظ نہ سوجھے میں نے کہا:

"ہم دونوں نے عجیب عجیب واقعات اکٹھے دیکھے ہیں"

معدن: "بہت عجیب"

میں: "دوست معدن! کم از کم واقعات کی رو میں تمہارا کام ضرور بن گیا۔ اس لئے کہ تم تخت و تاج کے وارث ہو گئے ہو"

معدن: "ہاں۔ مگر یہ تخت و تاج عارضی ہیں۔ جن سے بلاشبہ ایک نہ ایک دن مجھے محروم ہونا ہی پڑیگا"

میں: "تو کیا تمہارا مدعا یہ ہے کہ عزرا ابھی مری نہیں"

معدن "میری مراد یہ ہے کہ عزا کبھی نہیں مرتی۔ اس میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور بس۔ جس طرح ہوا کبھی پروا چلتی ہے کبھی پچھوا۔ اسی طرح وہ آتی جاتی ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے دنیا میں کسی جگہ یا اس سے باہر کسی گوشہ میں کچھ عرصہ کے لئے وہ ہوا خاموش ٹھہری رہے گی۔ تاہم غروب آفتاب کے وقت یا صبح صادق کے وقت۔ دوپہر کو یا آدھی رات کو یہ پھر چلنی شروع ہوگی۔ پھر ان کا خدا حافظ۔ جو اس کے راستے میں مدافعت کرنے کی کوشش کریں۔

"تمہیں قانون کے میدان میں کشتوں کے پشتے یاد ہیں۔ تمہیں ساحر سمبری کا رخصت ہونا۔ عزا کا پیغام اور اس کے الفاظ جو اس نے سمبری کو کہے یاد ہیں۔ تمہیں دہانِ آتش کے کنارے پر سے عزا کا غائب ہوجانا یاد ہے۔ اے مغربی مسافر! یقیناً جیسے کل مشرق سے سورج نکلیگا۔ جیسے عزا ہماری نظروں سے پنہاں ہوگئی۔ اسی طرح وہ پھر واپس آئے گی۔ اور میں اس عارضی شاہی لباس میں اس کا منتظر ہوں۔"

میں "اور معدن میں بھی اس کی آمد کا منتظر ہوں۔"

یہ کہہ کر میں معدن سے رخصت ہوکر سیڑھیوں پر چڑھ گیا۔

میرے ساتھ بیس چیدہ آدمی کھانے پینے کا سامان اور ہتھیار لئے ہوئے روانہ ہوئے تھے۔ چنانچہ میں آسانی سے سیڑھیوں کو عبور کرکے پہاڑ پر پہنچا۔ اور اب چونکہ سامان خورد و نوش اور حفاظت جان کافی تھا۔ اس لئے پہاڑوں کے طے کرتے ہوئے بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ میرے ساتھی میرے ساتھ میدان صحرائی کو عبور کرکے آئے۔ یہاں تک کہ آخرکار ایک شب کو ہم عظیم الجثہ بدھ کے بت کے سامنے قیام گزیں ہوئے۔ جو لاماؤں کے مندر کے سامنے نصب تھا۔

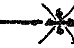
جب میں اگلی صبح اٹھا تو میرے ہمراہی راہب جاچکے تھے۔ چنانچہ میں نے اپنا اسباب اٹھایا اور مندر کی طرف چلا۔ آہستہ آہستہ راستہ طے کرکے

غروب آفتاب کے قریب میں مندر کے دروازے پر پہنچا +
یہاں دروازے پر ایک پھٹا ہوا جبہ پہنے ایک بوڑھا بیٹھا تھا۔ جو بظاہر انجم فلک کے مشاہدے میں مصروف تھا۔ یہ وہی ہمارا پرانا دوست کاہن تھا۔ اس نے اپنی عینک آنکھوں پر لگا کر میری طرف دیکھا۔ پھر ایسی آوازیں جس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ مجھ سے ملنے کی مسرت کو دبا رہا ہے۔ کہا:۔
"اے اس دیر کے رہنے والے بھائی جس کا نام دنیا ہے۔ میں تمہارا منتظر تھا۔ کیا وہاں رہتے ہوئے تمہیں اشتہا معلوم ہوئی تھی کہ یہاں واپس آئے ہو؟"
میں "ہاں۔ میرے دانشمند کاہن۔ ہاں۔ مگر مجھے آرام کی بھوک ہے"
کاہن "اچھا۔ اس جون میں اب تمہیں آرام ہی آرام ہے۔ مگر یہ تو بتاؤ۔ دوسرا بھائی کہاں ہے؟"
میں "وہ مرگیا"
کاہن "اس لئے اب وہ کہیں اور پیدا ہوگیا ہوگا۔ یا شاید عالم بالا کے کسی گوشے میں تھوڑے سے عرصہ کے لئے منتظر ہوگا + خیر۔ یقیناً ہم ضرور کسی زمانہ میں اس سے ملاقی ہونگے۔ آؤ پہلے کچھ کھا پی لو۔ پھر اپنی داستان سناؤ"
چنانچہ میں نے کھانا کھایا۔ اور اسی رات سے تمام قصہ سنایا کاہن نہایت متانت اور ٹھنڈے دل سے تمام کہانی سنتا رہا + مگر اس عجیب قصہ سے جو بادی النظر میں ہر شخص کو خرق عادت نظر آئیگا اس کے دل میں کوئی حیرت یا تعجب کے آثار پیدا نہ ہوئے۔ بلکہ اس نے قلب ماہیت کے عجیب و غریب نظریہ کی رو سے تمام واقعات کی توضیح کرنا شروع کی اور اس کی گفتگو نے اس قدر طول کھینچا کہ مجھے غنودگی آگئی۔ اور میں نے غنودگی کے عالم میں کہا:۔
"کم از کم اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہم سب اس عرصۂ غیر فانی میں

رفتہ رفتہ ترقئ مدارجِ روحانی حاصل کرتے رہتے ہیں"۔ میں جانتا تھا کہ اس قسم کے خیال سے وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ مگر کاہن نے درشت لہجے میں جواب دیا:۔

"ہاں اس دیر کے رہنے والے بھائی جس کو دنیا کہتے ہیں۔ بلا شبہ تم سب مدارج روحانی میں ترقی حاصل کر رہے ہو۔ مگر معاف کرنا۔ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تمہاری ترقی کی رفتار بہت سُست ہے۔ بالخصوص اس عورت کی یا جادوگرنی کی یا طاقتور روح خبیثہ کی جس کے کئی نام تم نے لئے تھے یعنی عذرا۔ عزا اور ملکہ مطاع الکل + اس زمین پر اور عالم بالا میں نجم شکست خوردہ اور . . . . "

[یہاں حنیف کے مسودہ کی تحریر ختم ہو جاتی ہے۔ باقی اوراق اس وقت آگ کی نظر ہو گئے۔ جس وقت حنیف نے اپنے گھر میں اس کو جلا دینے کے ارادے سے انگیٹھی میں پھینک دیا تھا۔]



تمت

شیخ محمد امین کاتب

ایمن آباد

ادبی تصانیف

عذرا

ایلن کے باپ نے حنیف کو ایک صندوقچی دی اور وصیت کی کہ میرا خورد سال بچہ جب بالغ ہو جائے تو یہ صندوقچی کھولی جائے۔ اس صندوقچی میں سے ایک تحریر نکلی جس کے بموجب حنیف و ایلن افریقہ کے لق و دق جنگلوں ایک ایسی عورت کے ملک میں پہنچے جو ہزار سال سے زندہ چلی آتی تھی اور آگ کے شعلوں سے نہایا کرتی تھی۔ اس کے حالات ایسے عجیب و غریب ہیں کہ نہ آنکھوں نے دیکھے نہ کانوں نے سنے۔ قیمت عہ

چوگان ہستی

از ادیب فطرت نگار منشی پریم چند صاحب۔

ہندی میں منشی پریم چند صاحب کا یہی ناول "رنگ بھومی" کے نام سے اس قدر مقبول ہوا کہ تمام پریس نے باتفاق رائے اسے طبع زاد ہندی ادب کا اور منشی پریم چند صاحب کا بہترین ناول قرار دیا ہے۔ دارالاشاعت پنجاب کی درخواست پر منشی پریم چند صاحب نے اس شاہکار کا خود اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ معاشرت کی صحیح مصوری اور کردار نگاری۔ نکتہ رسی اور فلسفیانہ غور و خوض میں منشی صاحب کو ید طولیٰ حاصل ہے۔ اور اس ناول میں ان کی یہ تمام خصوصیات اپنے پورے شباب پر ہیں۔ ایک حیرت ناک مؤثر افسانہ جو بے مثال قادر الکلامی سے بیان کیا گیا ہے۔ رسالہ زمانہ میں محض اتنی سی اطلاع نکل جانے پر کہ دارالاشاعت پنجاب سے یہ ناول شائع ہونے والا ہے۔ فرمائشوں کی بھرمار ہو گئی تھی۔ ابھی ابھی چھپ کر تیار ہوا ہے۔ مایوسی سے بچنے کے لئے فوراً طلب کیجئے۔ قیمت حصہ اوّل عہ۔ قیمت حصہ دوم عہ

پریم بتیسی

ہندوستان کے بے نظیر افسانہ نویس منشی پریم چند کے افسانے ہمیشہ اصلاح اخلاق پر مبنی ہوتے ہیں۔ اور ان کا مقصد شریفانہ جذبات مثلاً غیرت۔ حیا۔ خوفِ خدا۔ شجاعت اور آزادیِ ضمیر وغیرہ کا برانگیختہ کرنا ہوتا ہے۔ پریم بتیسی آپ کے بتیس ۳۲ تازہ ترین قصّوں کا مجموعہ ہے۔ ان قصوں میں فطرت کا دلچسپ مطالعہ۔ نازک ترین جذبات واحساسات کا بیان۔ ہندوستانی مناظر قدرت کے پُر لطف اسکیچ ہیں۔ زندگی کے معموں کو نہایت خوبی سے سُلجھایا اور ان کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ وہ قصّے ہیں جو ہندوستانی زندگی میں انقلاب پیدا کر دینگے۔ غیر ممکن ہے۔ کہ کوئی منشی صاحب موصوف کی تصنیف پڑھے اور آپ کی جادو بیانی اور سحر نگاری کا قائل نہ ہو جائے۔ قیمت حصّہ اول عہ۱۲ر حصہ دوم عہ ر +

پریم پچیسی

ادیب فطرت نگار منشی پریم چند کی سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مقبول تصنیف جو پہلا اڈیشن تمام ہونے کے بعد کہیں سے دستیاب نہ ہو سکتی تھی +

اس مجموعہ میں مامتا۔ بڑے گھر کی بیٹی۔ نمک کا داروغہ۔ رانی سارندھا۔ بے غرض مُحسن۔ آہ بیکس۔ خون سفید۔ صرف ایک آواز۔ کرموں کا پھل۔ غیرت کی کٹاری۔ منزل مقصود وغیرہ خاص طور پر شہرت حاصل کر چکے ہیں +

کتابت۔ طباعت اور کاغذ کے متعلق دارالاشاعت پنجاب کی تمام مطبوعات ہی خاص شہرت رکھتی ہیں۔ یہ کتاب سلسلہ کہکشاں میں داخل کر لی گئی ہے۔ اور اسی سلسلہ کے چھوٹے سائز پر چھاپی گئی ہے۔ قیمت حصّہ اول عہ۸ر حصّہ دوم عہر +

بازارِ حُسن

ادیب فطرت نگار منشی پریم چند کا پہلا ضخیم ناول اردو

ہیں۔ ایک حسین اور ناز و نعم میں پلی ہوئی لڑکی کی سرگذشت۔ جسے اسکے باپ کی گرفتاری کے بعد اسکے عزیزوں نے ایک ایسے غریب شخص سے بیاہ دیا جو کسی لحاظ سے اس کے لئے موزوں نہ تھا۔ ایک طوائف کا مکان قریب ہونے کے باعث وہ لڑکی اپنی حالت کا موازنہ اس سے کر کے ہمیشہ رشک کرتی تھی۔ یہاں تک کہ آخر ایک روز شوہر سے لڑائی ہونے کے بعد بازار حسن کی زینت بن گئی۔ ایک مخلص قوم نے اسے بہت مشکل سے اس ذلت کے غار سے نکال کر اس راستہ پر لگا دیا جو انسانی زندگی کا منزل مقصود ہے۔ ضمناً ان امور پر بھی نہایت خوبی سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ کہ بازار حسن کے فروغ کا سوسائٹی پر کس قدر الزام ہے۔ ہندو مسلم اختلافات کے کیسے مضر نتائج نکلتے ہیں۔ اور بازار حسن کی اصلاح کے کیا طریق ہیں۔ قیمت حصہ اول عہ حصہ دوم عہ ۱۲/ *

شیخ حسن

روحانیت کے متعلق ایک نہایت دلچسپ کتاب جو چشم دید واقعات پر مبنی ہے۔ دنیا میں جنوں کا وجود ہے یا نہیں؟ روحیں دنیا میں بلوائی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ ان روحوں کو عامل کس طرح بلاتے ہیں؟ روحوں کے اقتدار میں کیا کچھ ہے؟ ان سب باتوں کا اس کتاب میں ذکر ہے شیخ حسن کی دردناک داستان اور رشیدہ کا المناک انجام آنکھوں میں آنسو بھر لاتا ہے عالم ارواح کا بیان بدن کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔ اور مصطفٰے اور علی دونو بھائیوں کے کیرکٹر اس قدر عمیق۔ مکمل اور دلچسپ ہیں۔ کہ بہت کم اردو ناولوں میں بیان کئے گئے ہونگے۔ قیمت ۱۲/ *



دار الاشاعت پنجاب ریلوے روڈ لاہور

مرکنٹائل پریس لاہور میں سید ممتاز علی اینڈ سنز پبلشرز ریلوے روڈ لاہور نے باہتمام منشی الٰہ بخش پرنٹر چھپوا

اردو ادب [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دارالاشاعت [illegible]

سلسلہ کہکشاں کی تصانیف

پریم بتیسی۔ ہندوستان کے بے نظیر افسانہ نویس منشی پریم چند کے بتیس [illegible] کا مجموعہ جو اصلاح اخلاق پر مبنی ہیں۔ اور جن کا مقصد شرافت، نجابت، حیا، خوف خدا، شجاعت اور آزادیٔ ضمیر وغیرہ کو برانگیختہ کرنا ہے۔ حصہ اول [illegible]

پریم پچیسی۔ ادیب فطرت نگار منشی پریم چند کے پچیس افسانوں کا مجموعہ جن میں ماتا۔ بڑے گھر کی بیٹی۔ نمک کا داروغہ۔ رانی سارندھا۔ بے غرض [illegible] آہ بے کس۔ خون سفید۔ حسرت۔ ایک آواز۔ کرموں کا پھل۔ غیرت کی منزل مقصود وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قیمت حصہ اول [illegible]

گوشۂ عافیت۔ منشی پریم چند صاحب کا تازہ ناول۔ جس میں دیہات کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ اور اقتصادی مسائل کے حل پر بھی مضمون [illegible] گیا ہے۔ قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible]

چوگان ہستی۔ ادیب فطرت نگار منشی پریم چند کا ایک حیرت ناک [illegible] جسے شان قادر الکلامی سے بیان کیا گیا ہے۔ اور جس میں معاشرت کی [illegible] اور کردار نگاری، نکتہ رسی اور فلسفیانہ غور و خوض کی خصوصیات اپنے شباب پر ہیں۔ قیمت حصہ اول [illegible] حصہ دوم [illegible]

بازار حسن۔ ادیب فطرت نگار منشی پریم چند کا [illegible] ناول جس میں حسین اور نادار [illegible] لڑکی کی سرگذشت لکھی گئی ہے [illegible]

دار الاشاعت پنجاب لاہور

[illegible]